
وفا کی خوشبو

بلقیس ہاشمی
کی دیگر تصانیف



عابدہ

حوریہ

عدنانہ

نورستہ

تماضرہ

انتقام


معاشرتی
اصلاحی
رُومانی ناول
بلقیس ہاشمی
جمال
پبلشرز
ملتان ۲

ادارہ : جمال پبلشرز ملتان

ناشر : بی-اے قیصر

پیش کار : ایم-اے ساجد

طباعت : ہمدرد پریس ملتان

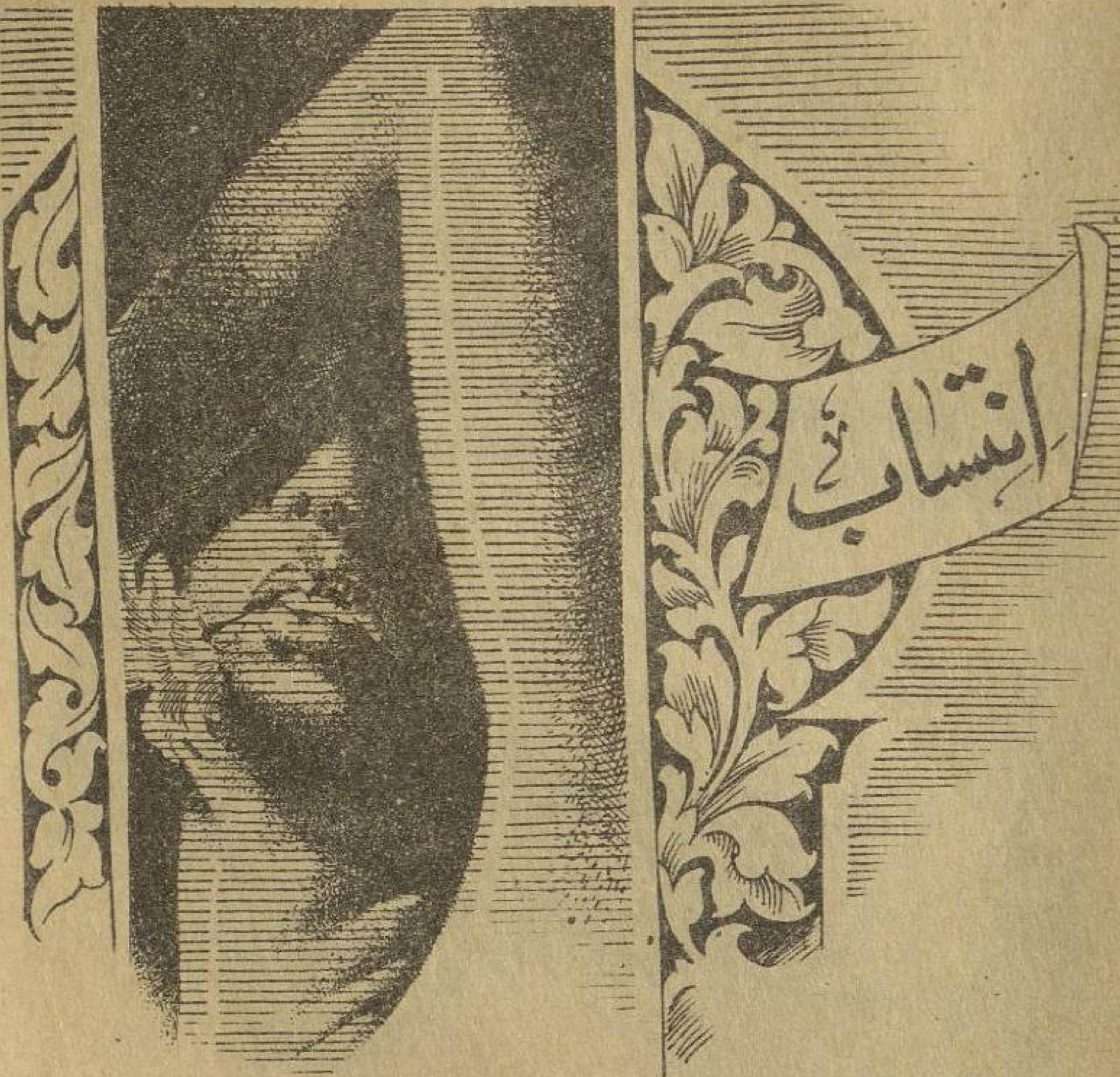
کتابت : آصف محمود

آرٹ : فدا ملتانی

قیمت : /-

ناول وفا کی خوشبو کے تمام نام مقام اور واقعات فرضی ہیں کسی قسم کی مطابقت محض
اتفاقیہ سمجھی جائے گی جس کیلئے مصنفہ یا پبلشرز کسی قسم کی ذمہ داری قبول نہیں کریں گے


پُرسیدم از بلند نگاهے حیات چیست
گفتا مئے کہ تلخ تر اُو نکو تر است



ان موہوم اُمیدوں کے نام
جن کا سہارا لے کر انسان اکثر زندگی
کی دشوار راہیں طے کر لیتا ہے

بلقیس ہاشمی

پیش لفظ

جب کلی کھلتی ہے۔ تو اس کی خوشبو سے تختۂ گلستان مہک اٹھتا ہے۔ اور جب کوئی لڑکی کسی لڑکے سے چوری چھپے محبت کرنے لگتی ہے۔ تو ان کے پیار کی خوشبو کوچہ بازار میں پھیل جاتی ہے اور چھپائے نہیں چھپتی۔ جب ہی تو عشق گزیدہ لوگوں نے پیار کرنے سے منع کیا ہے۔ کیونکہ ان کے خیال میں ———

ع کہتے ہیں جس کو عشق خلل ہے دماغ کا

پیارے قارئین۔ آپ کا کیا خیال ہے ——— ؟

ایک لڑکا جب عنفوانِ شباب میں قدم رکھتا ہے۔ تو کسی نوخیز الھڑ "مٹیار" کو دیکھ کر واہی ہو جاتا ہے۔ یوں لگتا ہے۔ جیسے اس پہ کوئی حادثہ گزر گیا ہو۔

جی ہاں — "آنکھ لڑنا کسی حادثے سے کم نہیں" اور اگر یہ حادثہ کسی متحرک جگہ پر ہو جائے جیسے ریل گاڑی ——— تو سمجھ لیجئے کہ عاشق صاحب نے محبت کے معاملے میں ریل کی سی عجلت سے برسوں کا فاصلہ لمحوں میں طے کر لیا۔

امارہ اور شہزاد کی محبت بھی ریل گاڑی کی مرہون منت تھی ———

شوکت تھانوی مرحوم

کہتے ہیں۔ کہ "سب سے خطرناک عشق وہ ہے جو ریل گاڑی میں ہو"۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو۔ کہ جہاں کوئی البیلی امارہ کسی شہزاد ثانی سے ریل گاڑی جیسی متحرک جگہ پر عشق فرماتی ہے۔ تو کیوپڈ کا تیر مس (MIS) ہو کر بجائے لڑکے کے ڈرائیور صاحب کے سر میں جا لگتا ہے۔

نتیجہ ظاہر ہے —

حادثہ! —— اور سینکڑوں انسانوں کی موت!!

امارہ اور شہزاد جس محبت کی گاڑی میں بیٹھے تھے۔ اسے بھی ایسا ہی جانکاہ حادثہ پیش آیا — اور امارہ کی ماں اس سے ہمیشہ کیلئے جدا ہو گئی۔ یتیم امارہ کو شہزاد کی شفیق ماں سلمیٰ خاتون اپنے گھر لے آئیں۔ یعنی بالفاظ دیگر دو ستاروں کا ایک ہی بُرج میں قران ہوا۔ اور آپ یہ تو جانتے ہی ہیں۔ کہ ہر بُرج میں ایک کیتو بھی ہوتا ہے پھر یہاں کیوں نہ ہوتا۔ پیار کی اس بستی میں ایک ثمینہ بھی رہتی تھی جو شہزاد کے دل کو "اپنی ہی شے" تصوّر کرتی تھی —— وہ اپنی دنیا لٹتے دیکھ کر خاموش کیونکر رہتی —!

چنانچہ بی ثمینہ نے کیتو کا کام خوب سرانجام دیا۔ اور شہزاد کے چھوٹے بھائی عارف کو امارہ کے چاہنے والے (SUITOR) کی حیثیت سے شہزاد کے سامنے لا کھڑا کیا۔

مُحبت کی یہ ازلی تکون (جو ہمارے اردو ادب کا ایک خاصہ ہے) نجانے کیا گل کھلاتی کہ اس دوران عارف صاحب کو ایک خان بابا ملا جس نے رمزیہ زبان میں یہ کہا۔

"وہ نہ امارا ہے نہ تمارا"

میں اس کا فیصلہ قارئین پر چھوڑتی ہوں۔ کہ وہ خان بابا کی زبان میں اس کا حل تجویز کر کے بھیجیں کہ **یہ** "امارہ" کس کا ہے۔ اور انعام کا وعدہ پبلشر پر چھوڑتی ہوں ——

رشیدہ بانو

ایکسپریس ٹرین اپنی پوری رفتار سے بھاگ رہی تھی۔

اور

اسی ٹرین کے ایک زنانہ ڈبہ میں بیٹھی امارہ اپنی بوڑھی امّی کیجانب دیکھ دیکھ کر مسکرا رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ شدت کی اس گرمی میں نہ جانے لوگ گھروں کا آرام چھوڑ سفر کی صعوبتیں برداشت کرنے کے لئے کیوں روانہ ہو جاتے ہیں، چالیس نشستوں کے اس ڈبے میں سو سے زائد عورتیں اور بچے بیٹھے اپنی پیشانیوں

سے بہنے والا پسینہ صاف کر رہے تھے۔ کھڑکیوں کی راہ سے اُڑ کر آنے والی گرد اور ریت ان سب کے چہروں اور بالوں میں جم گئی تھی۔ ریت اور گرد کی تہہ پر پسینے کی لکیریں ایسی معلوم ہوتی تھیں جیسے کسی کچی دیوار پر چھت ٹپکنے سے لکیریں بن جاتی ہیں

امارہ کے دل میں شدید خواہش پیدا ہوئی کہ اٹھ کر ہر ایک کو اس کا چہرہ آئینہ میں دکھائے۔ اور پھر باری باری ہر ایک سے سوال کرے!

کیوں ——— کیا انہی لکیروں کے لئے تم نے اپنے گھروں کا آرام چھوڑ کر رخت سفر باندھا تھا؟ ——— کیا ایسی لکیریں گھر کے آرام دہ ماحول میں بیٹھکر نہیں بنا سکتے تھے؟

لیکن وہ اپنی اس خواہش کو عملی جامہ نہ پہنا سکی۔

اس کے پاس کوئی آئینہ نہیں تھا۔ اور نہ ہی کمرے میں اتنی گنجائش تھی کہ وہ ہر ایک کے سامنے جا سکتی۔ وہاں تو تل رکھنے کی جگہ بھی نہیں تھی۔ نشستوں پر اوپر کی سیٹوں پر، سیٹوں کے درمیان، ہر جگہ عورتیں اور بچے ٹھنسے ہوئے تھے۔ کلکتہ کے بلیک ہول کے متعلق تو اس نے کسی متعصب ہندو یا انگریز کی تاریخ میں پڑھا تھا۔ لیکن اس جہنمی ہول کا انداز آج اسے خود ہو گیا تھا۔ اور وہ دل میں سوچنے لگی ——— کیا ہم سب زندہ اور سلامت منزلِ مقصود تک پہنچ جائیں گے ——— ؟

ناممکن! اس نے خود ہی اپنی سوچ کا جواب تلاش کر لیا۔ اگر تھکاوٹ سے نہ مر سکے تو حبس سے مر جائیں گے۔ گرم لو کسی کی جان لے لیگی۔ یا گرد و غبار کا پوڈر

کسی کی سانس لینے والی رگوں میں جم کر اس کی سانسیں ختم کر دے گا؛

حادثہ ضرور ہو گا ــــ حادثہ ضرور ہونا چاہیے! تاکہ محکمہ ریلوے کے ناخداؤں کو علم ہو سکے کہ چالیس نشستوں والے ڈبے میں سو سے زائد عورتیں اور بچے ٹھونسنے کا انجام کیا ہوتا ہے؛

لیکن کوئی حادثہ رونما نہیں ہوا، کسی عورت کی رگوں میں گرد و غبار کا پوڈر نہیں جما، کسی بچے کو لو نہیں لگی، کسی کا دم حبس سے بند نہیں ہوا؛ البتہ ایک جنکشن پر گاڑی رک گئی؛ اور گاڑی کے رکتے ہی دروازہ کھلا اور دس پندرہ عورتیں ان کے بچوں اور گٹھڑیوں کا ریلا بلائے ناگہانی کیطرح اس ڈبے میں آ گیا!

اب حادثہ ضرور ہو گا! ــــ امارہ نے سوچا، پہلے سانس لینے کی گنجائش تھی، اب وہ بھی باقی نہیں رہی؛ اور جب انسان سانس بھی نہ لے سکے تو کوئی نہ کوئی حادثہ ضرور جنم لیتا ہے۔

امی جان ــــ امارہ جس کھڑکی کے قریب فرش پر کسی کی گٹھڑی اپنے نیچے رکھے بیٹھی تھی؛ اسی کھڑکی سے ایک نوجوان نے اپنی امی کو پکارا؛

جی بیٹا ــــ داہنی نشست پر بیٹھی ہوئی ایک معمر خاتون نے جواب دیا

امّی جان، کسی چیز کی ضرورت ہو تو فرمایئے؛

بیٹا، یہ صراحی لے جاؤ، خالی ہو گئی ہے۔ پانی لے آنا؛

خاتون نے سیٹ کے نیچے سے صراحی نکال کر کھڑکی کی جانب بڑھائی؛

عین اسی وقت دروازے سے آنے والی عورتوں اور بچوں کا ریلا وہاں تک پہنچ چکا تھا۔ کسی عورت کا ہاتھ اس صراحی پر پڑا۔ اور بوڑھی خاتون کے ہاتھ سے صراحی نکل کر امارہ کی گود میں گر گئی۔

یہ لیجئے۔ امارہ نے صراحی نوجوان کو پکڑا دی۔ اور وہ نوجوان مسکراتا ہوا صراحی لیکر پلیٹ فارم کے ہجوم میں گم ہو گیا۔

نان چھولے۔ برف ملائی۔ ٹھنڈی لسی۔ گرم چائے۔ سوڈا بوتل۔

پلیٹ فارم کے ہجوم سے ہر قسم کی آوازیں آ رہی تھیں۔ اور امارہ کھڑکی کے قریب فرش پر بیٹھی بڑی دلچسپی سے سُن رہی تھی۔

امی جان —— آپ بھی لے لیجئے کچھ —— اس نے قریب ہی سیٹ پر بیٹھی ہوئی اپنی بوڑھی ماں سے کہا۔

کیا لینا ہے۔ بیٹی! گرمی سے تو جان نکل رہی ہے۔ اس کی امی نے پیار بھری نگاہوں سے اپنی بیٹی کیجانب دیکھ کر جواب دیا۔ اور پھر دوپٹے سے اپنا چہرہ صاف کرنے لگی۔

میرا دل چاہتا ہے۔ امی کہ نان چھولے۔ برف ملائی۔ ٹھنڈی لسی۔ گرم چائے اور سوڈا بوتل یہ سب لے کر ایک پیالے میں گھول لوں۔ اور ان عورتوں کی خدمت میں پیش کروں جو ابھی ابھی آئی ہیں۔

کیوں بیٹی —— اس کی امی نے مسکرا کر اپنی شوخ و شریر بیٹی کیجانب دیکھا

اپنی بیٹی کی شوخ فطرت سے وہ خوب واقف تھی:

ممکن ہے امّی جان کو ان سب چیزوں کے محلول سے انہیں یہ سمجھ آجائے، کہ اس چھوٹے سے ڈبے میں اب سانس لینے کی گنجائش بھی باقی نہیں رہی،

خاموش رہ بیٹی، ورنہ اس پردیس میں اگر کوئی الجھ گئی تجھ سے تو کیا کرے گی،

یہاں الجھنے کی گنجائش ہی کہاں ہے، امی جان، الجھنے کے لیئے تو جگہ چاہیئے، اور یہاں ہلنے اور کروٹ لینے کی بھی جگہ نہیں ہے، امارہ نے بڑی شوخ نگاہوں سے اپنی امّی کیجانب دیکھ کر سرگوشی کی،

پھر بھی خاموش رہ بیٹی، سفر میں شرارتیں اچھی نہیں ہوتیں،

امّی جان —— پانی،

اسی نوجوان نے صراحی کھڑکی میں رکھ کر اپنی امّی کو آواز دی، اور اس کی امّی امارہ کیجانب ایسی نگاہوں سے دیکھنے لگی جیسے کہہ رہی ہو، —— بیٹی اب تو ہی تکلیف اٹھالے، ذرا

امارہ نے اس کی نگاہوں کا مطلب سمجھ کر نوجوان سے صراحی پکڑ لی، اور پھر اس خاتون کے قریب رکھ دی،

امّی جان، کسی اور چیز کی ضرورت،

نہیں بیٹا، اب تم اپنے ڈبے میں جاؤ، گاڑی کہیں چل نہ دے،

وہ نوجوان واپس جانے ہی لگا تھا، کہ امارہ نے اپنی امّی کو پکارا،

امی جان

اور وہ نوجوان رک کر امارہ کیجانب دیکھنے لگا، کہ شاید اس خوبصورت اور نوجوان لڑکی کو کسی چیز کی ضرورت ہو،

کیا بات ہے بیٹی ـــــ امارہ کی امی نے بڑے پیار سے پوچھا،

امی جان، اس سٹیشن پر ٹھنڈی ہوا نہیں بکتی ہے

چپ رہ، شریر کہیں کی، اس کی امی نے اسے پیار سے ڈانٹا، اور نوجوان زیر لب مسکرا کر چلدیا،

کیا بات ہے۔ بہن جی، کیا منگوانا ہے آپ کو، شہزاد بیٹے سے کہہ دیجئے

کچھ نہیں منگوانا بہن ـــــ امارہ کی امی نے شہزاد کی امی کیجانب دیکھکر کہا

آپ کی بیٹی کچھ کہہ تو رہی تھی،

ہاں خالہ جان ـــــ امارہ نے شہزاد کی امی کو جواب دیا

میں نے سوچا تھا، شاید اس جنکشن سے ٹھنڈی ہوا بھی مل جائے، لیکن غالباً یہاں فروخت نہیں ہوتی،

شہزاد کی امی ہنسنے لگی،

ہوا ٹھنڈی سٹیشن پر کہاں ملتی ہے، بیٹی وہ تو گھر پہنچ کر ہی نصیب ہوگی، شہزاد کی امی کو گرمی کا یکلخت احساس ہوا، اس نے نگاہیں اٹھا کر چھت پر چلنے والے پنکھے کیجانب دیکھا، اور پھر دوپٹے سے اپنا چہرہ صاف کرنے لگی،

اس موئے پنکھے کی ہوا بھی تو گرم ہے۔

امارہ کی امّی نے بھی نگاہیں اٹھا کر چھت کیجانب دیکھا، اور پھر شہزاد کی امّی سے گفتگو میں مصروف ہو گئی۔ ڈبے کے اندر شور قدرے مدھم ہو گیا تھا، غالباً نئی چڑھنے والی عورتوں اور بچّوں نے اپنے لئے کہیں نہ کہیں قدم رکھنے کی جگہ تلاش کر لی تھی۔ پلیٹ فارم پر بھی اب ہجوم قدرے کم ہو گیا تھا، گاڑی سے اترنے والی سواریاں اپنا اپنا سامان قلیوں کے سروں پر رکھ کر پلیٹ فارم سے روانہ ہو چکی تھیں، جن مسافروں نے گاڑی میں جانا تھا، وہ سوار ہو چکے تھے، اور اب پلیٹ فارم پر صرف خوانچہ فروش تھے، یا وہ چند ایک سواریاں جو کسی ضرورت کے تحت اتری تھیں۔

گارڈ نے وسل دیا، سبز جھنڈی ہلائی، اور گاڑی پھر آہستہ آہستہ رینگنے لگی اور جب پلیٹ فارم سے تھوڑی دور جا کر گاڑی نے رفتار پکڑی تو ایک ہلکا سا جھٹکا لگا اور امارہ کی گود میں اوپر سے کہیں ایک چھوٹی سی گٹھڑی آ گری۔ امارہ اس گٹھڑی کو ہاتھ میں پکڑ کر دیکھتی رہی، پھر اس نے نیچے رکھ کر اس پر اپنے پاؤں ٹکا دیئے۔

ارے بہن، اسے پاؤں میں کیوں رکھتی ہو، اس میں تو روٹیاں بھی ہیں۔

روٹیاں ——— امارہ نے حیران ہو کر اپنے قریب کھڑی عورت کیجانب دیکھا اور پھر پاؤں کے نیچے سے گٹھڑی نکال کر اسے دیتے ہوئے کہنے لگی۔

اِس میں روٹیاں ہیں تو اسے سر پر رکھو بہن، نیچے کیوں پھینک دیا اِسے؛
سر پر ہی تو رکھی ہوئی تھی، گاڑی چلنے سے گر گئی؛ اس عورت نے گٹھڑی پکڑ کر جواب دیا؛
اچھا ــــــ تو پھر اسے میرے سر پر رکھو؛ بہن؛ وہ یہاں سے نہیں گرے گی
امارہ کی امّی اور شہزاد کی امّی امارہ کی اس جھنجلاہٹ پر مسکرا دیں؛ اور امارہ بڑی معصومیّت سے باہر کیجانب دیکھنے لگی؛
امّی جان؛ ہم کب پہنچیں گی ــــــ امارہ نے اپنی امی کیجانب دیکھکر سوال کیا؛
کیوں ــــــ بے کیا گبھرا گئی ہو بیٹی؛ ابھی تو سارا دن اور ساری رات کا سفر باقی ہے؛ اگر خدا کو منظور ہوا؛ تو کل صبح سویرے پہنچ جائیں گے؛
اچھا ــــــ امارہ نے ٹھنڈی سانس لی؛ اور نگاہیں کھڑکی کے شیشے پر جما دیں
گاڑی اپنی پوری رفتار سے منزلِ مقصود کیجانب جا رہی تھی؛ اور کھڑکی کے باہر درخت؛ تاروں کے کھمبے؛ جھاڑیاں؛ کھیت؛ فصلیں ہر چیز بھاگ رہی تھی؛
ہر چیز بھاگ رہی ہے ــــــ امارہ نے اپنے ذہن میں سوچا؛ انسان کی زندگی بھی یونہی بھاگتی چلی جا رہی ہے؛ دن طلوع ہوتے ہیں؛ غروب ہو جاتے ہیں؛ راتوں کی سیاہی پھیلتی ہے؛ ختم ہو جاتی ہے؛ دن رات؛ غم اور خوشیاں؛ دکھ اور سکھ؛ رنج اور راحت سب ایسے ہی بھاگ رہے ہیں؛ حتےٰ کہ ایک دن انسان

موت کی آغوش میں پہنچ جاتا ہے، زندگی کا طویل مگر مختصر سفر پلک جھپکنے کی دیر میں ختم ہو جاتا ہے۔

زندگی کی گاڑی منزلِ مقصود پر پہنچ جاتی ہے۔

گاڑی اپنی پوری رفتار سے بھاگتی رہی، اور اسی رفتار سے امارہ کی سوچ اس کا ساتھ دیتی رہی، مختلف خیالات اس کے ذہن میں چند لمحوں کے لئے آتے اور پھر نظروں سے اوجھل ہونیوالے درختوں، کھیتوں اور بجلی کے کھمبوں کی طرح نکل جاتے، یکے بعد دیگرے ہزارہا خیالات اس کے ذہن میں پیدا ہوئے، اور چند لمحوں کے لئے ذہن کی سلوٹوں پر اپنے نقوش بنا کر رخصت ہو گئے۔ وہ باہر دیکھتی رہی، اور سوچتی رہی، اس کی امی شہزادی آمی کے ساتھ خدا جانے کیسی گفتگو میں محو تھی، ان دونوں بوڑھی عورتوں کی گفتگو کا یہ دراز سلسلہ ختم ہونے میں ہی نہیں آرہا تھا

گاڑی کی رفتار قدرے کم ہوئی۔

غالباً جنکشن آرہا ہے، امارہ نے سوچا اور اس کے ذہن پر چھائے ہوئے سارے خیالات پریشان ہو کر بکھر گئے۔ وہ ان عمارتوں کا نظارہ کرنے لگی، جو ریل کی پٹڑی کے گرد بنی ہوئی تھیں، پہلے وہ عمارتیں دور دور دکھائی دیتی تھیں، ان کا سلسلہ آہستہ آہستہ قریب آتا گیا، گاڑی کے پہیئے پٹڑیاں بدلنے لگے، سگنل آئے اور گزر گئے، پھر راستے پٹڑیوں کا ایک وسیع

جال دکھائی دیا ، جن پر کہیں کہیں مال گاڑیوں کے ڈبے کھڑے تھے ، یکے بعد دیگرے یہ ڈبے بھی نظروں سے اوجھل ہو گئے ، اور پھر گاڑی آہستہ آہستہ پلیٹ فارم پر رینگنے لگی ، یہاں تو پہلے سے بھی زیادہ بھیڑ تھی ، ہزارہا افراد گاڑی کے انتظار میں اپنا اپنا سامان اٹھائے کھڑے تھے ۔

اب حادثہ یقینی ہے ، اس نے اس ہجوم کو دیکھ کر دل میں سوچا ، اگر یہ سارے مسافر اسی گاڑی میں سوار ہو گئے ، تو پھر ہم لوگ منزلِ مقصود تک کیسے پہنچ سکیں گے ، یقیناً کسی نہ کسی کا ہارٹ فیل ہو جائے گا ۔

گاڑی رُک گئی ۔

اور ڈبے سے عورتیں آہستہ آہستہ پلیٹ فارم پر اترنے لگیں لیکن اتنی عورتیں اتر نہیں پائی تھیں کہ اس سے زیادہ سوار ہو گئیں ، ایک عورت کو دروازے سے سوار ہونے کی جگہ نہیں مل رہی تھی ، اس نے اپنی موٹی سی گٹھڑی اسی کھڑکی کے اندر سے پھینک دی جیسے قریب فرش پر امارہ بیٹھی تھی ، یہ بڑی سی گٹھڑی سیدھی امارہ پر آ گری ، امارہ پہلے تو اس آفت سے گھبرا گئی ، لیکن دوسرے ہی لمحے اس کے تیز طرار ذہن نے اس سے فائدہ اٹھانے کا طریقہ سوچ لیا ، اس نے گٹھڑی کو کھڑکی کے قریب فرش پر رکھا ، پہلے سے جو گٹھڑی اس کے نیچے تھی اسے سیٹ کے نیچے کر دیا ، یہ دوسری گٹھڑی پہلے والی سے موٹی اور بڑی تھی ، امارہ بڑے اطمینان سے اس کے اوپر بیٹھ گئی

بہن اسے سنبھال کر رکھنا، میں دروازے کے راستہ سے آتی ہوں؛
گٹھڑی کی فکر نہ کرو بہن؛ اور اگر دروازے سے جگہ نہ ملے تو اسی کھڑکی کی راہ سے اندر آجاؤ؛

وہ عورت چند لمحے سوچتی رہی؛ اس نے دروازے کیجانب دیکھا۔ وہاں ابھی تک دھکم پیل ہو رہی تھی؛ امارہ ہی کے مشورے کو صائب سمجھتے ہوئے اس نے کھڑکی کی راہ سے اندر آنے کی کوشش شروع کردی؛

ایسے نہیں بہن ——— امارہ کی رگ ظرافت پھڑک اٹھی اور وہ اس کے کان کے قریب اپنے ہونٹ لے جا کر سرگوشی کرنے لگی؛

تو پھر اور کیسے ——— اس دیہاتی عورت نے بڑی معصومیت سے پوچھا؛

تمہیں ذرا تکلیف اٹھانا ہوگی بہن؛ طریقہ تو بڑا آسان ہے یعنی، سوار ہونیکا؛

کیا ——— عورت نے جلدی سے پوچھا اور پھر دروازے کیجانب دیکھنے لگی؛

اپنے دونوں ہاتھ پلیٹ فارم پر رکھو اور دونوں پاؤں اس کھڑکی میں ——— بس میں تمہاری ٹانگیں پکڑ کر اوپر کھینچ لوں گی؛

وہ عورت شائد زیادہ گھبرائی ہوئی تھی؛ بلا سوچے سمجھے اس نے امارہ کی ہدایت پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا؛

لیکن جیسے ہی اس نے پلیٹ فارم پر دونوں ہاتھ رکھے؛ اسی وقت غالباً اپنی اس حماقت کا اسے احساس ہوگیا؛ وہ فوراً سیدھی کھڑی ہوگئی؛ اور امارہ کیجانب

دیکھنے لگی: امارہ بڑی سنجیدگی سے اس کیجانب دیکھ دیکھ کر اسے عمل کرنے کی ترغیب دلا رہی تھی! لیکن وہ عورت دروازے کیجانب بڑھ گئی!

شہزاد قریب ہی کھڑا بڑی دلچسپی سے یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا! جب وہ عورت کھڑکی سے دروازے کیجانب لپکی تو شہزاد مسکراتا ہوا کھڑکی کے سامنے آگیا

شہزادہ اور امارہ کی امی ——— دونوں بوڑھی عورتیں امارہ کی اس نئی شرارت پہ ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو رہی تھیں! شہزاد کیجانب دیکھ کر دونوں ہی مسکرانے لگیں

امی جان ——— شہزاد نے ہنستے ہوئے کہا! کھانا اسی اسٹیشن پہ کھایا جاتے اس کے بعد تو دو گھنٹے تک گاڑی کہیں رکے گی نہیں!

دو گھنٹے شہزاد کی امی نے حیران ہو کر اپنے بیٹے کیجانب دیکھا! بیٹا! سالن تو اپنے پاس موجود ہے! اسے گرم کروا سکو تو بہتر ہے! ورنہ روٹیاں لے آؤ!

خالہ جان! گرمیوں میں ٹھنڈا سالن زیادہ لطف دیتا ہے! امارہ نے شہزاد کی امی کیجانب دیکھ کر کہا!

ہاں بیٹی! تمہاری ہر منطق ہی نرالی ہے! شہزاد کی امی نے بڑے پیار سے امارہ کیجانب دیکھا! اور پھر ٹوکری سے سالن کا ڈبہ نکال کر شہزاد کو پکڑانے لگی!

امی جان! آپ بھی روٹی منگوالیں! ورنہ دو گھنٹے بڑے طویل ہوتے ہیں!

[illegible] کی امی اپنی جیب سے پیسے نکالنے ہی لگی تھی! کہ شہزاد کی امی نے

نہ بہن، رہنے دو، سالن کافی ہے۔ روٹیاں شہزاد بیٹا لے آئے گا۔ جاؤ بیٹا، ہم تینوں کے لئے روٹی لے آؤ۔

امارہ کی اماں روکتی ہی رہ گئی، لیکن شہزاد سالن کا ڈبہ لے کر ہجوم میں گم ہو گیا۔

امارہ کھڑکی سے نگاہیں باہر نکالے، پلیٹ فارم کی جانب دیکھ رہی تھی۔ کہ ڈبے میں وہی عورت بچوں کو روندتی اور عورتوں میں سے اپنی راہ بناتی اس کے قریب پہنچ گئی۔

اری بہن، میری گٹھڑی کہاں ہے؟ یہ میں نے تمہیں اپنی گٹھڑی دی تھی۔

میں نے سنبھال لی ہے بہن، تم اپنے لئے جگہ بنا دو، اترتے وقت گٹھڑی لے جانا۔

اچھا بہن خدا تمہارا بھلا کرے! اس عورت نے امارہ کو دعائیں دیں اور اپنے لئے جگہ تلاش کرنے لگی۔ لیکن جگہ وہاں کہاں تھی۔ ادھر ادھر نگاہیں دوڑا کر پھر وہیں کھڑی رہ گئی۔

سالن تو گرم نہیں ہو سکا امّی جان، روٹیاں لے آیا ہوں۔

شہزاد نے کھڑکی سے روٹیوں کا رومال اور سالن کا ڈبہ دیتے ہوئے کہا۔

ٹھنڈا ہی کھا لیں گے، بیٹا، ٹھہرو تم اپنے لئے لیتے جاؤ۔

رہنے دیں، امّی جان، مجھے بھوک زیادہ نہیں ہے۔ میں پلیٹ فارم سے کوئی چیز لے کر کھا لوں گا۔

تھوڑی سی کھالو بیٹا! ٹھہرو! یہیں کھڑکی میں رکھ دیتی ہوں! یہیں کھڑے کھڑے دو لقمے لگالو!

شہزاد کی امی نے جلدی سے روٹیوں کا ڈبہ کھڑکی میں رکھ دیا! اور دو روٹیاں نکال کر شہزاد کو دے دیں! لیکن شہزاد نے صرف ایک روٹی لی! اور ڈبے سے تھوڑا سا سالن نکال کر روٹی پر ہی رکھ لیا! اور وہیں کھڑے ہو کر کھانے لگا!

یہ لو بیٹی! تم بھی لے لو!

ایک روٹی پر ہی تھوڑا سا سالن رکھ دیں! خالہ جان! ٹھنڈے سالن کا ہی تو مزہ ہے! اس کے لیئے پلیٹ کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی!

شہزاد کی امی نے ایک روٹی پر تھوڑا سا سالن رکھ کر امارہ کو دے دیا! اور خود دونوں بوڑھی عورتیں باقی ماندہ روٹیاں اور سالن کھانے لگیں!

اوپر کی سیٹ پر چھ سات سالہ ایک چھوٹا سا بچہ اپنی ماں کے قریب بیٹھا تھا! اسی سیٹ پر دو تین ٹرنک اور مختلف گٹھڑیاں پڑی تھیں! اچانک اس بچہ نے اپنی ٹانگ سیدھی کرنے کے لئے جب کوشش کی! تو ایک گٹھڑی اوپر سے گری! اور امارہ کے ہاتھوں میں سے روٹی چھوٹ گئی! امارہ چند لمحے تو اس گرنے والی گٹھڑی کی جانب اور اپنے خالی ہاتھوں کیجانب دیکھتی رہی! پھر اس کی نگاہیں اوپر اٹھیں! ننھا بچہ اوپر مسکرا رہا تھا!

ارے ـــــ اگر تمہیں روٹی کی ضرورت تھی تو ویسے کہہ دیتے! گٹھڑی پھینک

کر یاد دلانے کی کیا ضرورت تھی؛

امارہ اٹھی؛ اس نے گٹھڑی اٹھا کر دوبارہ اوپر کی سیٹ پر رکھ دی؛ اور وہ روٹی جس کا سالن گٹھڑی کی چادر کو لگ گیا تھا؛ نیچے کے ہاتھ میں دے کر کہنے لگی؛

یہ لو ــــ اسے اب تم ہی کھا لو؛ سالن کی ضرورت پڑے تو اس چادر سے ٹکڑے لگا لینا؛

نیچے بیٹھی ہوئی ساری عورتیں ہنسنے لگیں؛ کھڑکی میں کھڑا شہزاد مسکرا رہا تھا اور اگر اسے پانی کی ضرورت محسوس ہوئی تو ــــ اس نے پہلی بار براہ راست امارہ سے کہا؛

تو پھر یہ قریب والا ٹرنک کھسکا دے گا؛ اور میں اگر زندہ بچ گئی؛ تو پانی کا گلاس بھی دے دوں گی؛

امارہ نے مسکرا کر شہزاد کو جواب دیا؛ اور پھر اپنی گٹھڑی پر بیٹھ کر نیچے کی طرف دیکھنے لگی؛ جوان قہقہوں سے بے نیاز روٹی کھا رہا تھا؛

بیٹا؛ اب تم جاؤ؛ کہیں گاڑی نہ چل دے؛

شہزاد چلا گیا؛ اور پھر تھوڑی ہی دیر کے بعد گاڑی دوبارہ منزل کی جانب رینگنے لگی؛

سٹیشن آتے رہے؛ گذرتے رہے؛ اور گاڑی اپنی منزل کی جانب بھاگتی رہی؛

دن کی تپش رات کی ٹھنڈی ہواؤں میں تبدیل ہو گئی! باہر اندھیرے پھیل گئے؛ اور ڈبے میں روشنی جگمگانے لگی! عورتیں اور بچے جہاں بیٹھے تھے وہیں اونگھنے لگے! نیند کی پریاں ہر متنفس کی آنکھوں میں جھانکنے لگیں! کہیں گاڑی رکتی تو اونگھنے والی آنکھیں چند لمحوں کے لئے بیدار ہوتیں؛ گاڑی چل دیتی؛ تو نیندیں پھر یلغار کر دیتیں! رات کے تین پہر اسی خواب اور بیداری کے عالم میں بیت گئے؛

اور

رات کے آخری پہر جب صبح صادق کی ٹھنڈی ہواؤں نے ڈبے کے ہر متنفس پر خواب کا نشہ طاری کر رکھا تھا؛ گاڑی کو ایک زوردار دھچکا لگا؛ گاڑی رکی؛ پھر چند قدم چلی اور پھر الٹ کر نیچے گر گئی؛

کراچی سے آنے والی ایکسپریس ٹرین ایک
عظیم حادثہ سے دوچار ہو چکی تھی
گاڑی کے پہلے تینوں ڈبے اور انجن
الٹ گئے تھے، چوتھا اور پانچواں ایک دوسرے
میں گڈمڈ ہو گئے تھے، اور باقی آخری دو ڈبے
پٹڑی پر ویسے ہی صحیح سلامت کھڑے
تھے، عورتوں کی چیخیں، بچوں کے رونے کی
آوازیں، زخموں کی کراہتیں صبح صادق کے
ان ہلکے اندھیروں میں قیامت صغرا کا نقشہ

پیش کر رہی تھیں، ہزاروں افراد ڈبوں کے نیچے دب گئے تھے۔ ہزاروں ایک دوسرے سے ٹکرانے اور اوپر سے سامان گرنے کی وجہ سے زخمی ہو چکے تھے۔ اور سینکڑوں ایسے بھی تھے، جو اس حادثے کے ہنگاموں سے بے خبر موت کی گہری، تاریک اور سنسان وادیوں میں پہنچ چکے تھے۔

موت کی تاریک وادیوں میں قدم رکھنے والوں میں امارہ کی امی بھی شامل تھی۔

حادثہ کے وقت وہ جاگ رہی تھی، جب گاڑی کو ایک زبردست جھٹکا لگا تو وہ اپنی سیٹ سے اچھل کر اپنے قریب گٹھڑی پر بیٹھنے والی امارہ پر گر گئی۔ اوپر کی سیٹ سے ننھا بچہ جو خوابِ غفلت میں سو رہا تھا، اچھل کر امارہ کی امی پر گرا اور اس کے اوپر ایک بھاری ٹرنک آ پڑا، بچہ اور امارہ کی امی تو ٹرنک گرتے ہی اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ لیکن ان سب کے نیچے دب جانے والی امارہ کے سر پر صرف معمولی چوٹ آئی، جب گاڑی کے ہچکولے ختم ہوئے، اور کمرے میں ہر جانب چیخوں کی آوازیں بلند ہونا شروع ہوئیں، تو امارہ نے بصد مشکل اپنے آپ کو اس بوجھ کے نیچے سے باہر نکالا۔ اس کی امی اس کے قریب ہی دم توڑ چکی تھی، اور بچہ تو کچل کر رہ گیا تھا۔ شہزاد کی امی سلمیٰ دھکا لگنے سے سیٹ سے نیچے گر جانا ہی اس کیلئے سُودمند ثابت ہوا۔ اس کے ایک ہاتھ کی دو انگلیاں کٹ گئی تھیں، اور ان سے خون بہہ رہا تھا۔

امارہ چند لمحے تو پھٹی پھٹی نگاہوں سے اپنی امی کی جانب دیکھتی رہی، اور

پھر دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔ اس پردیس میں اس کی امّی اسے بالکل تنہا، بے یار و مددگار چھوڑ کر سفرِ آخرت اختیار کر گئی تھی۔

لوگ ڈبوں سے لاشیں اور زخمیوں کو نکال نکال کر پٹڑی کے قریب کھلے فرش پر لٹانے لگے۔ ہر شخص اپنے عزیزوں کو تلاش کر رہا تھا۔ ہر شخص کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ ہر شخص رو رہا تھا۔ اور ایک دوسرے کو تسلی دے رہا تھا۔

امّی جان۔ امّی جان۔

انہی آوازوں میں شہزاد کی امّی سلمیٰ کو اپنے بیٹے کی آواز سنائی دی۔ شہزاد آخری دو ڈبوں میں سے ایک میں سوار تھا۔ یہ دونوں ڈبے ویسے ہی پٹڑی پر کھڑے تھے۔ ان میں کسی کی جان تلف نہیں ہوئی تھی۔ البتہ سامان گرنے سے چند ایک کو زخم ضرور آ گئے تھے۔ اور ان زخمیوں میں شہزاد بھی تھا۔ اس کا سر زور سے کھڑکی کی دہلیز کے ساتھ ٹکرایا تھا۔ اور پیشانی سے خون بہہ رہا تھا۔

امّی جان۔ امّی جان۔

اندھیروں کو چیرتی ہوئی آواز اب قریب سے سنائی دے رہی تھی۔ وہ ڈبے سے نکلتے ہوئے ہر شخص کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ ہر عورت پر نگاہیں جماتا اور امّی جان، امّی جان کی آوازیں بلند کرنے لگتا۔

سلمیٰ خاتون چند لمحے اپنے بیٹے کی آوازیں سنتی رہی۔ لیکن اس حادثے نے اس کے حواس کچھ اس طرح معطل کر دیئے تھے۔ کہ کوشش کے باوجود وہ

چند لمحے اپنے بیٹے کی پکار کا جواب دے سکی؛ پھر اس نے اپنی پوری قوتوں کو مجتمع کیا؛ اور بیٹے کو پکارنے لگی؛

شہزادے بیٹے میں یہاں ہوں؛

اسے ایسا محسوس ہوا؛ جیسے یہ اس کی اپنی آواز نہیں ہے؛ اس آواز میں تو ہزاروں لرزشیں اور ہزاروں کپکپاہٹیں پوشیدہ تھیں؛ اس کی اپنی آواز اس کے لئے اجنبی بن چکی تھی۔ لیکن یہ اجنبی آواز اس کے بیٹے نے پہچان لی؛ اور وہ زخموں اور مردوں پہ سے پھلانگتا ہوا اپنی امی کیجانب بڑھا؛

امی جان؛ آپ تو خیریت سے ہیں؛

ہاں بیٹا؛ میں تو بچ گئی لیکن........

لیکن کیا امی جان ــــ شہزاد نے گبھرا کر ادہر ادہر نگاہیں دوڑائیں؛ اسے اپنے قریب ہی وہی شوخ و طرار لڑکی بلند آواز میں بیٹھی روتی ہوئی دکھائی دی؛ اس کی گود میں اس کی امی کا سر رکھا ہوا تھا؛ اور یہ نوجوان لڑکی کبھی اپنی امی کے چہرے اور سر کو چومنے لگتی؛ اور کبھی پھر اس چہرے کو دونوں ہاتھوں میں لیکر رونے لگتی؛

کیا خدا نخواستہ امی جان......... شہزاد نے بڑے تاسف سے ان کیجانب اشارہ کر کے اپنی امی سے کچھ کہنے کی جرأت کی؛ لیکن پھر خاموش ہو گیا؛

ہاں بیٹا ــــ میری بہن اپنی بچی کا ساتھ چھوڑ گئی ہے؛

اوہ ــــ شہزاد کے ہونٹوں سے بے اختیار نکلا؛ اور اس کی امی نے لپک

کر امارہ کا سر اپنے سینے سے لگا لیا؛ اور اسے دلاسہ دینے لگی؛

نہ رو بیٹی؛ یہاں تو ساری دنیا پر ہی قیامت ٹوٹ پڑی ہے؛

خالہ جان؛ میری امّی؛ امارہ نے روتے ہوئے اپنا سر سلمٰی خاتون کے سینے سے لگا دیا؛ اور پھر اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب اس طرح بہنے لگا؛ جیسے اس کے سارے بند ٹوٹ گئے ہوں؛

بیٹی رونے سے تو تیری امّی واپس نہیں آئے گی، صبر کرو بیٹی؛ تو تو بڑے حوصلے والی بیٹی ہے؛

لیکن پردیس میں جب ماں کی لاش سامنے پڑی ہو؛ تو اس وقت سارے حوصلے؛ صبر و سکون کی ساری قوتیں اور جھوٹے دلاسے؛ یہ سب ساتھ چھوڑ دیتے ہیں؛ امارہ بھی روتی رہی؛ کبھی سلمٰی خاتون کے سینے پر سر رکھ کر رونے لگتی؛ اور کبھی اپنی مرحومہ امّی کی ٹھنڈی پیشانی پر بوسے دے کر آنسو بہانے لگتی؛

امارہ روتی رہی؛

زخمیوں کی چیخیں بلند ہوتی رہیں؛

اور رات کے آخری اندھیرے بھاگتے رہے؛ صبح کاذب کی ہلکی روشنی ہر جانب پھیل گئی؛ اور لوگوں نے دیکھا کہ پہلے تین ڈبوں میں سے اکثر افراد یا مر چکے ہیں؛ یا زخمی ہو چکے ہیں؛ اس کے بعد چوتھے اور پانچویں ڈبہ میں سے کوئی شخص زندہ نہیں بچا؛ وہ دونوں ڈبے کچھ اس انداز میں ایک دوسرے کے

اندر گھس گئے تھے۔ کہ کسی بھی متنفس کے بچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا آخر کی دو ڈبوں کے مسافروں کو معمولی چوٹیں آئی تھیں۔ اور یہی لوگ تھے ؛ جو زخمیوں اور مُردوں کو نکال نکال کر دُور کھلی جگہ لٹانے میں مصروف تھے:

ہر جانب موت تھی ؛ آہیں تھیں ؛ اور سسکیاں تھیں ؛

سورج کی پہلی کرنوں کے ساتھ ہی مدد کی گاڑی پہنچ گئی ؛ سب سے پہلے انہوں نے زخمیوں کو اس میں سوار کیا ؛ اور قریبی بڑے شہر کے ہسپتال کیجانب روانہ کر دیا ؛ مگر چند ڈاکٹر حادثوں کے ساتھ وہیں رہ گئے ؛ اور جو لوگ معمولی زخمی تھے ان کی مرہم پٹی کرنے لگے ؛ شہزاد کی امّی سلمٰے خاتون کی انگلیاں کٹ گئی تھیں ڈاکٹروں نے زور دیا کہ انہیں ہسپتال بھیج دیا جائے ؛ لیکن ہر اصرار کے جواب میں سلمٰے خاتون کا صرف ایک ہی جواب تھا؛

میری بیٹی کی ماں مر گئی ہے ؛ میں اپنی بیٹی اور اس کی ماں کی لاش کو تنہا چھوڑ کر کیسے جا سکتی ہوں ؛

اگر خون زیادہ بہہ گیا تو پھر آپ کی جان کو بھی خطرہ لاحق ہو جائے گا ایک ڈاکٹر نے دلیل دی ؛

میری جان کو کیا خطرہ ہو سکتا ہے بیٹا ؛ اگر میری موت کو آنا ہوتا ؛ تو میں بھی اپنی اس بہن کے قریب اسی طرح دراز ہوتی ؛ اگر تم یہاں مرہم پٹی کر سکتے ہو ؛ تو کر دو ورنہ مجھے مجبور نہ کرو ؛

ڈاکٹروں نے اس کی کٹی ہوئی انگلیوں پر پٹی باندھ دی؛ شہزادی کی پیشانی اور امارہ کے سر کے زخموں پر بھی پٹیاں باندھ دی گئیں؛

ارد گرد کے دیہات سے سبھی لوگ حادثے کی اطلاع ملتے وہاں جمع ہو گئے اور پھر جیسے انہیں ہوش آ گیا ہو؛ وہ اپنے اپنے گھروں کی جانب واپس دوڑنے لگے؛ اور جب تھوڑی دیر کے بعد واپس آئے تو کسی نے ہاتھ میں روٹیاں تھیں؛ کسی کے پاس لسی تھی؛ کسی نے چائے اٹھا رکھی تھی؛ کسی کے پاس دودھ کا برتن تھا؛ اپنی اپنی ہمت اور استطاعت کے مطابق یہ سادہ دل دیہاتی ان مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کے لیے پہنچ گئے تھے؛ یہ ہر زخمی کے پاس جاتے، ہر سوگوار کے قریب پہنچتے اور اپنے انتہائی سادہ الفاظ میں اسے حوصلہ اور صبر کی تلقین کرتے اور بڑے اصرار کے ساتھ اس کی خدمت میں دودھ، چائے، لسی یا پانی پیش کرتے؛ مصیبت زدوں کا آدھا دکھ ان دیہاتیوں نے بانٹ لیا تھا؛ پردیس کی ان ویرانیوں میں یہ زخمی اور سوگوار ایسا محسوس کرنے لگے تھے، جیسے وہ تنہا نہیں ہیں پردیس میں نہیں ہیں؛ بلکہ اپنے ہی وطن میں اپنے ہی عزیزوں کے درمیان بیٹھے ہیں

کافی دن چڑھے ایک دوسری ریلیف ٹرین آئی؛ اس ٹرین میں شہر کے لوگوں نے مصیبت زدگان کے لئے کھانے پینے کی بے شمار اشیاء اور پھل فروٹ بھیجے تھے؛ اسی گاڑی میں رضاکاروں کا ایک دستہ پہنچ گیا تھا؛ اور جیسے جیسے شہر کے بازاروں اور گلیوں میں حادثہ کی اطلاع پھیلتی گئی لوگ تانگوں؛ سائیکلوں؛ ٹرکوں

پر سولہ حادثہ کی جگہ پہنچنے کی کوشش کرنے لگے۔

رضاکاروں نے جائے حادثہ پہ پہنچتے ہی جاں بحق ہونے والے مردوں، عورتوں اور بچوں کو اکٹھا کیا۔ اور پھر اعلیٰ حکام کی موجودگی میں وہیں پٹڑی کے قریب ایک کھلی جگہ دیکھ کر ان کے لئے قبریں تیار کرنا شروع کر دیں۔ بعض ایسے تھے، جو تنہا سفر کر رہے تھے۔ ان کے فوٹو اتار لیے گئے۔ جن کے لواحقین ساتھ تھے۔ ان سے دریافت کر لیا گیا، کہ مرحوم کو یہیں دفن کرو گے۔ یا اپنے وطن لے جاؤ گے اکثر نے شدت کی اس گرمی میں لاش کو خراب کرنے کی بجائے وہیں دفن کرنے پر ترجیح دی۔ اور جب امارہ سے اس کی امی کے متعلق دریافت کیا گیا تو جواب دینے کی بجائے وہ رونے لگی۔

بیٹی اجازت دے دے۔ ان سارے شہیدوں کے ساتھ تیری امی کو بھی یہیں دفن کر دیا جائے۔

امارہ آنسوؤں کی چلمن سے سامنے خاتون کی جانب دیکھنے لگی۔

خالہ جان ـــــ اگر امی یہاں دفن نہیں ہوں گی تو اور کہاں جائیں گی۔ میں انہیں کہاں لے جاؤں گی۔

دوپہر ڈھلنے کے بعد جب ساری قبریں تیار ہو گئیں۔ تو قریبی گاؤں کے مولوی صاحب نے ان کا جنازہ پڑھایا۔ ہزاروں افراد ان سب کے جنازے میں شامل ہوئے۔ اور پھر آہوں، سسکیوں اور آنسوؤں کے ہار پہنا کر ان سب

کو دفن کر دیا گیا!

ریل کی پٹڑی کے قریب ایک نئے قبرستان کی بنیاد رکھ دی گئی! سینکڑوں میل کا سفر طے کر کے یہاں پہنچنے والے جو ایک دوسرے کو جانتے تک نہیں ایک دوسرے کے پہلو میں لیٹ کر زمین کے سینے میں دفن ہو گئے!

گاؤں کے مخیر حضرات نے انتہائی اصرار سے ان سب لوگوں کو کھانا کھلایا آخری بار مرحومین کے لئے ہاتھ اٹھائے اور پھر شام کے اندھیرے پھیلنے سے پہلے یہ سب لوگ اپنے اپنے ساتھیوں پر حسرت بھری نگاہیں ڈال کر اس گاڑی میں سوار ہو گئے! جو انہیں لینے کے لئے دوسری پٹڑی پر کھڑی تھی! اس مرتبہ گاڑی میں سوار ہوتے وقت نہ تو لوگوں میں جوش تھا! اور نہ خروش! نہ ان کے چہروں پر پہلے جیسی چمک تھی! اور نہ دمک! ہر شخص! ہر عورت اور ہر بچہ سہما ہوا تھا بڑی خاموشی سے گاڑی میں سوار ہوتا اور جہاں جگہ ملتی بیٹھ جاتا! سلیمہ خاتون نے نہ صرف امارہ کو اپنے قریب بٹھالیا! بلکہ اپنے بیٹے شہزاد کو بھی اپنے قریب ہی جگہ دیدی کسی عورت نے زنانہ ڈبے میں ایک نوجوان کو بیٹھے دیکھ کر ناک منہ نہیں چڑھایا!

امی جان! میں دوسرے ڈبے میں چلا جاؤں!

نہ بیٹا —— آج مجھے پتہ چلا کہ موت اچانک آیا کرتی ہے! تم میرے ہی پاس رہو بیٹا!

موت کا نام سن کر امارہ کی آنکھوں میں پھر آنسو جھلملانے لگے۔

نہ رو بیٹی ۔۔۔ سیلے خاتون نے اس کا سر اپنی گود میں رکھ لیا ! اور خود اپنے آنسو دوپٹے کے پلّو سے خشک کرنے لگی !

انہوں نے کہاں جانا ہے : امّی جان ۔۔۔ شہزاد نے امارہ کیجانب اشارہ کر کے پوچھا جانا تو انہوں نے راولپنڈی ہی تھا ۔ بیٹا ! لیکن میں اب امارہ بیٹی کو تنہا نہیں جانے دوں گی ! اسے اپنے ساتھ ہی لاہور اتار لوں گی ! بیٹا !

ٹھیک ہے امّی جان ! یہی مناسب رہے گا !

اور

رات کے پہلے پہر جب ان مصیبت زدگان کی گاڑی لاہور کے جگمگاتے پلیٹ فارم پر پہنچی تو گاڑی میں سوار سارے ہی لوگوں کے عزیز و اقارب انہیں لینے کے لئے وہاں موجود تھے ! حادثے کی اطلاع حکومت نے ریڈیو پر اناؤنس کر دی تھی ! اور اطلاع ملتے ہی مختلف اخبارات نے سیاہ حاشیوں سے اپنے ضمیمے شائع کر دیئے تھے ! ان ضمیموں میں ریلوے حکام سے رابطہ قائم کر کے گاڑی کے لاہور پہنچنے کا وقت بھی درج تھا ! اور اہلِ لاہور ۔۔۔ جو ویسے ہی سارے جہاں کا درد اپنے جگر میں رکھتے ہیں ! سٹیشن کی بلند و بالا عمارت کیجانب لپک پڑے تھے گاڑی آہستہ آہستہ رینگتی ہوئی پلیٹ فارم پر رک گئی ! اور لوگ اپنے پژمردہ چہروں کو لے کر گاڑی سے اترنے لگے ! لواحقین دوست عزیز و اقارب اپنے اپنے عزیزوں کو تلاش کرنے لگے ! اور جسے جس کا کوئی عزیز مل جاتا ! اور اپنے کسی

عزیز کی موت کی اندوہناک خبر سناتا، تو وہیں آنسوؤں کی برسات شروع ہو جاتی!
پلیٹ فارم پر آہ و فغاں کے دھوئیں لہرانے لگے!

شہزاد اور اس کی امّی سلمیٰ خاتون کو لینے کے لئے بھی ان کے لواحقین آئے ہوئے تھے: ان میں شہزاد کے والد ریٹائرڈ انجنیئر قیوم صاحب بھی تھے: اور شہزاد کی چھوٹی بہن شاہدہ بھی! اس کا چچا شکور بھی تھا: اور چچی فضیلت کے علاوہ اس کی چچی زاد بہنیں، ثمینہ اور سمیعہ بھی تھیں! ان سب کو شہزاد نے دور ہی سے دیکھ لیا تھا! اور ہاتھ کے اشارے سے اپنی موجودگی کی اطلاع دیدی تھی! یہ سب اسی جانب لپک کر بڑھے! اور دونوں ماں بیٹے کو بخیریت دیکھ کر انہوں نے خدا کا شکر ادا کیا!

لیکن

امارہ تو یہاں بھی تنہا تھی: لاہور کے اس عظیم الشان سٹیشن پر بھی اس کا کوئی عزیز نہیں تھا! لاہور کی پوری آبادی میں اس کا کوئی اپنا نہیں تھا، جب سب لوگ ایک دوسرے کو گلے مل رہے تھے، حادثے پر تبصرے کر رہے تھے ایکدوسرے کو دیکھ کر آنسو بہا رہے تھے! اور ہمدردی کا اظہار کر رہے تھے اس وقت بھی امارہ تنہا کھڑی اپنی بے بسی اور بے کسی پر آنسو بہا رہی تھی! سلمیٰ خاتون نے اس یتیم بچی کو ہزاروں افراد کے اس اجتماع میں تنہا دیکھا تو اس کی مامتا تڑپ اٹھی! اس نے لپک کر امارہ کو اپنے سینے لگایا! اور اسے تسلّی دینے لگی!

بیٹی: آنسو کیوں بہا رہی ہے! آج سے میں تیری ماں ہوں بیٹی! تیری ایک امی تجھ سے بچھڑ گئی ہے!

بیٹی! لیکن یہ دیکھ تیرے کتنے عزیز تیرے استقبال کیلئے آئے ہیں!

امی ـــ یہ کون ہیں؟ یہ کیوں رو رہی ہے ـــ؟ شاہدہ نے اپنی امی سے پوچھا:

بیٹی! یہ امارہ بیٹی ہے! اس کی امی بھی ہمارے ساتھ سفر کر رہی تھیں: لیکن افسوس قدرت کو منظور نہیں تھا: کہ وہ یہاں تک پہنچ سکتیں!

اوہ ـــ تو کیا ان کی امی فوت ہو گئی ہیں!

ہاں بیٹی! وہ بھی ان سینکڑوں شہید ہونے والوں میں سے ایک تھیں!

قیوم صاحب نے آگے بڑھ کر امارہ کے سر پر بڑے پیار سے ہاتھ پھیرا اور اسے تسلی دینے لگے! شہزاد کی چچا زاد بہنیں افسوس بھری نگاہوں سے اسے دیکھنے لگیں! لیکن شہزاد کی چچی فضیلت بیگم آگے بڑھیں! اور امارہ کا سر اپنے سینے سے لگا کر آنسو بہانے لگی:

چلو بیٹا! اب گھر چلیں! قیوم صاحب نے شہزاد سے کہا:

چلیئے ابا جان:

آؤ بیٹی! تم اب میرے ہی پاس رہو گی:

سلمےٰ خاتون نے امارہ کو اپنے پہلو سے لگا کر باہر کھینچا! سب آہستہ آہستہ قدم اٹھانے

شروع کر دیئے! لیکن امارہ کو اتنی ہوش بھی نہ رہی کہ کب وہ پلیٹ فارم سے باہر نکلے کب وہ دو ٹیکسیوں میں سوار ہوئے! اور کب یہ ٹیکسیاں لاہور کی وسیع سڑکوں کو روندتی ہوئی سمن آباد کی عالی شان عمارتوں میں سے ایک کے سامنے جا کر رک گئیں

وہ تو یادوں کے آوارہ گرد بگولوں کو سینے سے لگائے اپنے نصیب کے اندھیروں میں مستقبل کی کسی کرن کو تلاش کر رہی تھی!

اس نے تو گاڑی سے اترتے ہی ہزاروں افراد کے اس ہجوم میں اپنے آپ کو تنہا محسوس کر کے سوچنا شروع کر دیا تھا! کہ اب وہ کہاں جائے گی ——— یہ زندگی کے باقی ماندہ ایام کیسے بسر کرے گی! ——— اس دنیا میں ماں کے بعد ایک بھائی ہی تو ہے ——— اس نے سوچا! لیکن کیسا بھائی ——— جس نے شادی کے فوراً بعد ماں کی ممتا اور بہن کے پیار کو ٹھکرا دیا! ——— جس نے اپنی بیوی کو ہی سب کچھ سمجھ کر خون کے ان رشتوں سے منہ پھیر لیا! جسے اپنی بیوی کے لپ اسٹک اور غازہ ہی سے فرصت نہیں ملتی! جس نے بصد مشکل شادی کے بعد خدا جانے صرف تین ماہ کا عرصہ کیسے اپنی بیوہ ماں اور نوجوان بہن کے ساتھ بسر کیا اور بالآخر نگاہیں جھکا کر اپنی بوڑھی ماں سے کہہ دیا!

امی ——— اب آپ لوگ اپنی رہائش کے لیئے کوئی علیحدہ انتظام کر لیں! رعینہ آپ کے ساتھ نہیں ٹھہر سکتی!

کیوں بیٹا! رعینہ بہو کو ہم سے کیا شکایت ہے! اس کی امی نے پوچھا تھا!

میں نہیں جانتا امّی! لیکن میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ میرے گھر کی فضاؤں میں کسی قسم کی تلخی پیدا ہو: لہٰذا بہتر یہی ہے کہ آپ دونوں کسی دوسری جگہ انتظام کر لیں!

اچھا بیٹا ــــ امی نے بڑے ہی افسردہ لہجے میں سر جھکا کر کہا تھا!

لیکن بیٹا! امارہ بیٹی کے آخری دو پرچے رہ گئے ہیں! اتنے دنوں تک تو اجازت دے دو! بی اے کا آخری سال ہے! یہ پرچے ختم کر لے گی تو ہم دونوں ماں بیٹیاں یہاں سے چلی جائیں گی!

ٹھیک ہے امّی! میں ربینہ کو چند دن کے لئے سسرال بھیج دیتا ہوں پرچے ختم ہوتے ہی آپ لوگ یہاں سے چلی جائیں!

لیکن بھیّا! ہم جائیں گی کہاں: آپ کے علاوہ اس دنیا میں ہمارا کون سہارا ہے! امارہ نے پوچھا تھا!

مہارانی ــــ ربینہ نے بڑے تلخ انداز میں جواب دیا تھا!

تو کیا ساری عمر بیٹے ہی کے گھر بیٹھ رہنے کا ارادہ ہے! اگر اتنا ہی پیار تھا بیٹے سے تو پھر مجھے بیاہ کر کیوں لائے تھے! آپ لوگ!

نہیں بہو رانی ــــ ناراض کیوں ہوتی ہو: ہم پرچے ختم ہوتے ہی چلی جائیں گی

لیکن امّی کہاں جائیں گی! اور کون ہے ہمارا عزیز جو ہمیں پناہ دے گا!

ہم راولپنڈی ہی چلی جائیں گی! بیٹی وہاں میرا خالہ زاد بھائی ہے! وہ اپنے گھر کے دروازے ہمارے لئے بند نہیں کرے گا!

آپ کا خالہ زاد بھائی ـــ لیکن وہ تو نہ خود کبھی آئے ہیں اور نہ ان کا کبھی خط آیا ہے
ہاں بیٹی! میں جانتی ہوں! تاہم وہ ہمیں مایوس نہیں کرے گا؛
اور اگر مایوس کر دے تو پھر لوٹ کر یہاں نہ آجائیں! اس گھر کے دروازے آپ کے لئے بند ہو جائیں گے۔ روبینہ نے انتہائی سفاکی سے جواب دیا! اور امارہ ـــ جس نے ساری زندگی میں اس قسم کی گفتگو نہیں سنی تھی! جو اپنے گھر ہی میں نہیں کالج کی لڑکیوں میں بھی بڑی ہی ہر دلعزیز تھی! اپنی بھابی کی ایسی الٹی گفتگو برداشت نہ کر سکی اور اسی وقت اپنی امی سے کہنے لگی؛
چلو امی جان ـــ اگر اس گھر کے دروازے کل ہمارے لئے بند ہونے ہیں! تو آج ہی کیوں نہ ہو جائیں! پھر اس نے انتہائی نفرت بھری نگاہیں اپنے بھیا پر ڈال کر اپنی امی ہی سے کہا تھا!
امی جان ـــ ہر شخص کا خون سفید نہیں ہوا کرتا! چلئے! یہاں میری سہیلی ہے میں وہاں ان کے ہاں چند روز بسر کر لوں گی!
اس کی امی اٹھی اور پھر یہ دونوں ماں بیٹی انہی کپڑوں میں جو انھوں نے پہن رکھے تھے! اپنے بیٹے کے گھر سے نکل کر روانہ ہو گئیں! امارہ کی سہیلی نے بصد خوشی انہیں اپنے ہاں چند دن کے لئے ٹھہرا لیا! اور جب امارہ نے بی اے کا آخری پرچہ دے دیا! تو اس سے اگلے روز وہی سہیلی انہیں کراچی شہر کے سٹیشن سے گاڑی میں سوار کرا گئی! اسی نے ان کے ٹکٹ خریدے! اور اسی

نے ان کو زادِ راہ دیا۔

اور اب امارہ اپنے سینے میں تلخ یادوں کے دیپ جلائے سوچ رہی تھی کہ وہ کہاں جائے گی۔ بھیا نے گھر سے نکال دیا۔ امی ساتھ چھوڑ گئیں۔ راولپنڈی والے ماموں کا اسے پتہ نہیں۔ وہ کیا کرے۔؟

پھر اس نے یہی فیصلہ کر لیا۔ کہ ان شریف لوگوں کی خدمت میں ساری زندگی ایک حقیر ملازمہ کی طرح بسر کر دے گی۔ انہیں اپنے ماضی کے متعلق کچھ نہیں بتائے گی۔ اور اگر ان لوگوں نے بھی اس کی خدمت قبول نہ کی، تو پھر وہ کہیں ملازمت کرے گی۔ یہی اس کا آخری فیصلہ تھا۔

اترو بیٹی گھر آگیا ہے۔

آں ـــ اوہ۔ اچھا خالہ جان۔

امارہ نے اپنی سوچ کو جھٹک کر ادھر اُدھر نگاہ دوڑائی۔ اور ٹیکسی کو ایک خوبصورت سے مکان کے سامنے کھڑی دیکھ کر وہ بھی نیچے اتر آئی۔

سلمے خاتون کا خاندان جس کے ساتھ امارہ ذہنی طور پر آئندہ زندگی بسر کرنے کا فیصلہ کر چکی تھی: بڑے ہی نیک افراد پر مشتمل تھا: یہ پورا مکان دو حصوں میں منقسم تھا: ایک حصے میں قیوم صاحب، ان کی بیوی سلمے خاتون، دونوں بیٹے شہزاد اور عارف اور بیٹی شاہدہ رہتے تھے: دوسرے حصے میں قیوم صاحب کے چھوٹے بھائی شکور صاحب ان کی بیوی فضیلت اور دونوں لڑکیاں ثمینہ

اور سجیلہ رہائش پذیر تھے!

سلمٰے خاتون نے اپنی بیٹی شاہدہ ہی کے کمرے میں امارہ کا پلنگ بچھوا دیا تھا! شاہدہ فرسٹ ایئر کی طالبہ تھی! اور امارہ کی درد بھری کہانی سُن کر کچھ اس طرح اس پر جان فدا کرنے لگی تھی! جیسے امارہ کے ساتھ اس کی صرف ایکدن کی ملاقات نہیں بلکہ مدتوں سے اسے جانتی ہو! تین چار دن تو امارہ بے چاری کو ہوش ہی نہ رہا! کہ الٹخانہ کا جائزہ لے سکے! وہ ہر وقت اپنے ہی سوگ میں مبتلا رہتی! دن رات کمرے میں بیٹھی آنسو بہاتی! اگر شاہدہ یا سلمٰے خاتون اسے کمرے سے نکال کر دیگر افراد کے پاس لے بھی جاتے تو خاموش بیٹھی ان کی باتیں سُنتی رہتی! یا اگر کوئی کچھ دریافت کرتا تو مختصر سا جواب دے کر پھر اپنے ہونٹ سی لیتی!

ایک دن

وہ دوپہر کے وقت خاموش اپنے پلنگ پر دراز ماضی کی تلخ یادوں کو سینے سے لگائے چھت پر آہستہ آہستہ گھومنے والے پنکھے کو دیکھ رہی تھی کہ شاہدہ اپنے کالج سے واپس آگئی! گھر کے دیگر سارے افراد دوپہر کی گرمی سے بچنے کے لئے اپنے اپنے کمروں میں دراز تھے! شاہدہ نے لباس تبدیل کیا! اور پھر امارہ کے قریب اس کے پلنگ پر بیٹھ کر بڑے پیار سے پوچھنے لگی!

امارہ باجی ــــ آپ نے کھانا کھا لیا!

امارہ اسے دیکھ کر پھیکی سی مسکراہٹ مسکرا دی!

ہاں شاہدہ ــــ ہم سب نے تو بارہ بجے ہی کھانا کھا لیا تھا! کیا یہیں لے آؤں تمہارے لئے!

واہ باجی ــــ آپ کیوں لائیں گی میرے لئے کھانا! میں خود باورچی خانے میں جا کر کھا لوں گی! لیکن باجی ــــ میں آپ سے ایک درخواست کروں!

درخواست ــــ درخواست کیوں شاہدہ رانی! جو کچھ کہنا ہے بلا جھجک کہہ دو!

باجی ــــ جو چلے جاتے ہیں وہ کبھی واپس نہیں آیا کرتے! آپ کے چہرے پر ہر وقت غم کے سائے کیوں لہراتے رہتے ہیں! باجی ان غموں کو سینے سے لگا کر تو آپ کی صحت جواب دے دیگی امارہ باجی ــــ ان غموں میں اب آپ خوشیاں تلاش کرنے کی کوشش کریں!

خوشیاں ــــ امارہ پلنگ پر اٹھ کر بیٹھ گئی! اور بڑی افسردہ نگاہوں سے شاہدہ کیجانب دیکھ کر کہنے لگی!

میری تو روح ریزہ ریزہ ہو کر بکھر گئی ہے! شاہدہ خوشیاں کیسے تلاش کروں!

روح کے ان بکھرے ہوئے ریزوں کو دوبارہ چن کر اکٹھا کرنا ہوگا باجی

میں آپ کی مدد کروں گی! ٹھہریئے! میں کھانا کھا آؤں!

کھانا یہیں میں لے آتی ہوں شاہدہ! تم گرمی سے آئی ہو! پنکھے کے نیچے بیٹھو!

بڑی بہنوں سے کھانا نہیں منگوایا کرتے باجی! آپ میری بڑی بہن ہیں!

سن لیا آپ نے!

شاہدہ اٹھی اور باورچی خانے کی جانب چلی گئی۔ اور امارہ کے غمزدہ ذہن میں سوچ کی چنگاریاں پھر اسی طرح اڑنے لگیں، جیسے اندھیری رات میں جگنو اڑتے ہیں۔ اور چند لمحوں کے بعد جب شاہدہ کھانا کھا کر واپس اپنے پلنگ پر پہنچی تو امارہ کو پھر سوچ میں مستغرق دیکھ کر کہنے لگی:

باجی — آپ تو پھر ماضی کی یادوں میں کھو گئیں۔

ماضی کی یادیں، کبھی کبھی بڑی اذیت ناک ہوتی ہیں، شاہدہ گذرے ہوئے وقت کا ایک لمحہ خلش بن کر ذہن میں کچوکے دیتا رہتا ہے، میں اکثر کوشش کرتی ہوں شاہدہ کہ ذہن کی ساری سلوٹوں ماضی کے لمحات کو کھرچ کر نکال دوں، لیکن ابھی تک مجھے کامیابی نہیں ہوئی۔

وہ صرف اس لئے باجی — کہ آپ نے تنہائیوں کو پسند کر لیا ہے اور تنہائیوں میں تو صرف آپ جانتی ہی ہیں باجی، دکھوں اور غموں کے لشکر اکثر یلغار کیا کرتے ہیں۔

یہ تنہائیاں تو اب زندگی کی ساتھی بن گئی ہیں، شاہدہ

نہیں باجی — میں آپ کی ساری تنہائیاں چھین لوں گی، آپ کو ایک بار پھر مسکراہٹوں سے دل لگانا پڑے گا، باجی۔

تم بڑی اچھی لڑکی ہو، شاہدہ، میں اکثر سوچتی ہوں کہ اگر اس گھر میں تم نہ ہوتیں تو میرے دن کیسے گذرتے۔

بڑے اچھے دن گذرتے باجی، آپ نے ابھی تک اس گھر کے افراد کے

سینوں میں جھانک کر نہیں دیکھا؛ ہر سینے میں آپ کے لئے پیار اور محبت کے طوفان موجزن ہیں؛ لیکن ٹھہریئے؛ باجی میں ان سب کے ساتھ آپ کا غائبانہ تعارف کراتی ہوں؛ سب سے پہلے ابوجان ہی کو لیجئے؛ ساری عمر محکمہ ریلوے میں انجینئر رہے ہیں؛ اب ریٹائرڈ ہو چکے ہیں؛ اور سارا دن اپنے کمرے میں اخبار یا مذہبی کتابیں پڑھتے رہتے ہیں؛ انہیں گھر کے کام کاج سے کوئی سروکار نہیں؛ ہر ماہ جو پنشن آتی ہے؛ وہ امی جان کے ہاتھ میں دے کر پھر کسی کتاب کے اوراق میں گم ہو جاتے ہیں؛ ویسے ہم سب کے ساتھ بڑا ہی پیار کرتے ہیں؛ جب بھی ہم میں سے کوئی ان کے سامنے جاتا ہے؛ تو وہ ہمیں دیکھ کر پہلے مسکراتے ہیں؛ اور پھر بڑے ہی پیار سے حاضری کا سبب پوچھتے ہیں؛ میں نے ہوش سنبھالنے کے بعد آج تک انہیں غصہ کی حالت میں نہیں دیکھا؛ میرا خیال ہے کہ انہیں علم ہی نہیں؛ کہ مسکراہٹوں کے علاوہ؛ انسانی فطرت پر کوئی دوسرا عالم بھی طاری ہوا کرتا ہے؛ وہ صرف زندگی کے ایک پہلو کو جانتے ہیں؛ اور جس پہلو کو وہ جانتے ہیں؛ اس میں صرف مسکراہٹیں ہیں؛

خوب ــــ امارہ نے شاہدہ کی جانب دیکھ کر کہا؛ تعارف کرانے کا طریقہ تو خوب جانتی ہو شاہدہ؛ اب تو دل چاہتا ہے؛ کہ گھر کے ہر فرد کا اسی انداز میں تعارف کرا دو؛

ہاں باجی ــــ میں بھی یہی چاہتی ہوں؛ تو سنیئے؛ ابوجان کے بعد دوسرا نمبر

امّی جان کا کہنا ہے : ہاں خالہ جان کے ساتھ چند لمحے تو میں نے بھی گذارے ہیں :

آپ نے تو باجی سفر کے چند لمحات گذارے ہیں : اور میں نے تو ساری عمر ان کے زیرِ سایہ بسر کی ہے : امّی جان کا پیار ہم سب سے بہت گہرا ہے : باجی اتنی شفیق عورت میں نے آجتک کہیں نہیں دیکھی : اور یہ پیار صرف ہم بہن بھائیوں تک ہی محدود نہیں : اس گھر میں کوئی بھی آئے : ان کا پیار والہانہ انداز میں اس کا استقبال کرتا ہے : اور پیار کے اس سمندر سے انسان ہی سیراب نہیں ہوتے باجی : جانور بھی حصہ پاتے ہیں : میں آپ کو ایک چھوٹی سی مثال دیتی ہوں : آپ ان کے پیار کا اندازہ لگالیں : کہ گذشتہ سال ہمارے ہاں کسی بلّی کا ایک چھوٹا سا بچہ آگیا . وہ بہت چھوٹا تھا ہم لوگوں نے اسے اپنے گھر میں رکھ لیا : روٹی کے ساتھ دودھ لگا کر اسے پلاتے : چند دنوں کے بعد وہ اس قابل ہو گیا : کہ پیالی سے خود دودھ پینے لگا : ایک رات باورچی خانے میں کیڑوں نے اس بیچارے پر یلغار کر دی : صبح اُٹھ کر جب نے دیکھا . تو مر چکا تھا : اس کے سارے جسم پر کیڑے چمٹے ہوئے تھے : امّی جان کو اس کی موت کا اتنا صدمہ ہوا کہ وہ سارا دن انہوں نے کھانا نہیں کھایا : باہر دروازے کے قریب اس کی قبر بنائی گئی : اور اسے باقاعدہ دفنایا گیا : دوسرے دن ہم لوگوں نے جب کھانا نہ کھانے کی دھمکی دی تو امّی جان اس بلی کے بچے کا صدمہ بھولنے پر مجبور ہو گئیں :

اوہ ـــــ اچھا : یہ تو واقعی پیار کی ایک نادر مثال ہے .

ایک ہی نہیں باجی! ایسی ہزاروں مثالیں ہیں! اور میرا خیال ہے! کہ ابو حضور امی جان کے اسی پیار کی وجہ سے ہر وقت مسکرانا سیکھ گئے ہیں! اور گھر کا سارا انتظام ان کے سپرد کر کے خود گوشہ نشین ہو گئے ہیں! امی جان کی کسی بات میں کوئی شخص دخل دینے کا مجاز نہیں! اول تو وہ غلط حکم نہیں دیتی! اور اگر کبھی ہماری مرضی کے خلاف کوئی فیصلہ ہمارے لئے صادر بھی فرما دیں! تو پھر ہم لوگوں میں اتنی جرأت نہیں کہ اس فیصلہ کے خلاف زبان ہلا سکیں! محض اس وجہ سے کہ کہیں امّی جان کو دکھ نہ ہو!

ہاں شاہدؔ! ان کے پیار کی ایک جھلک تو میں بھی دیکھ ہی چکی ہوں! خالہ جان کی انگلیاں کٹ گئی تھیں! ڈاکٹر نے بہتیرا زور لگایا! کہ دوسرے زخمیوں کے ساتھ وہ بھی ہسپتال چلی جائیں! لیکن وہ مجھے تنہا چھوڑ کر نہیں گئیں! ورنہ سفر کی واقفیت بھی کوئی واقفیت ہوتی ہے!

واہ ـــــ آپ کو تنہا چھوڑ کر تو کسی حالت میں بھی نہیں جا سکتی تھیں! آپ کے ساتھ ایک مرتبہ جو انسان چند لمحے گذار لے باجی! وہ آپ کو کیسے چھوڑ کر جا سکتا ہے! سچ باجی ـــــ میں آج صبح کالج کے کلاس روم میں بیٹھی سوچ رہی تھی! کہ غموں اور دکھوں کے عظیم انبار تلے جب آپ ایسی ہیں! تو اس وقت کیسی ہوں گی! جب آپ غم اور دکھ کے الفاظ سے نا آشنا تھیں! اس وقت تو آپ بہت زیادہ پیاری ہوں گی! آپ کی طرح آپ کی مسکراہٹ بھی بڑی دلفریب ہو گی

امّی جان نے یقیناً آپ کو اس حالت میں دیکھا ہے: اسی لئے انہوں نے اپنے نغموں کی پرواہ نہیں کی:

امارہ تکیہ پر اپنی کہنی ٹیک کر نیم دراز ہو گئی: اور شاہدہ کی جانب دیکھ کر مسکراتی ہوئی کہنے لگی:

تم تو بڑی اچھی باتیں کرتی ہو: شاہدہ ـــــ اتنی اچھی باتیں تم نے کہاں سے سیکھ لیں:

آپ کی خاموشیوں سے باجی:

خوب ـــــ میری خاموشیاں مجھے تو کچھ سکھلا نہ سکیں: تمہیں پہلے سے ایسی پیاری پیاری باتیں انہوں نے کیسے سکھا دیں:

یہ بات نہیں باجی ـــــ مجھے یقین ہے کہ آپ اس سے بھی اچھی باتیں جانتی ہیں: بہت اچھی: اتنی پیاری کہ میں ہر وقت سنتی رہا کروں گی: لیکن میں تو تعارف کروا رہی تھی باجی: کیا گھر کے باقی افراد کے متعلق بھی بتاؤں کچھ:

ضرور: بھئی تمہارے تعارف کا انداز مجھے بڑا پسند آیا ہے: میں خالہ جان سے کہوں گی: کہ تمہیں گورنمنٹ کے کسی تعارف کرانے والے محکمے میں کوئی اونچا عہدہ دلا دیں:

شاہدہ ہنسنے لگی: اور پھر امارہ کے پلنگ پر آ کر بیٹھ گئی: اس کا ایک ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر آہستہ آہستہ دبانے لگی: اور پھر بڑی ہی دلفریب مسکراہٹوں

سے کہنے لگی؛

عہدوں کی کیا ضرورت ہے، باجی؛ آپ کی قربت پر تو میں سارے عہد سے قربان کر سکتی ہوں۔

کالج میں پڑھتی ہو نا؛ اس لئے تمہیں ایسی باتیں آ گئی ہیں؛ سنا ہے کالج کی لڑکیاں بڑی شریر ہوتی ہیں؛

کالج کے متعلق پھر کسی دن بتاؤں گی؛ باجی؛ اب آپ میرے بڑے بھائی جان کے متعلق کچھ سنیئے؛ امی جان کے بعد شہزاد بھائی کا نمبر ہے؛ وہی جو آپ کے ہمسفر رہ چکے ہیں؛ یہاں کسی پرائیویٹ فرم میں ملازم ہیں؛ بڑے ہی خاموش طبیعت کے انسان، شریف، ملنسار اور خوش اخلاق؛ ابا جان کی خاموشیاں اور امی جان کا پیار انہوں نے ورثہ میں پایا ہے؛ خدا جانے ہر وقت دل میں کیا سوچتے رہتے ہیں۔ لیکن زبان سے کچھ نہیں کہتے؛ جب ان کیجانب دیکھیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کچھ کہنا چاہتے ہیں؛ لیکن استفسار پر صرف پیاری سی مسکراہٹ پھیل جاتی ہے ان کے چہرے پر؛ چچا جان کی بڑی لڑکی ثمینہ ان کی منگیتر ہے حالانکہ بھائی جان ثمینہ باجی کی عادات سے نالاں ہیں؛ وہ انہیں قطعاً پسند نہیں کرتے؛ لیکن خاموش رہتے ہیں؛ جانتے ہیں اگر انکار کر دیا تو امی جان کو دکھ ہو گا؛ جب ثمینہ باجی یہاں آتی ہے تو بھائی جان انہیں دیکھ کر پہلے تو اپنے چہرے پر غصہ اور نفرت کی لہریں پیدا کرتے ہیں؛ لیکن دوسرے لمحے نفرت کی یہ لہریں دلفریب مسکراہٹوں

میں چھپ جاتی ہیں۔ شاید انہیں احساس ہو جاتا ہے کہ امی جان ان لہروں کو نہ دیکھ لیں

اوہ ۔۔۔ تو شہزاد بھائی ایک خاموش حادثے سے دوچار ہیں۔

خاموش حادثہ ۔۔۔ بالکل باجی یہی معاملہ ہے۔ میں اکثر سوچا کرتی تھی کہ بھائی جان کی اس حالت کو کس چیز سے تشبیہ دوں۔ آپ نے کتنی آسانی سے میری سوچ کا جواب دے دیا۔ خاموش حادثہ ۔۔۔ واقعی بھائی جان ایسے ہی خاموش حادثہ کی چکی میں پس رہے ہیں۔

مظلوم ہیں تمہارے بھائی جان۔

ہاں باجی۔ بڑے مظلوم ہیں۔ لیکن آہیں بھرنے کے عادی نہیں۔ اپنی اس مظلومیت کو مسکراہٹوں کے پردے میں چھپا لیتے ہیں۔ ویسے بڑے زندہ دل قسم کے انسان ہیں۔ باجی کبھی کبھی ایسا مذاق کرتے ہیں۔ کہ ہم سب ہنستے ہنستے پاگل بن جاتے ہیں لیکن بھائی جان انتہائی سنجیدگی سے ہمیں دیکھتے رہتے ہیں۔

خوب ۔۔۔ اور کچھ

شاہدہ اس کے ہاتھ کو اپنے دونوں ہاتھوں میں چند لمحے دبا کر دیکھتی رہی۔ پھر کہنے لگی۔

باجی ۔۔۔ آپ کہیں مجھے پاگل تو تصور نہیں کر رہیں۔ دل میں کہتی تو ہوں گی۔ یہ کیسی باتونی لڑکی ہے۔ خواہ مخواہ ہر ایک کا تعارف کروا رہی ہے۔

نہیں شاہدہ ۔۔۔ امارہ نے بڑے پیار سے اس کے ہاتھ کو دبا کر کہا تم نے

تو میری ایک بہت بڑی مشکل کو آسان کر دیا ہے۔ تمہارے اس تعارف سے انشاءاللہ میری آئندہ زندگی کی راہیں بڑی واضح ہو جائیں گی۔

میں تو تمہاری ممنون ہوں شاہدہ۔

ممنونیت کی ضرورت نہیں باجی۔ اب سنیئے عارف بھائی کے متعلق۔

ہاں شاہدہ —— عارف بھائی کو تو میں نے دیکھا ہی نہیں کیا وہ کہیں باہر رہتے ہیں

باہر رہتے تو نہیں۔ البتہ باہر گئے ہوئے ہیں۔ کالجوں میں آجکل موسم گرما کی تعطیلات ہیں باجی۔ اور عارف بھیا اپنے چند دوستوں کے ساتھ مری کی پہاڑیوں پر گرمیاں گذارنے کے لئے گئے ہوتے ہیں۔

اوہ —— یہاں تعطیلات ہیں۔ لیکن کراچی میں تو ابھی امتحان ہی ختم ہوئے ہیں

ممکن ہے باجی وہاں امتحانات کسی خاص وجہ سے تاخیر سے شروع ہوئے ہوں۔ ہاں تو عارف بھیا کی عادت بڑے بھائی جان سے بالکل مختلف ہے باجی وہ جتنے خاموش ہیں۔ یہ اتنے ہی باتونی ہیں۔ ہر ایک کو چھیڑنا اور ہنسانا انکی فطرت ہے۔ نہ خاموش بیٹھتے ہیں اور نہ کسی کو خاموش دیکھنا گوارا کرتے ہیں۔ میں سوچتی ہوں باجی کہ آپ کے ساتھ خدا جانے ان کا سلوک کیسا ہوگا۔ آپ ان کی شرارتیں برداشت بھی کر سکیں گی یا نہیں۔ میں تو ان سے چھوٹی ہوں۔ اس لئے مجھے تو تنگ کرنا وہ اپنا حق سمجھتے ہیں۔ لیکن آپ تو ان سے بڑی ہیں۔ پتہ نہیں وہ آپ کا ادب کریں گے۔ یا میری طرح آپ کو بھی ہر وقت تنگ کرنا ہی

اپنا ایمان سمجھ لیں گے!

یہ تو ان کے آنے پر ہی پتہ چلے گا۔ شاہدہ کہ وہ میرے ساتھ کیسا سلوک کرتے ہیں سلوک تو وہ اچھا ہی کریں گے! باجی شاہدہ نے ہنستے ہوئے جواب دیا! لیکن ان کے اچھے سلوک سے بھی بعض اوقات انسان تنگ آجاتا ہے! یہ تو تھے ہمارے گھر کے مختصر افراد! اب چچا جان کے متعلق سنئے! وہ بھی اپنے بڑے بھائی کی طرح خاموشی پسند انسان ہیں! تنہائی اور خاموشی سے انہیں پیار ہے خدا جانے دفتر میں اپنے ماتحتوں سے وہ کیسے گفتگو کرتے ہیں! گھر میں تو ہر وقت اپنے کمرے میں بند ریڈیو سنتے رہتے ہیں! بس ریڈیو ہو یا وہ ہوں! تیسری چیز کی وہاں ضرورت نہیں! لیکن ان کے برخلاف ہماری چچی سبحان اللہ! اب اگر میں ان کی صفات بیان شروع کر دوں تو باجی آپ دل میں سوچیں گی کہ ضرور شاہدہ کو اپنی چچی سے دشمنی ہے بحالانکہ میں ان کی بڑی عزت کرتی ہوں! ان کے احترام کو اپنے ایمان کا ایک جزو سمجھتی ہوں! لیکن وہ احترام کرائیں بھی! ان کی عادت ہے! باجی کہ بغیر سوچے سمجھے فتوے صادر فرما دیتی ہیں! آپ نے ٹیڑھی مانگ نکالی تو فتوے صادر فرما دیا کہ اس لڑکی کی آنکھوں کا پانی مر گیا ہے! شرم و حیا زمانے سے اٹھ گئی ہے فیشن نے اولاد کو بگاڑ دیا ہے بحالانکہ ان کی اپنی صاحبزادیاں کالج میں پڑھتی ہیں! اور سارے جہاں کا فیشن اختیار کرتی ہیں! ٹیڑھی مانگ تو خیر ایک معمولی بات ہے! وہ تو ایسے ایسے سٹائل میں بال بناتی ہیں کہ اگر یورپ میں ہوتی

تو بال بنانے کا کاروبار بڑا چمک سکتا تھا: ٹیڈی لباس پہنتی ہیں: بڑوں کے سامنے ننگے سر گھومتی ہیں: لیکن یہی چچی صاحبہ جو دوسروں پر نقطہ چینی فرمانا اپنا حق سمجھتی ہیں اپنی بیٹوں کے فیشن کو دیکھ کر خوش ہوتی ہیں: یہ تو تھی صرف ایک صفت: دوسری خوبی ان میں یہ ہے: کہ وہ اپنا سارا پیار صرف اپنی اولاد کے لیے وقف کئے ہوتے ہیں: کسی دوسرے کی اولاد سے پیار کرنا: انہوں نے سیکھا ہی نہیں: محلے میں کوئی بات ہو جائے: سب سے پہلے انہیں خبر پہنچتی ہے: خدا جانے ان کے معلومات کے ذرائع کتنے وسیع ہیں: بعض اوقات تو ایسا معلوم ہوتا ہے: باجی کہ خود ہمارے گھر میں کوئی بات ہو جاتی ہے: ہمیں اس کا علم نہیں ہوتا: اور چچی جان سے پتہ چل جاتا ہے: کہ فلاں وقت ہمارے ہاں فلاں حادثہ رونما ہوا تھا: دل کی بڑی صاف ہیں: اتنی صاف کہ کدورت کا غبار دل کے آئینہ پر ہر وقت جما رہتا ہے: اور اس غبار کی اتنی موٹی تہہ جم گئی ہے: کہ مجھے خدشہ ہے: خدا جانے اصل دل بھی وہاں اب موجود ہے یا نہیں: ممکن ہے صرف کدورت ہی دھڑک رہی ہو:

اچھا ـــــ امارہ نے مسکرا کر شاہدہ کی جانب دیکھا:

ہاں باجی ـــــ اور لطف یہ کہ چچا جان پر اتنا رعب ہے: کہ وہ بیچارے ان کے سامنے ایک لفظ بھی نہیں کہہ سکتے: اپنے اسی رعب کی وجہ سے انہوں نے گھر کا سارا کاروبار سنبھال رکھا ہے: ہمارے ابا جان نے اپنی بیوی یعنی امی

بجان کی شرافت، طہارت، پاکیزگی اور خوش اخلاقی دیکھ کر علیحدگی اختیار کر لی ہے اور چچاجان نے اپنی بیوی یعنی محترمہ چچی جان کی کدورت، غصہ، طوفان، بدزبانی، اور نقطہ چینی سے تنگ آکر گوشہ نشینی اختیار کر لی ہے؛

اس کا مطلب تو یہ ہوا شاہدہ کہ دونوں بھائیوں کی زندگی میں بڑا فرق ہے؛

جی ہاں، بڑے بھائی کو ہر روز مسکراہٹوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور چھوٹے بھائی کو تلخیوں کا، اس کے باوجود محترمہ چچی صاحبہ ہماری چچی نہیں اور ہم سب ان کی عزت کرتے ہیں، اب رہ گئیں ان کی دونوں صاحبزادیاں بڑی یعنی ثمینہ کالج میں پڑھتی ہے، اس سال تھرڈ ایئر میں داخلہ لیا ہے، چھوٹی سجیلہ دسویں میں ہے، لیکن یہ دونوں طوفان ہیں ثمینہ ضرورت سے زیادہ مغرور اور خود غرض ہے، سجیلہ میں قدرے شعور ہے، غالباً اس کی رگوں میں چچاجان کا خون ایک دو قطرے زیادہ دوڑ رہا ہے ثمینہ کی رگوں میں صرف چچی جان کا خون ہے، کالج کی ساری لڑکیاں اس کا مذاق اڑاتی ہیں، اس پر چوٹیں کرتی ہیں، لیکن اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا، یہ اپنی فطرت بدل نہیں سکتی

ایک مرتبہ باجی ــــ جب ہمارے گھر میں بھائی جان شہزاد اور باجی ثمینہ کی شادی کا ذکر ہو رہا تھا، تو بھیّا عارف نے امی جان کو صاف صاف الفاظ میں کہہ دیا تھا ــــ امی جان ــــ ثمینہ کے ساتھ بھائی جان کی شادی کر کے وہی مثال دہرا رہی ہیں، جو چچاجان نے چچی صاحبہ کے ساتھ شادی کر کے پیش کی تھی، ثمینہ باجی بھائی جان کے بس کی بات نہیں ہیں، اگر اس کی شادی میرے ساتھ ہوگئی، تو میں

اس کی ساری اکڑفوں ایک دن میں ختم کر دوں گا، ورنہ بھائی جان تو ساری عمر پچھتاتے ہی رہیں گے"

"پھر — خالہ جان نے کیا کہا تھا؟"

امی جان اپنی عادت کے مطابق مسکرا دی تھیں، اور پیار بھری نگاہوں سے بھائی کی جانب دیکھنے لگی تھی۔

"ہوں — تعارف ختم ہو گیا یا ابھی کچھ باقی ہے؟"

"یہ صرف ابتدائی تعارف تھا، باجی — اب آئندہ آنے والے ایام آپ کو مجھ سے بہتر متعارف کرائیں گے؟"

"لیکن شاہدہ — تم نے اپنے متعلق تو مجھے کچھ بتایا ہی نہیں —" امارہ نے مسکرا کر شاہدہ کی جانب دیکھا، شاہدہ پہلے تو شرما گئی، اور پھر کہنے لگی۔

"باجی — میں تو آپ کی لونڈی ہوں، کبھی لونڈیوں کا تعارف بھی کرایا جاتا ہے"

امارہ نے اپنے دونوں بازو پھیلا کر شاہدہ کو سینے سے لگا لیا، اور پھر اس کی نگاہوں میں نگاہیں ڈال کر سرگوشی کے انداز میں کہنے لگی۔

"نہیں شاہدہ — تمہیں لونڈی کون کہہ سکتا ہے، تم تو اس گھر کی رانی ہو، ایسی رانی جس میں اپنے باپ کا وقار، اپنی ماں کا پیار، بڑے بھائی کی خاموشی اور چھوٹے بھائی کی ظرافت، سب کچھ موجود ہے۔"

اتوار کا دن تھا!
اور گھر کے سارے افراد سلمیٰ خاتون کے کمرے میں بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے! اِس گھر میں یہ دستور بن گیا تھا! کہ اتوار کے روز صبح کے ناشتہ سے لے کر دوپہر کے کھانے تک سارے ہی افراد سلمیٰ خاتون کے کمرے میں جمع ہو جاتے! اور تین چار گھنٹے کی اس محفل میں جی بھر کے باتیں کرتے ایکدوسرے کی ضروریات! آئندہ ہفتے کے لئے گھر بھر

کا سارا پروگرام طے کرتے اور دوپہر کا کھانا کھا کر جس نے باہر جانا ہوتا وہ باہر چلا جاتا؛ شاہدہ اپنی سہیلیوں کے ہاں چلی جاتی؛ یا اسکی سہیلیاں کبھی آجاتیں؛ تو انہیں ساتھ لے کر اپنے کمرے میں گھس جاتی؛ قیوم صاحب اپنے کمرے میں چلے جاتے؛ غرضیکہ دوپہر کے بعد ان کو آزادی تھی کہ اپنے اپنے پروگرام پورے کرلیں؛ لیکن دوپہر سے پہلے کسی کو کہیں جانے کی اجازت نہیں تھی؛ اگر کوئی مہمان آجاتا اور یہ مہمان عزیزوں میں سے ہوتا تو اسے بھی اس محفل میں شامل کر لیتے؛ غرضیکہ ہر ہفتے اتوار کے روز صبح سے دوپہر تک یہ محفل ضرور منعقد ہوتی؛ اور اس میں حاضری لازمی تھی؛

اس دن بھی حسب دستور محفل گرم تھی؛ گھر کے باقی سارے افراد ناشتہ کر چکے تھے؛ اور سلمےٰ خاتون کے سامنے ابھی ابھی امارہ نے ناشتہ لا کر رکھا تھا؛ پہلے اس نے کوشش کی کہ گھر کے سارے امور از قسم صفائی؛ دھلائی اور باورچی خانہ وہ سنبھال لے؛ لیکن سلمےٰ خاتون بڑی جہاندیدہ عورت تھی؛ اور اس عورت کے سینے میں ایک بڑا ہی ہمدرد دل دھڑکتا رہتا تھا؛ اس نے امارہ کا رجحان ان امور کیجانب دیکھا؛ تو ایک روز اسے منع کر دیا ـــ نہ بیٹی؛ اس کاموں کے لئے گھر میں ملازمہ موجود ہے؛ نہ تم صفائی کرو گی؛ نہ دھلائی اور نہ باورچی خانے میں جاؤ گی؛

امارہ نے بہت اصرار کیا کہ خالہ جان بے کار بیٹھنے سے طبیعت گھبراتی ہے امی جان ہر وقت یاد آتی رہتی ہیں۔؛ اگر کام کروں گی تو دھیان کسی کام میں مصروف رہے

گا! یادیں، پریشانیوں اور اداسیوں کے ناگ ڈس نہیں سکیں گے! لیکن سلمیٰ خاتون نے اس کی ایک دلیل بھی قبول نہیں کی! اور اسے صرف اتنی اجازت دے دی! کہ وہ اس کا کھانا باورچی خانے سے کمرے میں لے آیا کرے! اور باقی سارا وقت اس کے پاس بیٹھ کر گذارا کرے! اس دن سے امارہ نے یہ ڈیوٹی اپنے ذمہ لے لی تھی! وہ صبح کے وقت سلمیٰ خاتون کا ناشتہ لاتی! دوپہر کو کھانا! سہ پہر کی چائے اور رات کا کھانا! وہ خود سلمیٰ خاتون کو پہنچاتی اور برتن اٹھاتی!

اور اس دن وہ ناشتہ لے کر آئی تو گھر کے باقی افراد وہاں موجود تھے!

قیوم صاحب ایک صوفے پر ٹیک لگائے بڑے انہماک سے اخبار کا مطالعہ کر رہے تھے! شہزاد اپنی امی سے آہستہ آہستہ گفتگو میں مصروف تھا! اور شاہدہ سلائیوں سے سویٹر بُن رہی تھی! امارہ ناشتہ لے کر کمرے میں داخل ہوئی! تو قیوم صاحب نے اخبار کے ورق سے اپنی نگاہیں اٹھائیں! چند لمحوں کے لئے امارہ کو دیکھتے رہے جو سلمیٰ خاتون کے پلنگ کے قریب تپائی پر ٹرے رکھ رہی تھی! اور جب وہ ٹرے رکھ کر قریب ہی شاہدہ کے پاس ایک کرسی پر بیٹھ گئی! تو قیوم صاحب نے عینک اتار کر اسے رومال سے صاف کرتے ہوئے اپنی بیوی سے کہا!

بھئی سلمیٰ! میں اکثر دیکھتا ہوں کہ تمہارے لئے کھانا وغیرہ امارہ بیٹی ہی لیکر آتی ہے! ملازمہ کیا ہوئی آخر!

سلمیٰ خاتون اپنے شوہر کی بات سن کر مسکرا دی! اور پھر پیار بھری نگاہیں امارہ

پر ڈالی کر کہنے لگی ؛

میرا تو خیال ہے جی کہ اب مُلازمہ کو جواب دے دیں ؛ امارہ ہی کر لیا کرے گی ؛ سارے کام ؛

کیا کہا ـــــ قیوم صاحب صوفے پر سیدھے ہو کر بیٹھ گئے ؛ اور بڑی حیرت سے اپنی بیوی کیجانب دیکھنے لگے جیسے انہیں اپنی بیوی سے ان الفاظ کی قطعاً توقع نہیں تھی ؛ اور یہ بات سُن کر قیوم صاحب ہی حیران نہیں ہوئے شہزاد اور شاہد بھی حیرت سے اپنی امّی کا چہرہ دیکھنے لگے ، جیسے بیک وقت ان کی نگاہیں اپنی امّی سے سوال کر رہی ہوں ؛

کیوں امّی ـــــ یتیم بچی کو گھر اس لئے لائی تھیں ، کہ اُس سے گھر کے کام کاج کروایا کریں گی ؟

لیکن ان کی امّی اپنے بچوں کی نفسیات سے خوب آگاہ تھیں ؛ اس نے پہلے مُسکرا کر اپنے دونوں بچوں کیجانب دیکھا ؛ پھر وہی مُسکراتی نگاہیں اپنے خاوند پر ڈالیں ؛ اور پھر شوہر کو جواب دینے کی بجائے امارہ سے کہنے لگی ؛

امارہ بیٹی ؛

جی خالہ جان ؛ امارہ نے اپنا جھکا ہوا سر اُٹھایا ؛

بیٹی یہاں آؤ میرے قریب ؛

امارہ اُٹھی اور سلمٰی خاتون کے قریب کھڑی ہو کر انہیں دیکھنے لگی ، سلمٰی خاتون

نے اس کا بازو پکڑ کر اسے اپنے قریب بٹھا لیا؛ اور پھر اپنے شوہر اور اپنے دونوں بچوں کے سامنے اسے اپنی گود میں لے کر کتنی ہی دیر تک پیار کرتی رہی؛ اور پھر بھرائی ہوئی آواز میں کہنے لگیں؛

دیکھ لیا تم نے امارہ بیٹی؛ تم ضد کرتی تھی؛ کہ گھر کا کام تم کیا کرو گی؛ اگر میں تمہاری ضد کے سامنے ہتھیار ڈال دیتی تو میرے شوہر اور میرے دونوں بچے میرے متعلق کیا خیال کرتے؛ کیا تم نے ان تینوں نگاہوں میں پوشیدہ حیرت کی لہروں کو دیکھا ہے بیٹی؛

امارہ نے سر جھکا لیا؛ اور پھر اپنی اس خالہ کی گود میں سر رکھ کر آنسو بہانے لگی؛ قیوم صاحب مسکرا دیئے؛ اور انہوں نے پھر صوفے سے ٹیک لگائی؛ اور شہزاد اور شاہدہ نے بھی اطمینان کا سانس لیا؛ ان دونوں کے پریشان چہروں پر مسکراہٹیں بکھرنے لگیں؛

واللہ؛ بھئی سلمیٰ میں تو ڈر گیا تھا کہ تم نے کہیں سنجیدگی سے یہ فیصلہ نہ کر لیا ہو

اور امی جان اگر آپ واقعی سنجیدہ ہوتیں تو میں یقیناً آپ سے ناراض ہو جاتا

شہزاد نے کہا؛

سلمیٰ خاتون مسکرانے لگی؛ اور شاہدہ کیجانب دیکھ کر کہنے لگیں؛

شاہدہ بیٹی ـــــ تم نے کچھ نہیں کہا؛

میں کیا کہہ سکتی ہوں امی جان؛ میرے تو تصور میں بھی نہیں آسکتا؛ کہ آپ

کبھی ایسا نہیں سوچیں گی۔

سلمیٰ خاتون نے اپنی گود میں سر رکھنے والی امارہ کے سر پہ پیار سے ہاتھ پھیرا اور پھر مصنوعی غصّہ سے کہنے لگی؛

اُٹھ بیٹی —— مجھے ناشتہ کر نے دے؛ اتنے پیار کرنے والے تو موجود ہیں، تیرے اردگرد؛ پھر تو نے صرف میری ہی گود کا سہارا کیوں لے رکھا ہے؛

امارہ نے گود سے سر اٹھایا اور آنسوؤں کی چلمن سے جھانک کر کہنے لگی؛

اس لئے خالہ جان کہ آپ کی گود میں مجھے ماں کی گود سا پیار ملتا ہے؛

سلمیٰ خاتون جس نے ناشتہ کے لئے ہاتھ بڑھا دیا تھا؛ اپنا ہاتھ روک کر امارہ سے پیار کرنے لگیں؛ اور پیار کرتے کرتے جیسے اچانک انہیں خیال آ گیا ہو، وہ بڑی ہی سنجیدگی سے شہزاد سے مخاطب ہوئیں؛

شہزاد بیٹے؛

جی امّی جان؛

بھئی آج دوپہر کے بعد تمہارا کوئی خاص پروگرام تو نہیں؛

نہیں امّی جان، میں چاہتا تھا؛ کہ آج دوپہر سے شام تک جی بھر کے سو لوں، گرمیوں کی راتوں میں نیند ہی پوری نہیں ہوتی۔ امّی جان

خیر —— کیا آج کی نیند تم میرے لئے قربان نہیں کر سکتے ہیں؛

کیوں نہیں امّی جان؛ فرمایئے

بٹیا! امارہ بیٹی جب یہاں آئی تھی تو اس کے پاس صرف ایک جوڑا کپڑوں کا تھا، شاہدہ کے کپڑے ہیں دیکھ رہی ہوں کہ اس پر ذرا تنگ ہیں! اگر تم شاہدہ کو ساتھ لے کر آج دوپہر کے بعد بازار چلے جاؤ۔ تو اس کے لئے چند جوڑے کپڑے منگوا لوں تم لوگوں سے؛

بہت اچھا امّی جان! میں ضرور چلا جاؤں گا؛

قیوم صاحب کی نگاہیں اخبار پر تھیں، لیکن کان انہی لوگوں کی باتوں پر لگے ہوئے تھے! اخبار ایک جانب رکھ کر اپنی بیوی سے کہنے لگے؛

بھئی سلمیٰ، میرا خیال ہے کہ تم امارہ بیٹی کے لئے ایک ہی دفعہ چند جوڑے منگوا لو؛

جی ہاں! میں بھی یہی سوچ رہی ہوں! لیکن آپ کے ذہن میں یہ خیال کیوں آیا ہے فضیلت کی عادت سے تو تم واقف ہی ہو۔ ان لوگوں کو پتہ نہیں چلنا چاہیئے کہ امارہ بیٹی کے کپڑے شہزاد بٹیا لایا ہے؛ ورنہ بات کا بتنگڑ بنانا تو اس کے لئے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے! امارہ بیٹی کی زندگی تلخ کر دے گی؛

ہاں جی! میں سمجھتی ہوں! لیکن ہم کسی کو بتانے ہی کیوں لگے کہ یہ کپڑے ہم نے خریدے ہیں! ہم کہہ دیں گے کہ امارہ بیٹی کے اپنے ہیں؛

آپ نے ان لوگوں کو سر پر چڑھا رکھا ہے امّی جان؛ ورنہ انہیں کیا حق حاصل ہے کہ وہ ہمارے گھریلو معاملات میں دخل دیں؛

یہ فضیلت کی عادت ہے بٹیا، اس کی باتوں کا بُرا نہیں منانا چاہیئے۔

چچی جان تو خیر بزرگ ہیں امّی جان، لیکن ان کی بیٹیوں کو سمجھا دینا چاہیئے، کہ وہ کم از کم ہمارے گھر کی چار دیواری میں اپنی فرعونیت کا مظاہرہ نہ فرمایا کریں۔

چھوڑو بٹیا ان باتوں کو، عورتوں کی عادت نہیں بدلا کرتی، ہم انہیں سمجھائیں گے، تو خدا جانے وہ لوگ ہمیں کیا خیال کرنے لگیں، انہیں ان کے حال میں مست رہنے دو، اور ہاں مجھے یاد آیا، سلمیٰ، آج بھلا تمہیں کتنے دن ہوئے ہیں کراچی سے واپس آئے۔

آج ــــ آج اتوار ہے، سلمیٰ خاتون نے حساب لگاتے ہوئے کہا، ہم جمعرات کے دن یہاں پہنچے تھے، آئندہ جمعرات کو اکیس دن ہو جائیں گے۔

خوب، قیوم صاحب مسکرا دیئے، اور شہزاد سے پوچھنے لگے۔

کیوں بٹیا، کتنے دن ہوئے آج تم لوگوں کو یہاں آئے۔

جی اٹھارہ دن۔

کیوں بیٹی شاہدہ، کون سا جواب صحیح ہے، تمہاری امّی کا یا تمہارے بھائی کا، قیوم صاحب نے مسکرا کر شاہدہ سے پوچھا۔

دونوں ہی صحیح ہیں ابو جان ــــ شاہدہ نے حیرت سے اپنے ابو کی جانب دیکھ کر جواب دیا۔

دو جواب تو بیک وقت صحیح نہیں ہو سکتے بیٹی، ایک ہی جواب صحیح ہو سکتا ہے

آپ کہنا کیا چاہتے ہیں جی —— آج انوار ہے اٹھارہ دن ہوئے، جمعرات کے دن بائیس دن نہ ہوں گے کیا۔

بھئی سلمیٰ، عورتوں میں اکثر یہ عادت دیکھی ہے، جب ان سے دنوں کا حساب لگانے کے لئے کہا جائے تو وہ ہمیشہ آئندہ کسی دن کا حساب لگا کر کہتی ہیں، جمعرات کو اتنے دن ہوں گے، انوار کو اتنے دن ہو جائیں گے، یہ کیسی عادت ہے شاہدہ اور شہزاد کے علاوہ امارہ بھی مسکرانے لگی اور سلمیٰ خاتون نے جواب دیا

یہ اس لئے جی کہ ہم جیسی ان پڑھ عورتیں صرف دنوں کا حساب لگا سکتی ہیں، ہمیں اتنا علم ہے کہ سات دن کے بعد پھر وہی دن آجاتا ہے، لیکن اتنا علم نہیں کہ مقررہ دن کے بعد یا پہلے کتنے دن ہوتے ہیں، بس جی ہم تو سیدھی سادی گنتی جانتی ہیں، آج انوار ہے، آئندہ انوار کو سات دن پورے ہو جائیں اگر آپ یہ پوچھیں کہ جمعرات یا جمعہ کتنے دنوں کے بعد آئے گا، تو یہ ہمارے اختیار سے باہر ہے،

خوب —— ہر شخص اپنے لئے آسان راہیں تلاش کر لیتا ہے، اور ان راہوں پر ہی چلتے چلتے ساری زندگی گذار دیتا ہے۔ قیوم صاحب مسکرا دیئے،

لیکن آپ نے یہ تو بتایا ہی نہیں جی کہ حساب کیوں لگا رہے تھے،

اوہ؛ میں بھول ہی گیا تھا؛ بات دراصل یہ ہے؛ سلمےٰ کہ ہر جمعرات کو تم اپنی بہن مرحومہ کا ختم تو دلاتی ہی ہو: میں چاہتا ہوں کہ چالیس دن پورے ہونے پر چالیسویں کا ختم بھی دلوایا جائے۔

جی ہاں: ضرور دلائیں گے؛ انشاء اللہ ابھی تو پندرہ بیس دن باقی ہیں؛

ناشتہ تو ٹھنڈا ہو گیا بیٹی: سلمیٰ خاتون نے امارہ کیجانب دیکھا؛ اور امارہ چائے کے برتن اٹھا کر باورچی خانے کیجانب قدم اٹھانے لگی تو شاہدہ نے اسے روک لیا؛ اور اس کے ہاتھوں سے ٹرے پکڑ کر کہنے لگی؛

باجی ــــ آپ کی ڈیوٹی صرف اتنی تھی کہ ناشتہ لے آئیں؛ وہ آپ ادا کر چکیں؛ باقی فرائض میرے ذمے ہیں: شہزاد ان دونوں کیجانب دیکھ کر مسکرایا

بھئی شاہدہ: تم جلدی سے چائے گرم کرا لاؤ؛ واپس آؤ گی تو تمہیں اپنے سفر کی ایک دلچسپ کہانی سناؤں گا؛

کہانی ــــــ شاہدہ نے مسکرا کر شہزاد کیجانب دیکھا؛

ہاں؛ لیکن ذرا جلدی واپس آنا ہو گا؛ بس شرط یہی ہے؛

شاہدہ ٹرے اٹھائے بھاگتی ہوئی باورچی خانے میں داخل ہو گئی؛ اور امارہ پھر سلمےٰ خاتون کے قریب پلنگ پر بیٹھ گئی؛

اور چند لمحوں کے بعد جب شاہدہ ٹرے ہاتھوں میں لئے واپس آئی تو تپائی پر ٹرے رکھ کر شہزاد سے کہنے لگی؛

ہاں، تو سنایئے بھائی جان وہ دلچسپ کہانی۔

بھئی شاہدہ! کراچی سے واپسی کے دوران سفر کرنے کے چند ایک نئے نسخے میرے علم میں آئے ہیں، ممکن ہے تمہیں کبھی اپنے سفر کے دوران ان کی ضرورت محسوس ہو، اس لئے تمہیں بتا دینا اپنا فرض سمجھتا ہوں، یاد رکھنا، اگر بھول جاؤ گی، تو پچھتاؤ گی۔

نہیں بھائی جان — تجربات ہی سے تو انسان فائدہ اٹھاتا ہے، آپ کے تجربے سے میں ضرور فائدہ اٹھاؤں گی۔

خیر، فی الحال ایک ہی نسخہ بتاتا ہوں۔

قیوم صاحب اخبار رکھ کر اپنے بیٹے کی جانب دیکھنے لگے، اور سلمیٰ خاتون نے بھی چائے کی پیالی ہونٹوں سے لگاتے ہوئے اپنی نگاہیں اپنے بیٹے پر مرکوز کر دیں۔

تم جانتی ہو، شاہدہ کہ آجکل گاڑیوں میں بھیڑ بہت زیادہ ہوتی ہے، مرد تو خیر کہیں نہ کہیں بھاگ دوڑ کر جگہ تلاش کر ہی لیتے ہیں، اگر اندر کمرے میں جگہ نہ ملے، تو باہر پائیدان پر کھڑے ہو جاتے ہیں، لیکن عورتوں کے لئے یہ سب کچھ مشکل ہے وہ بیچاری پریشان ہو جاتی ہے، اور بعض اوقات تو اسی پریشانی میں سوچتی ہی رہ جاتی ہیں، اور گاڑی نکل جاتی ہے۔

ہاں بیٹا، یہ تو تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو، ہم جب کراچی سے آئے تو اتنی بھیڑ تھی کہ توبہ، سانس لینا دشوار ہو گیا تھا، گرمی، حبس اور بھیڑ، میں تو آئندہ کبھی گرمیوں

میں سفر نہیں کروں گی بیٹا، کیوں بٹیا اماں، کیسی حالت تھی ہم لوگوں کی۔
بس زندگی کے چند سانس باقی تھے، خالہ جان کہ بچکر آ گئے، ورنہ راستے کی بھیڑ نے ہماری موت کے سارے سامان فراہم کر دیئے تھے۔
اسی لئے تو میں یہ آسان نسخہ بتا رہا ہوں، شاہدہ کو امی جان۔
ہاں ہاں، بتاؤ بیٹا، ہم بھی سنیں کہ وہ کون سی آسان ترکیب ہے۔
ہاں تو شاہدہ، جب کبھی ایسا موقعہ پیش آ جائے کہ بھیڑ زیادہ ہو، دروازہ عورتوں نے اترنے اور چڑھنے کے لئے روک رکھا ہو، اور تم یہ بھی محسوس کرو کہ گاڑی عنقریب چلنے والی ہے، اور تم گاڑی سے رہ جاؤ گی تو اس وقت تمہیں دروازے کا خیال چھوڑ کر کسی کھڑکی کے قریب چلی جانا چاہیئے۔
کھڑکی کے قریب، وہاں کیوں بھائی جان — شاہدہ نے پوچھا۔
بھئی اس لئے کہ کھڑکی کے قریب جو بھی عورت بیٹھی ہو، اسے اپنی سرگزشت سناؤ، اور اسے یہ یقین دلا دو کہ تمہارا سفر کرنا انتہائی لازمی ہے، اگر تم اس گاڑی پر سوار نہ ہو سکیں تو دنیا میں طوفان آ جائے گا، ایٹم بم برسنے لگیں گے، ہائیڈروجن بم پھٹ جائیں گے، دنیا تباہ ہو جائے گی، اور خدانخواستہ قیامت برپا ہو جائیگی
اے ہے، بٹیا، اتنے جھوٹ بولنے سے فائدہ، سلمیٰ خاتون نے مسکرا کر پوچھا۔
فائدہ یہ ہوگا، امی جان کہ کھڑکی کے قریب بیٹھی ہوئی عورت متاثر ہو جائے گی۔

اور کسی نہ کسی طریقے سے اس کو گاڑی میں سوار کرنے پر آمادگی ظاہر کر دے گی۔

مان لیا، بھائی جان کہ عورت متاثر ہو گئی، اور ڈبے میں سوار کرنے پر بھی آمادہ بھی ہو گئی، لیکن دروازہ تو رکا ہوا ہے، سوار ہونے کا مسئلہ تو پھر ویسے ہی رہ گیا۔

نہیں شاہدہ، اب کوئی مسئلہ باقی نہیں رہا، بس تم وہی نسخہ آزماؤ جو میں بتا رہا ہوں، انشاء اللہ تم سوار ہو جاؤ گی، باقی خواہ ساری دنیا پلیٹ فارم پر کھڑی دیکھتی رہ جائے۔

بتلیئے بھائی جان وہ کونسا نسخہ ہے؟

شہزاد نے ایک لمحہ کے لئے امارہ کی جانب دیکھا، وہ بڑی حیرت سے کچھ سمجھے بغیر شہزاد کی کہانی سن رہی تھی۔

وہ نسخہ یہ ہے شاہدہ کہ تم اپنا اٹیچی کھڑکی سے اندر پھینک دو، اپنے دونوں ہاتھ پلیٹ فارم پر ٹکا دو، اور دونوں پاؤں کھڑکی میں رکھ دو، وہ تمہاری ہمدرد خاتون تمہاری ٹانگیں پکڑ کر اندر کھینچ لے گی۔

ٹانگیں کھینچ کر — شاہدہ نے حیرت سے پوچھا۔

ٹانگیں ہی کیوں بھائی جان، ہاتھ پکڑ کر کیوں نہ کھینچ لے؟

یہ میں نہیں جانتا بھئی، امارہ سے پوچھو، وہی یہ نسخہ ایک عورت پر آزما رہی تھی۔

شاہدہ نے جلدی سے پلٹ کر امارہ کی جانب دیکھا، تو وہ اپنی ہنسی دبانے کی کوشش کر رہی تھی، اور اس نے دوپٹے کے پلّو سے اپنا نصف چہرہ

چھپا رکھا تھا:

کیوں باجی ـــــ یہ کیسا نسخہ ہے:

بیٹی ـــــ سلمے خاتون نے ہنستے ہوئے شاہدہ کو بتایا:

بیٹی: ہمارے ڈبے میں تل دھرنے کی جگہ بھی نہیں تھی اور عورتوں کی بھیڑ اس قدر کہ الامان: دروازے کے راستے نئی عورتیں یلغار کر رہی تھیں: اگر کسی کو منع کیا جاتا تو یقیناً وہ لڑنے مرنے پر تیار ہو جاتی: امارہ بیٹی کھڑکی میں بیٹھی تھی: کسی عورت نے اسے تنگ کیا: اپنی گٹھڑی اس پر پھینک دی: یہ بچاری اسے کیا کہتی:

اسی نے اُسے گاڑی میں سوار ہونے کا یہ نسخہ بتایا تھا:

شاہدہ کھلکھلا کر ہنسنے لگی: قیوم صاحب بھی امارہ کیجانب دیکھ کر مسکرانے لگے

کیوں باجی ـــــ کیا اس عورت نے آپ کے کہنے پر عمل کیا تھا:

ہاں بیٹی ـــــ امارہ کیجائے سلمے خاتون نے جواب دیا:

اس عورت نے واقعی اپنے دونوں ہاتھ پلیٹ فارم پر ٹکا دیئے تھے اور ٹانگیں اٹھانے ہی والی تھی کہ غالباً اسے اپنی حماقت کا احساس ہو گیا: اور پھر وہ سیدھی کھڑی ہو کر دروازے کیجانب بھاگ گئی:

شاہدہ پر تو ہنسی کا ایسا دورہ پڑا کہ وہ لوٹ پوٹ ہو گئی: قیوم صاحب بھی دیر تک مسکراتے رہے: سلمے خاتون بھی ہنستی رہیں: اور امارہ ہنسی اور شرم کے درمیان پھنسی شاہدہ کیجانب دیکھتی رہی: لیکن شہزاد بڑی سنجیدگی سے اُن سب کیجانب دیکھتا رہا: شاہدہ اٹھی اور امارہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے کھینچتی ہوئی اپنے کمرے میں لے گئی:

صحن کے طویل سایوں میں شاہدہ میز کرسی بچھائے اپنے کالج کے نوٹ لکھ رہی تھی! قریب ہی چارپائی پر سلمیٰ بیگم بیٹھی سبزی کاٹ رہی تھی! اور ان کے قریب امارہ دوسری چارپائی پر مشین رکھے اپنے کپڑے سی رہی تھی قیوم صاحب ابھی تک اپنے کمرے میں بند کسی مذہبی کتاب کے مطالعہ میں مصروف تھے اور شہزاد دوپہر کے بعد اپنی نیند پوری کر کے تولیہ اور صابن لئے غسل خانے کیجانب جا رہا

تھا کہ سلمٰی خاتون نے اسے آواز دی:

بیٹا شہزاد ——

جی امی جان: شہزاد جاتے جاتے رک گیا: اور اپنی امی کیجانب دیکھنے لگا:

بیٹا مجھے یاد نہیں رہا: آج صبح تمہاری چچی جان آئی تھیں:

نیا حکم صادر فرمایا ہو گا: انہوں نے:

شاہدہ پڑھتے پڑھتے مسکرانے لگی:

نیا حکم ہی سمجھ لو بیٹا: کہہ رہی تھیں کہ شام کے وقت شہزاد بیٹا انتظار کرے

وہ تمہیں ساتھ لے کر بازار جانا چاہتی ہیں:

کیوں امی جان —— خیریت تو ہے:

خیریت ہی ہے: بیٹا غالباً کچھ خریداری کرنا ہو گی:

اچھا: امی جان: شہزاد نے مُردہ سی آواز میں جواب دیا: اور غلسخانے کیجانب

قدم بڑھانے لگا:

امی جان ——

جی بیٹی: سلمٰی خاتون شاہدہ کیجانب دیکھنے لگی: جو قلم منہ میں دیئے مسکرا رہی تھی

میں بتاؤں امی جان: کہ چچی جان نے بازار سے کیا خریدنا ہے

کیا بیٹی: ——

وہ آج صبح ادارہ باجی کے کپڑے دیکھ گئی تھیں: امی جان: غالباً اسی قسم کا کپڑا

خرچیں گی اپنی ہم جنسیوں کے لیے۔

ایسے نہیں کہا کرتے بیٹی! تمہاری تو وہ بہنیں ہیں!

اس سے تو انکار نہیں امّی جان! لیکن میں اکثر سوچتی ہوں کہ ہم بہنوں میں اگر زمین آسمان کا نہیں تو مشرق اور مغرب کا فرق" ضرور ہے! ان کا رخ مغرب کیجانب ہے اور ہمارا مشرق کیجانب!

ہاں بیٹی! یہ تو تربیت کا فرق ہے! اب خاموش رہو! تمہاری ثمینہ باجی آرہی ہے"

دونوں مکانوں کے درمیان ان بھائیوں نے آمد و رفت کے لئے ایک چھوٹا سا دروازہ بنا دیا تھا۔ ثمینہ اسی دروازے سے ان کیجانب قدم بڑھا رہی تھی۔ شاہدہ بڑے تعجب سے اس کی جانب دیکھنے لگی! ثمینہ کا انداز ہی کچھ اس قسم کا تھا کہ ہر شخص پہلی نظر دیکھنے کے بعد دوسری نظر اٹھانے پہ مجبور ہو جاتا! ہلکے سبز رنگ کا سوٹ! سفید سیفون کا دوپٹہ جو صرف کندھوں کی زینت بنا ہوا تھا! ہونٹ لپ سٹک کی عنایتوں سے اسطرح سرخ ہو رہے تھے، جیسے ابھی ابھی خون کے گھونٹ پی کر آرہی ہوں! چہرے پر غازے کی تہہ جمی ہوئی تھی! آنکھوں میں کاجل اور کاجل کی لکیریں دونوں جانب کانوں کی لو تک جا کر بالوں میں گم ہو گئی تھیں!

بال اس قدر خشک جیسے مدتوں دھوپ میں بیٹھ کر اس حالت تک پہنچائے گئے ہوں! اور بالوں کے بنانے کا سٹائل سادھو! ہمارا جوگی کیطرح! چاروں طرف سے اوپر لے جا کر انہیں ربن سے باندھ دیا گیا تھا! اور سر کے عین درمیان سے بالوں

کی لمبی چوٹی اسطرح لٹک رہی تھی! جیسے عموماً رومی ٹوپی سے سیاہ رنگ کا پھندنا لٹک دکھائی دیتا ہے! ٹیڈی لباس میں وہ کسی دوسری ہی دنیا کی مخلوق نظر آرہی تھی! وہ مسکراتی ہوئی آئی اور شاہدہ کی میز پر اپنا پرس رکھ کر قریب ہی بچھی ہوئی کرسی پر بیٹھ گئی

شاہدہ رانی ـــــ اس نے صرف شاہدہ کو مخاطب کیا!

جی ـــــ شاہدہ مسکرا کر اس کیجانب دیکھنے لگی!

تمہارے بھائی جان کہاں ہیں :

بھائی جان تو غسل فرما رہے ہیں! باجی

اوہ ـــــ کیا بازار جانے کے لئے ابھی تک تیار نہیں ہوئے :

اب ہو جائیں گے باجی! ابھی تو سو کر اٹھے ہیں! اب غسل کر رہے ہیں! اس کے بعد تیاری کا نمبر آتا ہے :

اداره کیسی رہی ہے! اس نے آہستہ سے سرگوشی کے انداز میں پوچھا!

کپڑے :

تمہارے ہیں یا اس کے!

دونوں کے شاہدہ نے مختصر سا جواب دیا! اور پھر لکھنے میں مصروف ہو گئی!

شہزاد غسل خانے سے باہر نکلا! اور اس کی نگاہیں ثمینہ پر پڑیں تو وہ اسے دیکھتا ہی رہ گیا! ثمینہ بھی اس کیجانب مسکرا مسکرا کر دیکھ رہی تھی!

کیا دیکھ رہے ہیں آپ! یہ

خدا کی شان ــــ شہزاد نے آہستہ سے جواب دیا اور اپنے کمرے کیجانب بڑھ گیا

ذرا جلدی سے آیئے! امّی جان انتظار فرما رہی ہیں۔ ثمینہ نے کرسی سے اُٹھتے ہوئے کہا!

بس لباس تبدیل کر لوں! چائے پی کر آجاؤں گا!

چائے آپ وہیں پی لیجئے!

نہیں بھئی! آپ لوگوں کی ولائتی طرز کی چائے ہم دیسی انسانوں کو ہضم نہیں ہوتی! میں چائے پی کر ہی آؤں گا! لیکن کیا بات ہے؟ خریت تو ہے!

ذرا بازار تک جانا ہے! ثمینہ نے بڑے انداز سے لچکا کر جواب دیا!

اوہ ــــ تو آپ بھی تیار ہیں! بازار جانے کے لئے!

جی ہاں بخیال تو ایسا ہی ہے!

اسی لباس میں یا ابھی تبدیل کریں گی آپ!

لباس تبدیل کرنے کی کیا ضرورت ہے! ایسے ہی چلوں گی! ثمینہ نے اپنے سراپا پہ نگاہیں ڈال کر جواب دیا!

نہیں! اس لباس میں میرے ساتھ تو آپ جا نہیں سکتیں! شہزاد نے اسے سر سے پاؤں تک دیکھتے ہوئے جواب دیا!

کیوں ــــ ؟

یہ لباس آپ کالج یا سہیلیوں میں تو پہن سکتی ہیں! لیکن اسطرح کارٹون بن کر میرے

ساتھ بازار نہیں جا سکتی ؛ میں لوگوں کی نگاہوں کا مرکز نہیں بننا چاہتا ؛

اوہ ؛ تو میں کارٹون دکھائی دے رہی ہوں ؛

بالکل ولائتی قسم کا کارٹون ؛

خیر ؛ آپ جلدی آیئے ؛ میں گھر جا رہی ہوں ؛

ثمینہ نے پرس اٹھایا ؛ اور درمیان والی دیوار کا دروازہ کھول کر اپنے گھر میں داخل ہو گئی ؛ شہزاد لباس تبدیل کر کے باہر نکلا ؛ تو شاہدہ بدستور اپنے کام میں مصروف تھی ؛

بھئی شاہدہ ؛ اتنی محنت اچھی نہیں ہوتی ؛ اگر زیادہ کام ہو تو باجی سے کروایا کرو ؛ شہزاد نے کہا ؛

باجی سے ـــــ کون سی باجی سے ؛ بھائی جان

بھئی امارہ سے ؛

شاہدہ امارہ کیجانب دیکھ کر مسکرانے لگی ؛

لیکن بھائی جان باجی امارہ تو لکھنا پڑھنا نہیں جانتی ؛

نہیں ـــــ شہزاد مشکوک نگاہوں سے امارہ کیجانب دیکھنے لگا ؛

کیوں امی جان ـــــ آپ کی بڑی بیٹی لکھنا ؛ پڑھنا نہیں جانتی کیا ؛

پتہ نہیں بیٹا ؛ میں نے تو پوچھا ہی نہیں ؛ کیوں بیٹی امارہ ـــ کیا پوچھتے ہیں ؛ تمہارے بھائی جان ؛

امارہ نے یہاں پہنچتے ہی چونکہ گھر کی ایک خادمہ کی حیثیت سے زندگی بسر کرنے

کا فیصلہ کر لیا تھا، لہٰذا اس نے دوسرے تیسرے دن باتوں ہی باتوں میں شاہدہ کو بتا دیا تھا
کہ تعلیم حاصل نہیں کر سکی؛ حالانکہ اسے اپنے بی اے کے نتیجے کا بڑی شدت سے
انتظار تھا؛ لہٰذا اس جھوٹ کو نبھانے کی خاطر اس نے مشین سے سر اٹھایا؛ اور مسکرا کر
سیلمٰے خاتون سے کہنے لگی؛

میری بد قسمتی ہے خالہ جان؛

اس نے یہ بھی نہیں کہا کہ وہ پڑھی ہوئی نہیں ہے؛ اور یہ اقرار بھی نہیں کیا کہ
وہ تعلیم یافتہ ہے؛

شہزاد قریب ہی ایک کرسی پر بیٹھ گیا اور کہنے لگا؛

مجھے یقین نہیں آتا کہ امارہ ان پڑھ ہے؛ کیوں امّی جان؛ امارہ کی کسی ایک
ایک بات سے بھی یہ ثابت ہوا ہے کہ اس نے تعلیم حاصل نہیں کی؛

یہ تو کوئی ایسی بات نہیں بیٹا؛ بعض گھروں کی تربیت ہی ایسی ہوتی ہے؛ کہ
آجکل کے تعلیم یافتہ گھرانوں کو میسّر نہیں؛ امارہ بیٹی کی تربیت جس ماں نے کی ہے
مجھے تو زندگی کے چند سانس اس کے ساتھ گذارنے کا موقع ملا ہے؛ اگر وہ امارہ
بیٹی کو تعلیم نہیں دلوا سکیں تو تربیت میں انھوں نے کوئی خامی نہیں رہنے دی؛

آپ کا فرمان درست ہے امّی جان! پھر بھی آجکل ماحول میں تعلیم بڑی لازمی ہے

لازمی تو یقیناً ہے! بیٹا

کیوں شاہدہ — کیا تم اتنا دبنا پسند کرو گی؛؟

استاد یا استانی ـــ شاہدہ نے مُسکرا کر شہزاد کیجانب دیکھا :
بھئی ایک ہی بات ہے : میرا خیال ہے کہ تم اپنی باجی کو پڑھانا شروع کردو :
بلکہ آج ہی بازار سے اردو اور انگریزی کی ابتدائی کتابیں لے آؤں گا : آج رات سے پڑھانا شروع کردو :
فیس کون دے گا : بھائی جان ـــ شاہدہ نے ہنس کر پوچھا :
بھئی فیس میں دے دیا کروں گا : بتاؤ کتنے روپے ماہانہ ہوگی :
چھوٹے شاگردوں کی فیس تھوڑی ہوتی ہے : بھائی جان : اور بڑے شاگردوں کی زیادہ : اور باجی تو مجھ سے بھی بڑی ہے :
شہزاد کے علاوہ سلمیٰ خاتون بھی ہنسنے لگی اور امارہ شاہدہ کیجانب دیکھ کر صرف مسکرا رہی بیٹی : فیس کی کیا بات ہے : تمہیں ہر ماہ میں جو کچھ کہو گی : دے دیا کروں گی : لیکن پہلے اپنی شاگرد سے تو پوچھ لو : پڑھے گی بھی یا نہیں :
کیوں باجی ـــ شاہدہ نے اپنی کاپی بند کردی اور امارہ کے قریب آ کر چارپائی پر بیٹھ گئی :
سچ باجی ـــ اگر آپ صرف ایک گھنٹہ روزانہ پڑھیں تو ایک سال کے اندر اندر میں آپ کو کئی کتابیں پڑھا دوں :
امارہ : بڑی ہی دلفریب مسکراہٹوں سے شاہدہ کیجانب دیکھنے لگی :
بھئی اگر تم اتنی بڑی شاگرد کو پڑھا سکتی ہو تو مجھے کیا اعتراض ہے پڑھ لیا کرو گی

شاہدہ نے خوش ہو کر امارہ کے گلے میں اپنے دونوں بازو ڈال دیئے: اور پھر اس کی نگاہوں میں نگاہیں ڈال کر کہنے لگی:

لیکن باجی ـــــ استانی اپنے شاگردوں کی پٹائی بھی کیا کرتی ہیں؟

اور میں استانی کی پٹائی بھی کر دیا کرتی ہوں: سلطے خاتون نے مسکرا کر شاہدہ کیجانب دیکھا: اور شہزاد کھلکھلا کر ہنس دیا:

خوب: تو یہ طے رہا کہ شاہدہ امارہ کو پڑھایا کرے گی:

جی ہاں بھائی جان: آپ کتابوں کے ساتھ ہی کاپی اور قلم بھی لیتے آیئے اور ہاں یاد آیا: پانچ سیر لڈو بھی:

لڈو کیوں بھئی:

جب بچہ پہلے دن استاد کے سامنے حاضر ہو تو وہ استاد کی خدمت میں کیا پیش کرتا ہے

بھئی یہ مٹھائی وغیرہ کا تقاضا تم اپنی شاگردہ سے کرو: ہم تمہیں مٹھائی اس دن کھلائیں گے: جس دن تمہاری شاگرد ابتدائی کتابیں ختم کرنے کے بعد ہمیں سنائیں گی:

باجی ـــــ بھائی جان نے تو بہانہ تلاش کر لیا: کیا خیال ہے: کتنے روز میں آپ کتابیں ختم کر لیں گی:

اگر استانی صاحبہ محنت سے پڑھائیں گی تو ظاہر ہے کہ جلدی ختم ہو جائیں: ورنہ ساری عمر پہلی کتاب میں ہی اٹکی رہوں گی:

امارہ نے مسکرا کر اپنے قریب بیٹھی شاہدہ کیجانب دیکھا:

ادھر

شہزاد ــــ کتنی ہی دیر تک امارہ کیجانب بڑی پیار بھری نگاہوں سے دیکھتا رہا؛ اور جب اچانک امارہ کی مسکراتی نگاہیں اس کی نگاہوں سے ٹکرائیں تو اس نے شرما کر اپنی نگاہیں جھکا لیں۔ وہ اٹھا اور اپنی چچی کیجانب روانہ ہو گیا؛

اور اسی رات جب شہزاد بازار سے واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں امارہ کے لئے اردو انگریزی کی ابتدائی کتابیں؛ دو کاپیاں؛ پن اور شاہدہ کے لئے مٹھائی کا ایک ڈبہ پکڑے دیکھ کر امارہ اور شاہدہ دونوں مسکرانے لگیں؛ شاہدہ اور امارہ اس وقت اپنے کمرے کے سامنے کھلے صحن میں اپنے پلنگوں پر بیٹھی ادھر ادھر کی گفتگو میں مصروف تھیں؛ شہزاد ان کے قریب پہنچ گیا؛ اور یہ ساری چیزیں شاہدہ کے پلنگ کے قریب تپائی پر رکھ کر کہنے لگا؛

دیکھئے استانی صاحبہ؛ کتابیں بھی حاضر ہیں اور مٹھائی بھی؛ اب اس نیک کام کی بسم اللہ میرے سامنے ہی کر دیں تو اچھا ہے؛

شاہدہ نے بڑی عجلت سے مٹھائی کا ڈبہ پکڑا؛ پہلے مٹھائی کی ایک ڈلی اپنے منہ میں رکھی؛

دوسرا ٹکڑا اٹھا کر امارہ کے پلنگ پہ پہنچی اور زبردستی اس کے منہ میں ڈالنے لگی؛ امارہ نے ہزار کوشش کی کہ وہ اس کے ہاتھ میں دیدے؛ لیکن شاہدہ اپنی ضد سے باز نہ آئی۔ زبردستی اس کا منہ کھلوا کر اس میں برفی کا ٹکڑا ڈال دیا اور پھر ایک

مکر ملا اپنے بھائی جان کی خدمت میں پیش کر دیا۔
بسم اللہ ہو گئی۔ بھائی جان
شہزاد اسے دیکھ کر مسکرانے لگا۔
ارے بھائی پڑھائی کی بسم اللہ کہا تھا۔ میں نے، مٹھائی کی بسم اللہ تو میں بھی کر سکتا تھا۔
خوب آپ چاہتے ہیں کہ ابھی تعلیم شروع کر دی جائے۔
بالکل۔ بلکہ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ صبح سورج طلوع ہونے سے پیشتر یہ دونوں کتابیں بھی ختم کر دی جائیں۔
امارہ نے دونوں کتابیں پلنگ سے اٹھائیں اور ان کی ورق گردانی کرتے ہوئے مسکرا کر شاہدہ سے کہنے لگی۔
شاہدہ ـــــ کتابیں تو چھوٹی سی ہیں۔ اگر تم پڑھا سکو تو رات میں انہیں ختم کرنا کونسا مشکل کام ہے۔
جی ہاں کیوں نہیں۔ ایک رات میں پہلی کتابیں۔ دوسری رات دوسری جماعت کی کتابیں۔ اسطرح آپ انشاء اللہ دس دنوں میں میٹرک پاس کر کے گیارہویں دن ہبرے ساتھ کالج میں داخل ہو سکتی ہیں۔
باجی ـــــ یہ کتابیں چھوٹی ضرور ہیں۔ لیکن ایک ہی رات میں تو ختم نہیں ہو سکتی
ختم کیوں نہیں ہو سکتیں۔ امارہ نے انگریزی کتاب کے اوراق الٹتے ہوئے کہا۔

ان میں سوائے ان تصویروں کے اور ہے ہی کیا۔ یہ دیکھئے سنگترہ ہے۔ سیب ہے لڑکا ہے۔ بلی ہے۔ چوہا ہے اور اس میں کیا ہے۔ بس ایسی ہی تصویروں سے کتاب بھری ہوئی ہے۔ یہ تو میں ابھی بیٹھے بیٹھے ختم کر سکتی ہوں۔

شاہدہ تمہارا شاگرد ماشاءاللہ بڑی ذہین ہے۔ بہت جلد ختم کرلے گی کتابیں

جی ہاں۔ معلوم تو ایسا ہی ہوتا ہے۔ شاہدہ نے مسکرا کر امارہ کیجانب دیکھا۔ اور اسے پہلا سبق دینے لگی۔

پڑھیے باجی :۔ اے ایپل۔ ایپل معنے سیب۔

بی :۔ بوائے۔ بوائے معنی لڑکا۔

سی :۔ کیٹ۔ کیٹ معنے بلی۔

ڈی :۔ ڈاگ۔ ڈاگ معنے کتا۔

امارہ بڑی معصومیت سے ہر لفظ پر انگلی رکھ کر شاہدہ کا پڑھایا ہوا سبق دہراتی رہی۔ اور جب دس پندرہ مرتبہ اس پہلے سبق کو دہرا چکی تو شہزاد نے اردو کی کتاب آگے بڑھا دی۔

بھئی اب قومی زبان کا سبق بھی دے دو۔ انہیں اور شاہدہ امارہ کو پڑھانے لگی

پڑھیے باجی :۔ الف :۔ انار۔

ب :۔ بکری۔

پ :۔ پنکھا۔

ت :۔ تیتر۔

امارہ بڑی ہی توجہ سے اُردو کا سبق یاد کرنے لگی۔ قریباً دس منٹ تک یاد کرتی رہی اور پھر اس نے کتاب بند کر دی؛

یاد ہو گیا؛ استانی جی ___ امارہ نے مسکرا کر شاہدہ سے کہا؛

اردو کا سبق یاد ہو گیا؛ انگریزی کا انشاء اللہ بھول گیا ہو گا۔ شہزاد نے مسکرا کر امارہ سے کہا؛

جی نہیں؛ وہ بھی یاد ہے ___ امارہ نے نگاہیں نیچی کر کے جواب دیا؛

لائیے۔ ابھی امتحان ہو جائے گا؛ شہزاد نے انگریزی کا قاعدہ کھول کر اس کے سامنے رکھا؛ اور ڈاگ پر انگلی رکھ کر پوچھنے لگا؛

یہ کیا ہے؛

کتا ___ امارہ نے بڑی معصومیت سے جواب دیا؛ شہزاد اور شاہدہ دونوں ہنسنے لگے؛

کتا تو یقیناً ہے؛ لیکن اسے انگریزی میں کیا کہتے ہیں؛

بی بوائے؛ بوائے معنے کتا۔ امارہ نے جلدی سے جواب دیا؛ اور شہزاد کے علاوہ شاہدہ بھی ہنستے ہنستے دہری ہو گئی؛

خوب؛ بہت خوب؛ شہزاد نے اپنی ہنسی پر ضبط پاتے ہوئے کہا؛

کیوں ___ کیا غلط کہہ دیا میں نے!

جی نہیں؛ آجکل کے لڑکے بھی تو کتوں سے کم نہیں ہیں؛

لڑکا ——— لڑکا تو یہ ہے جی : امارہ نے لڑکے تصویر پر انگلی رکھ کر کہا :

سی : کیٹ : کیٹ معنے لڑکا :

بھائی جان : آپ نے پہلے ہی دن امتحان لینا شروع کر دیا :

اور پہلے ہی دن تمہاری شاگردہ پاس ہو گئی : شہزاد نے ہنستے ہوئے کہا :

کل صبح امتحان لیجیئے : ابھی تو باجی نے اچھی طرح یاد بھی نہیں کیا سبق :

کیوں باجی ——— ؟

بھئی یاد تو کر لیا ہے : اگر کہیں غلط کہہ گئی ہوں تو بتا دیں :

جی نہیں : غلط تو آپ نے بالکل نہیں کہا : انشاءاللہ آج ہی رات آپ یہ دونوں کتابیں ختم کر لیں گی : کیوں شاہدہ ——— ؟

شہزاد نے بڑی طنز سے اپنی چھوٹی بہن کیجانب دیکھ کر پوچھا : اور شاہدہ مسکرا کر اپنی باجی کیجانب دیکھنے لگی جو ابھی تک بڑے غور سے لڑکے اور کتے کی تصویروں پر انگلی رکھے اپنی غلطی تلاش کرنے کی کوشش کر رہی تھی :

ایک روز صبح سویرے شاہدہ کالج جانے
کی تیاری کر رہی تھی کہ امارہ باورچی خانے سے
فارغ ہو کر اپنے کمرے میں آئی۔ شاہدہ بڑے
غور سے اسے دیکھتی رہی۔ اس کے خوبصورت
لمبے سیاہ بالوں میں چولہے کی راکھ صاف دکھائی
دے رہی تھی۔ پھونکیں مارتے مارتے ہوئیں
کی وجہ سے اس کی آنکھوں میں پانی آ گیا تھا۔
دوپٹہ گلے میں الجھ رہا تھا۔ اور دونوں آنکھیں ابھی تک

گیلا آٹا لگا ہوا تھا؛

باجی ——— ایک درخواست کروں؛ شاہدہ نے اس کی حالت دیکھ کر کہا؛

حکم کرو شاہدہ؛ تم تو میری استانی بھی ہو؛ اور محسن بھی؛ امارہ نے مسکرا کر شاہدہ کی جانب دیکھا؛

نہیں باجی؛ حکم نہیں؛ ایک چھوٹی سی درخواست ہے؛

کہو شاہدہ؛ ———

یہ باورچی خانے کی ڈیوٹی آپ نے کیوں سنبھال لی؛ باجی؛ کیا آپ سے کسی نے کہا تھا

ہاں؛ ———

کس نے؛ شاہدہ نے بڑی حیرت سے امارہ کی جانب دیکھا؛

میری شاہدہ رانی نے؛ امارہ نے مسکرا کر جواب دیا؛

میں نے ——— ؛ شاہدہ نے اپنے سینے پہ انگلی رکھ کر پوچھا؛

ہاں شاہدہ ——— تم صبح سویرے کالج جاتی ہو؛ تمہارے بھائی جان دفتر جاتے ہیں؛ میں نے اکثر دیکھا ہے؛ کہ تم دونوں بعض اوقات محض ناشتہ بروقت نہ ملنے کی وجہ سے تاخیر سے جاتے ہو؛ میں یہاں سارا دن کیا کرتی ہوں ——— بیکار اپنے کمرے میں لیٹی چھت کو گھورتی رہتی ہوں؛ کیا میرا اتنا بھی حق نہیں کہ صبح سویرے تمہارے لئے ناشتہ بروقت تیار کر سکوں؛

لیکن باجی؛ آپ کے آنے سے پہلے بھی تو ہمیں ناشتہ ملا ہی کرتا تھا؛

اس وقت میں یہاں نہیں تھی شاہدہ ! اور اب اپنی موجودگی میں اگر ناشتہ تاخیر سے ملے تو میرا ضمیر مجھے ملامت کرتا ہے !

اس لیکچر کو رہنے دو، باجی اور اس آئینہ میں اپنا حلیہ تو دیکھیں !

منہ ہاتھ دھونے کے بعد دیکھوں گی ! امارہ نے مسکرا کر جواب دیا ! اور صابن تولیہ لے کر غسل خانے میں گھس گئی ! اور چند لمحوں کے بعد جب وہ تولیہ سے اپنا چہرہ خشک کرتے ہوئے غسل خانے سے باہر نکلی تو شاہدہ نے بڑی عجلت میں اس سے تولیہ چھین لیا :

امارہ بڑی حیرت سے اس کی جانب دیکھنے لگی !

باجی ـــــ شاہدہ نے مسکرا کر کہا !

میری اس جسارت پر مجھے معاف فرمانا باجی ! لیکن جب آپ تولیئے سے چہرہ صاف کرتی ہیں ! تو اکثر میرا دل دھڑکنے لگتا ہے ! اور بار بار میں سوچتی ہوں کہ کہیں آپ کی خوبصورت آنکھوں کی سیاہی اور سیب کی طرح دمکتے ہوئے رخسار کی ساری سرخیاں تولیئے میں نہ جذب ہو جائیں !

امارہ مسکراتی ہوئی اس کی جانب بڑھی ! ایک ہاتھ سے تولیہ پکڑا اور دوسرے ہاتھ میں اس کی ٹھوڑی پکڑ کر کہنے لگی :

تم بہت شریر ہو شاہدہ ! تم نے تو مجھے ڈرا ہی دیا تھا !

میں نے تو اپنا ڈر دور کیا تھا ، باجی ! شاہدہ نے مسکرا کر تولیہ دوبارہ امارہ کے

ہاتھ سے لے لیا! اور پھر خود ایک ہاتھ سے امارہ کا چہرہ اوپر کر کے دوسرے ہاتھ سے بڑے ہی پیار اور نرم انداز میں اس کا چہرہ تولیئے سے خشک کرنے لگی! امارہ مسکرا مسکرا کر شاہدہ کے ان پیار سے بھرے جذبات سے لطف اندوز ہوتی رہی

اس طرح باجی —— آئندہ اپنا چہرہ اس طرح خشک کیا کریں!

امارہ نے دونوں ہاتھوں کے پیالے میں شاہدہ کا چہرا پکڑا! چند لمحے بڑی پیار بھری نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی! اور پھر اس کی پیشانی پر ایک طویل بوسہ دے کر کہنے لگی:

شاہدہ —— میں سوچتی ہوں کہ اگر اس گھر میں تم نہ ہوتیں تو میرے دن کیسے گذرتے مجھے اتنی اچھی بہن کہاں سے ملتی! میرے ساتھ اتنا پیار کون کرتا! تم کتنی اچھی ہو شاہدہ!

اس گھر میں تو ہر ایک ہی آپ سے پیار کرتا ہے باجی! خود بڑے بھائی جان جو اکثر تنہا اپنے کمرے میں خاموش بیٹھے رہتے تھے! اب آپ کے ساتھ گفتگو کرنے کے بہانے تلاش کرتے رہتے ہیں! سچ باجی —— آپ کے آجانے سے بھائی جان کی زندگی میں ایک عظیم انقلاب آگیا ہے!

تمہارے بھائی جان بڑے اچھے ہیں شاہدہ! ان کے سینے میں ایک ہمدرد دل ہے!

اس دل میں ہمدردی ہی نہیں صرف باجی! آپ کے لئے تو اس میں پیار بھی

انگڑائیاں لے رہا ہے:

ہر ہمدرد دل میں پیار ہوتا ہے! شاہدہ! اب چلو ناشتہ کر لو، خالہ جان انتظار فرما رہی ہوں گی!

جب یہ دونوں سلمیٰ خاتون کے کمرے میں ناشتہ کے لئے پہنچیں تو وہاں خلافِ توقع ثمینہ بھی بیٹھی تھی۔ ثمینہ دراصل شاہدہ ہی کو ملنے آئی تھی۔ لیکن جب اُس نے شاہدہ کو امارہ کے ساتھ پیار بھری گفتگو میں مصروف دیکھا تو چند لمحے وہیں دروازے کی اوٹ میں کھڑی ان کی گفتگو سننے کی کوشش کرتی رہی! اور پھر ان دونوں کے پہنچنے سے پہلے ہی سلمیٰ خاتون کے کمرے میں جا کر بیٹھ گئی۔ چند لمحوں کے بعد شہزاد بھی لباس تبدیل کر کے وہیں پہنچ گیا!

اوہ ــــ ثمینہ باجی! آج صبح سویرے آپ کیسے تشریف لے آئیں شاہدہ نے مُسکرا کر پوچھا!

یونہی شاہدہ! آج کالج جانے کا ارادہ نہیں تھا، یہاں آ گئی!

خوش قسمت! شاہدہ نے مُسکرا کر جواب دیا، اور ناشتہ کرنے میں مصروف ہو گئی شہزاد نے ابھی تک ثمینہ کو بلانے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی! اس کی نگاہیں امارہ کی ہر حرکت کا جائزہ لینے میں مصروف تھیں! ان نگاہوں کی تپش امارہ بھی محسوس کر رہی تھی۔ لیکن اس نے اپنی کسی حرکت سے ظاہر نہیں ہونے دیا، کہ ان خاموش نگاہوں کا پیغام وہ سمجھ رہی ہے!

شاہد — کیا حال ہے تمہاری شاگردہ کی تعلیم کا ؛

بہت اچھا ، بھائی جان ؛ صرف تین دن میں دونوں کتابیں ختم کر لی ہیں اور اب فر فر سنا دیتی ہیں ؛

شاگردہ — کون شاگردہ — ثمینہ نے حیرت سے شاہدہ کیجانب دیکھا ؛

باجی ثمینہ — امارہ باجی نے مجھ سے پڑھنا شروع کیا ہے ؛ تین دنوں میں انہوں نے اردو اور انگلش کی ابتدائی کتابیں ختم کر لی ہیں ؛

اچھا — ثمینہ نے حیرت سے امارہ کیجانب دیکھا ؛

تو کیا یہ ان پڑھ تھیں — ہے

جی ہاں ؛ اگر پڑھی لکھی ہوتیں تو دوبارہ اردو ؛ انگریزی کے قاعدے پڑھانے کی کیا ضرورت تھی ؛

پوور گرل ؛ ثمینہ نے افسوس اور طنز بھرے لہجے میں کہا ؛ اور امارہ نے اپنی نگاہیں جھکا لیں ؛

شاہد — آج دفتر سے آ کر میں تمہاری شاگردہ کا امتحان لوں گا ؛ اگر انہوں نے سبق سنا دیا تو انعام بھی دیا جائے گا ؛ اور نئی کتابیں بھی ؛

ضرور بھائی جان ؛ کتابوں کے متعلق تو میں آپ سے کہنا ہی چاہتی تھی ؛

ثمینہ نے انگریزی میں شہزاد سے کہا ؛

اس جاہل لڑکی کو تعلیم دینے سے کیا فائدہ ہے

یکبارگی شہزاد اور شاہدہ کی نگاہیں امارہ کیجانب اُٹھ گئیں! لیکن امارہ تو اسطرح سر جھکائے ناشتہ میں مصروف تھی، جیسے وہ ان کی گفتگو کا ایک لفظ بھی نہیں سمجھ رہی! شہزاد نے انگریزی ہی میں جواب دیا:

کسی کو تعلیم دینا کوئی بڑی بات تو نہیں! اور آجکل ہر لڑکی کو تعلیم حاصل کرنی چاہیئے!

جی ہاں! وہ تو درست ہے! لیکن اس یتیم لڑکی کو تعلیم دینے سے کیا فائدہ! یہ ہمیشہ تو یہاں رہے گی نہیں

کیوں ہمیشہ کیوں نہیں رہے گی! ؟ شہزاد نے حیرت سے ثمینہ کیجانب دیکھا!

اوہ ـــ تو کیا آپ ہمیشہ کے لئے یہاں رکھنا چاہتے ہیں! ؟

یہ گھر اس کا اپنا گھر ہے ثمینہ! اور اپنے گھر سے کون کہیں جاتا ہے!

ثمینہ خاموش ہو گئی! اور امارہ کی جانب دیکھنے لگی! امارہ ان دونوں کی گفتگو کا ایک ایک لفظ سمجھ رہی تھی! اور ثمینہ کی گفتگو سُن کر اس کے سینے میں جذبات کا طوفان لہرانے لگا تھا! لیکن اس نے بڑی ہی کوشش سے سینے میں سر اٹھانے والے اس طوفان کو دبایا! اور اپنے جھکے ہوئے سر کو پہلے سے بھی زیادہ جھکا لیا! تاکہ اس کے چہرے سے اس کے جذبات کا عکس کوئی دیکھ نہ سکے

ناشتہ کے دوران اس کے بعد ان تینوں میں کوئی گفتگو نہیں ہوئی! شاہدہ دل ہی دل میں ثمینہ کی گفتگو کا بُرا مان کر اس سے روٹھ چکی تھی! اور شہزاد کو خود ثمینہ

کا یہ طرزِ گفتگو پسند نہیں آیا تھا؛ وہ دل ہی دل میں شکر ادا کر رہا تھا کہ امارہ انگریزی نہیں جانتی ورنہ اگر اسے اِس گفتگو کا پتہ چل گیا ہوتا؛ وہ اپنے دل میں کیا سوچتی۔۔۔ یہ

لیکن امارہ

جو ان سب کے سامنے اَن پڑھ اور جاہل تھی؛ وہ ان کی گفتگو کا ایک ایک لفظ سمجھ گئی تھی؛ اور اپنی بے بسی پر دل ہی دل میں آنسو بہا رہی تھی؛ اگر وہ اسطرح کس مپرسی کے عالم میں نہ ہوتی؛ اگر اس کی ماں اسے بے سہارا چھوڑ کر موت کو سینے نہ لگا لیتی؛ اگر اس کا اپنا بھائی نئی نویلی دلہن کی خاطر اسے گھر سے نہ نکال دیتا؛ تو آج اپنے متعلق وہ اس قسم کی گفتگو کبھی برداشت نہ کرتی؛ لیکن تقدیر نے تو اپنا ہر وار اس پر آزمایا تھا؛ اس چھوٹی سی عمر میں ظلم و ستم کے سارے ہی تیر اس کی ذات میں پیوستہ کر دیئے تھے؛ اور ان تیروں سے لہولہان ہونے والی اس کی رُوح پر اب ثمینہ جیسی لڑکیاں اپنی گفتگو سے نمک پاشی کر رہی ہے؛

اس نے جلد جلد ناشتہ زہر مار کیا اور اپنے کمرے میں جا کر پلنگ پر دراز ہو گئی اور پھر کوشش کے باوجود اپنے آنسوؤں کے سیلاب کو روک نہ سکی؛

اور دوپہر کے وقت جب شہزاد اپنے دفتر سے واپس آیا؛ اور اپنے کمرے میں لباس تبدیل کرنے کے بعد ہنستا مسکراتا ہوا امارہ کا امتحان لینے کے لئے شاہد کے کمرے میں پہنچا تو آنسوؤں کا یہ سیلاب اس وقت بھی بہہ رہا تھا؛ گو اس سیلاب کی شدت ختم ہو چکی تھی؛ تاہم امارہ کی پلکوں میں اٹکنے والے آنسو اب بھی گواہی دے

رہے تھے کہ چند لمحے پیشتر یہ بڑی روانی سے بہتے رہے ہیں؛ اس کی آنکھیں سرخ ہو چکی تھیں؛ سر کے بال الجھے ہوئے تھے؛ اور دونوں رخسار آنسوؤں کی وجہ سے تمتما رہے تھے؛ شہزاد نے کمرے میں قدم رکھتے ہی شاہدہ کو آواز دی لیکن دوسرے ہی لمحے امارہ کی یہ حالت دیکھ کر وہ ٹھٹک گیا؛

اوہ — آپ رو کیوں رہی ہیں امارہ؛

امارہ جو اس کے قدموں کی چاپ سن کر پلنگ پر بیٹھ گئی تھی؛ اپنے سر کے الجھے ہوئے بال درست کرکے دوپٹہ اوڑھنے لگی اور شہزاد کمرے کے درمیان خاموش کھڑا اسے دیکھتا رہا؛

آپ نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا؛ امارہ

امارہ نے دوپٹہ کے پلو سے اپنی پلکوں سے گرنے والے آنسوؤں کے چند قطرے خشک کئے اور پھر سر جھکا کر فرش کی جانب دیکھنے لگی؛

کیا آپ سے کسی نے کچھ کہا ہے؛ — شہزاد نے دوبارہ پریشانی کے عالم میں پوچھا

جی نہیں — امارہ نے آہستہ سے جواب دیا؛

تو پھر آپ رو کیوں رہی تھیں؛ شہزاد نے بڑی بے تابی سے پوچھا؛

یونہی — امارہ نے پلکیں اٹھا کر شہزاد کی جانب دیکھا؛ اور مختصر سا جواب دے کر پھر نگاہیں جھکا لیں؛

امارہ — میں آپ کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ یہ گھر آپ کا اپنا گھر ہے؛ اس گھر کی

ہر چیز پر آپ کو اتنا ہی حق حاصل ہے جتنا کہ کسی دوسرے فرد کو۔ اگر آپ کی کسی نے دل آزاری کی ہے تو مجھے بتایئے۔ آپ دیکھ لیں گی کہ میں آپ کی توہین کا کس طرح انتقام لیتا ہوں۔

جی نہیں، میری کسی نے دل آزاری نہیں کی۔

تو پھر آپ رو کیوں رہی تھیں

رونا تو اب مقدر بن چکا ہے میرا۔ امارہ نے آہستہ سے جواب دیا۔

نہیں امارہ غلط سوچ کو اپنے ذہن میں نہ آنے دو۔ رونا تمہارا مقدر نہیں ہو سکتا۔ تمہاری پلکیں آنسوؤں کا بوجھ اٹھانے کے لئے نہیں بنیں امارہ۔ ان آنسوؤں کو خشک کر لو۔ اور وعدہ کرو کہ آئندہ تم کبھی انہیں آنسوؤں سے تر نہیں ہونے دو گی۔

اب آنسو ہی تو زندگی کا سہارا رہ گئے ہیں۔ کیا آپ میرا یہ آخری سہارا بھی چھیننا چاہتے ہیں۔ امارہ نے اپنی پلکوں کے آنسو خشک کرتے ہوئے شہزاد کی جانب دیکھا۔

آنسو تو بڑا کمزور سہارا ہے امارہ۔ اگر تمہیں سہاروں کی تلاش ہے۔ تو کوئی مضبوط سہارا تلاش کرو۔ آنسو کی پناہ لینے والے تو خاک میں مل جایا کرتے ہیں۔

مضبوط سہارے کہاں ملتے ہیں اس دنیا میں ــــــ امارہ نے بڑی بے بسی سے شہزاد کی جانب دیکھا۔ اور پاؤں کے انگوٹھے سے پختہ فرش کریدنے لگی۔

مضبوط سہارے ــــــ شہزاد نے امارہ کی جانب دیکھ کر آہستہ سے دہرایا۔

اور پھر خاموش ہو گیا۔

اس کا دل چاہا کہ وہ آگے بڑھ کر امارہ کا ہاتھ پکڑ لے اور اسے یقین دلائے، کہ امارہ ــــ میں ہوں تمہارا سہارا ــــ میرا بازو بڑا ہی مضبوط ہے۔ اسے اپنی پوری قوت سے تھام لو۔ اور پھر دیکھو کہ میں تمہیں آنسوؤں کی اس دنیا سے کیسے نکال کر ہنستی مسکراتی بہاروں میں لے جاتا ہوں۔ میری ذات پہ بھروسہ رکھو امارہ ــــ میں تمہاری ان گھنی پلکوں کی ٹھنڈی چھاؤں میں ساری زندگی گذار دینے کا تہیہ کر چکا ہوں۔ تمہیں ان پلکوں پر آنسوؤں کے موتی ٹانکنے کی ضرورت ہے امارہ۔ ان پلکوں پر تو خوشیوں کے دیپ روشن کرو۔ یہاں تو مسکراہٹوں کی پریاں ناچنی چاہئیں۔ ان پلکوں نے تو میری روح کو اس وقت لہو لہان کر دیا تھا۔ جب تم دورانِ سفر دیہاتی عورتوں کو عجیب و غریب نسخے بتا رہی تھیں جب تم ایک جنکشن پر ٹھنڈی ہوائیں تلاش کر رہی تھیں۔ او امارہ یہ ٹھنڈی ہوائیں ریلوے سٹیشنوں پہ تو فروخت نہیں ہوا کرتیں۔ یہ ٹھنڈی ہوائیں تو دل کی دنیا میں مفت تقسیم ہوا کرتی ہیں۔ آؤ میرے قریب امارہ۔ میرے دل کی دنیا میں ایک بار جھانک کر دیکھو۔ پھر نہ تمہاری پلکوں پر کبھی آنسوؤں کے موتی جگمگائیں گے اور نہ تمہیں ریلوے سٹیشنوں پہ ٹھنڈی ہواؤں کی ضرورت محسوس ہو گی ــــ لیکن وہ کچھ بھی نہ کہہ سکا۔ چند لمحے وہ بڑے ہی غور سے قدرت کے اس حسین و جمیل شاہکار کو دیکھتا رہا۔ اور پھر باہر کی جانب قدم اٹھانے لگا۔ دروازے میں پہنچ کر وہ ایک لمحہ کے لئے رکا۔ اس نے پیچھے مڑ کر امارہ کی جانب دیکھا۔ امارہ اس کی جانب نگاہیں اٹھا

کر دیکھ رہی تھی، شہزاد کہنے لگا،

امارہ ـــــ تمہیں سہارا تلاش کرنے کی کیا ضرورت ہے، سہارے تو تمہیں تلاش کر رہے تھے!

امارہ بڑی حیرت سے اس کیجانب دیکھنے لگی، لیکن شہزاد کمرے سے باہر نکل کر اپنے کمرے کیجانب روانہ ہو گیا: سہارے مجھے تلاش کر رہے تھے کیا مطلب ـــــ امارہ نے دل میں سوچا، سہارے مجھے تلاش کر رہے تھے! وہ سوچتی رہی اور پھر غسل خانے کیجانب قدم بڑھانے لگی، تاکہ اپنے چہرے پر آنسوؤں کے آخری نشان کو بھی زائل کر سکے:

اور جب وہ غسل خانے سے اپنے آنسوؤں کے سارے نشان مٹا کر دوبارہ کمرے میں واپس آئی تو شاہدہ اپنی کتابیں میز پر پھینک کر اس سے لپٹ گئی:

باجی ـــــ

امارہ شاہدہ کیجانب دیکھ کر مسکرانے لگی،

باجی ـــ مجھے بھائی جان نے بتایا تھا کہ جب وہ آپ کا امتحان لینے آئے تو آپ رو رہی تھیں:

کیوں باجی ـــ آپ رو کیوں رہی تھیں:

امتحان سے ڈر گئی تھی! شاہدہ، اگر میں فیل ہو جاتی تو ـــــ بے

سچ باجی ـــــ نہیں: شاہدہ نے خود ہی سوال کیا، اور پھر خود ہی جواب

نے کرامارہ کی نگاہوں میں نگاہیں ڈال کر بڑے غور سے اسے دیکھنے لگی :

ہاں شاہدہ ! میں یہ سوچ رہی تھی ! کہ اگر میں امتحان میں کامیاب نہ ہو سکی تو پھر میری استانی کی بدنامی ہوگی ! اور مجھے شرمندہ ہونا پڑے گا ! اسی خوف سے میرے آنسو نکل آئے اور جب میں آنسو بہا رہی تھی تو بھائی جان آ گئے ۔

شاہدہ چند لمحے اس کیجانب دیکھتی رہی ! جیسے سوچ رہی ہو کہ اپنی باجی کے اس خوف پر یقین کرے یا نہ کرے ! اور ابھی وہ کوئی فیصلہ نہیں کر پائی تھی ! کہ امارہ نے پوچھا :

شاہدہ ۔۔۔ میں نے کبھی امتحان نہیں دیا ، اگر میں فیل ہو گئی تو کیا ہو گا :

آپ فیل نہیں ہو سکتیں ! باجی ! آپ کو تو دونوں کتابیں یاد ہیں :

یاد تو ہیں شاہدہ ! لیکن گبھراہٹ میں اگر ڈاک معنے رڈ کا کہہ گئی تو کیا ہو گا :

کچھ بھی نہیں ہو گا ! میں بھائی جان سے کہہ دوں گی کہ باجی جان بوجھ کر غلط بتا رہی ہیں : آؤ باجی پہلے کھانا کھا لیں ! اس کے بعد امتحان کی باتیں ہوں گی :

امتحان کی باتیں ۔۔۔ امارہ مسکرائی اور شاہدہ کے ساتھ باورچی خانے کیجانب قدم اٹھانے لگی ! اور جب کھانے سے فراغت حاصل کرنے کے بعد دونوں لڑکیاں اپنے کمرے میں واپس پہنچیں تو شہزاد کے علاوہ ثمینہ بھی وہاں امارہ کی تعلیم دیکھنے پہنچ چکی تھی ! آج صبح ناشتے پر شہزاد نے سب ہی کے سامنے امتحان لینے کا کہا تھا ! اور ثمینہ بھی اس وقت وہیں موجود تھی ! لہذا وہ دیکھنا چاہتی تھی کہ شہزاد کیسے امتحان لیتا

ہے؟ کیا انعام دیتا ہے؟ اور امارہ اس انعام کو کن جذبات سے قبول کرتی ہے؟

اور امارہ نے جب ثمینہ کو اپنے کمرے میں دیکھا تو وہ ٹھٹک گئی؟

ثمینہ ہی کی گفتگو سن کر صبح سے اس وقت تک آنسو بہاتی رہی تھی؟ وہ سوچنے لگی کہ اگر ثمینہ نے دوبارہ کوئی ایسی بات کہہ دی تو وہ کیسے برداشت کر سکے گی؟ کیا وہ ان سب کے سامنے اپنے آنسوؤں کے سیلاب کو کیسے روک سکے گی؟ کیا ثمینہ محض اس لئے آتی ہے کہ اسے آنسوؤں کے سپرد کر کے چلی جایا کرے؟

کیا سوچ رہی ہیں باجی ——

شاہدہ کی آواز سن کر وہ چونک گئی۔ اور مسکرا کر کہنے لگی؟

نہیں؟ کچھ بھی تو نہیں؟

ثمینہ باجی —— آج آپ کو ایک دلچسپ بات بتاؤں؟ شاہدہ نے مسکرا کر ثمینہ کی جانب دیکھا؟

کیا؟ ——

امارہ باجی آج محض اس لئے رو رہی ہیں کہ اگر امتحان میں فیل ہو گئیں تو کیا ہوگا؟

اوہ —— بس اتنی سی بات پہ رو رہی تھی کیا —— ثمینہ نے طنزیہ انداز میں پوچھا؟

جی ہاں —— چند لمحے پیشتر جب میں اس کمرے میں آیا تھا تو امارہ رو رہی تھیں؟ شہزاد نے مسکرا کر امارہ کی جانب دیکھا؟

خوب امتحان کے خوف سے آنسو بہانا تو آپ ہی کا حصہ ہے۔ اتنی عمر ہو گئی مطلب ہے

ہوتے ؛ ہمارے آنسو آج تک نکلے نہیں ؛

خدا آپ کو آنسوؤں سے محفوظ رکھے ثمینہ باجی ۔۔۔ امارہ نے مسکرا کر ثمینہ کو جواب دیا ؛ اور پھر اپنی دونوں کتابیں لے کر بیٹھ گئی ۔ شہزاد نے ثمینہ سے کہا ؛

بھئی ثمینہ ؛ تم امتحان لے لو امارہ کا ؛ ایسا نہ ہو کہ مجھ سے ڈر کر یہ پھر آنسو بہانے لگے ؛

ثمینہ نے امارہ سے دونوں کتابیں پکڑ لیں ؛ اور امارہ نے بڑی شوخ نگاہوں سے شہزاد کی جانب دیکھا ؛ اور پھر نگاہیں جھکا لیں ؛

ثمینہ نے شروع سے آخر تک دونوں کتابیں امارہ سے سن لیں ؛ بار بار مغالطہ دیکر حروف پوچھے ؛ ان کے ہجے دریافت کیے ؛ انہیں کاپی پر لکھوا کر دیکھا ؛ لیکن ہر بار امارہ کامیاب ہوتی رہی ؛ اور آخر تنگ آ کر ثمینہ نے کتابیں رکھ دیں ؛

تمہاری شاگردہ پاس ہے شاہدہ ۔۔۔ ثمینہ نے مسکرا کر کہا ؛ اور شاہدہ نے اپنی شاگردہ کے گلے میں دونوں بازو ڈال کر اس کی پیشانی چوم لی ؛

میری شاگرد کیسے فیل ہو سکتی ہے ؛

ہاں فیل تو نہیں ہو سکتی ؛ لیکن آنسو بہا سکتی ہے ؛ شہزاد نے مسکرا کر کہا اور امارہ ایسی نظروں سے شہزاد کی جانب دیکھنے لگی جن میں گلہ بھی تھا اور شکوہ بھی ؛

یہ لو بھئی تمہاری شاگردہ کا انعام ۔۔۔ شہزاد نے اپنی جیب سے ایک خوبصورت مخملی ڈبیہ نکالی ؛ شاہدہ نے جب اس ڈبیہ کو کھولا تو اس میں دو بڑے ہی حسین

ٹاپس چمک رہے تھے!

اوہ ــــ اتنے پیارے ٹاپس

شاہد نے جلدی سے وہ ٹاپس امارہ کے کانوں میں ڈال دیئے، شہزاد مسکراتا ہوا باہر نکل گیا! اور ثمینہ ایسی نگاہوں سے امارہ کیجانب دیکھنے لگی، جن میں حسد بھی تھا، اور نفرت بھی!

رات کے وقت ثمینہ، سمیلہ اور ان کی امّی فضیلت صحن میں چارپائیاں بچھائے لیٹی تھیں، ان کے ابا شکور صاحب حسب عادت رات کا کھانا کھا کر کمرے میں پنکھا لگائے ریڈیو سے خبریں سن رہے تھے۔ اور یہ تینوں ماں بیٹیاں حسب عادت سونے سے پیشتر محلہ بھر کے "تازہ واقعات" پر تبصرہ کر رہی تھیں کہ اچانک ثمینہ کے ذہن میں ادارہ کو انعام میں دیئے گئے ٹاپس ناچنے لگے، وہ چند لمحے کچھ

سوچتی رہی: پھر اپنی امّی سے کہنے لگی:
امّی جان؛
جی بیٹی:
ایک نئی خبر سناؤں امّی جان آپ کو: بالکل نئی اور تازہ خبر:
کیسی خبر بیٹی؛
چچی جان کے ہاں وہ ایک یتیم لڑکی ہے نا! کیا نام ہے اس کا: لمارہ
ہاں: ہاں: وہی جو تمہاری چچی کے ساتھ کراچی سے آئی تھی؛
ہاں امّی جان وہی:
کیا ہوا اُسے بیٹی۔
آج اُسے انعام ملا ہے: امّی جان
انعام؛ کیسا انعام؛ ہے
اس نے اردو اور انگریزی کی ابتدائی کتابیں ختم کی ہیں: امّی جان: آج میں نے اس کا امتحان لیا؛
شہزاد صاحب نے اُسے انعام دیا تھا: امّی جان؛
کیا انعام دیا تھا بیٹی؛
بڑے ہی خوبصورت ٹاپس تھے: امّی جان: میں تو دیکھتی ہی رہ گئی: ہمارے لئے تو کبھی ایسی کوئی چیز نہیں لائے اور اس کل کی چھوکری کے لئے تحائف

بھی آنے شروع ہو گئے ہیں؛

باجی ـــــ سجیلہ نے ثمینہ کو پکارا؛

کیا بات ہے؛

باجی ـــــ کیا امارہ باجی اَن پڑھ تھی؛

بالکل؛ جاہل ہے سجیلہ؛ بالکل جاہل؛

وہ؛ دکھائی تو ایسی نہیں دیتی؛ بڑی تہذیب سے گفتگو کرتی ہے؛

بڑے گھرانوں کی نوکرانیاں مہذب ہی ہوتی ہیں سجیلہ؛ ثمینہ نے بڑی نفرت سے کہا؛

تو کیا یہ کسی بڑے گھرانے میں ملازمہ تھی؛

ملازمہ نہیں ہو گی تو اور کیا ہو گی؛ گھر کے مالکوں سے گفتگو کا انداز سیکھ گئی

چلو اچھا ہے باجی؛ اگر امارہ باجی پڑھ جائے گی تو مستقبل میں کام آئے گی یہ تعلیم

مستقبل میں اس کے کیا کام آئے گی؛ کسی ملازم پیشہ سے شادی ہو جائے گی اور ساری عمر خدمت کرتے کرتے بسر کرلے گی؛

نہیں باجی ـــــ سچی بات تو یہ ہے کہ امارہ باجی اتنی خوبصورت اور اتنی نازک ہے کہ نہ وہ کسی کی ملازمہ رہی ہو گی؛ اور نہ وہ کسی ملازم سے شادی کرائے گی؛

ملازم پیشہ سے شادی نہیں کرائے گی تو اور کیا اس کے لئے پی سی ایس آفیسر تلاش کیا جائے گا؛

ثمینہ نے سبحیلہ کو بڑے رُوکھے پن سے جواب دیا؛ اور سبحیلہ جو اپنی بڑی بہن کی فطرت سے خوب واقف تھی؛ خاموش ہو کر دل ہی دل میں ارادہ کے متعلق سوچنے لگی؛

بیٹی ـــــ شہزاد بیٹے نے ٹالیں کیوں دیئے؛ فضیلت نے ثمینہ سے پوچھا

امّی جان؛ جب اس چھوکری نے دونوں کتابیں فرفر سنا دیں تو شہزاد صاحب کی خوشیاں تو دیکھنے کے قابل تھیں؛ ایسا محسوس ہوتا تھا؛ جیسے اس امتحان میں امارہ نہیں بلکہ وہ خود پاس ہوئے ہیں؛ آج شام کو اس کے لیے نئی کتابیں بھی آگئی ہوں گی؛

اور وہ کپڑے بھی تو شہزاد نے ہی لا کر دیئے تھے؛

اور کون لایا ہو گا اس کے لیئے؛ آجکل شہزاد صاحب ہی اس کی خدمت کر رہے ہیں؛ اور امی جان؛ وہ چھوکری بھی بڑی جہاندیدہ ہے؛ ایسی ایسی نگاہوں سے دیکھتی ہے کہ کسی شریف لڑکی سے آپ توقع ہی نہیں کر سکتیں

بیٹی؛ فضیلت نے اپنی آواز پہلے سے مدہم کر لی؛ اور سرگوشیوں کا انداز اختیار کر لیا

جی امّی جان؛ ثمینہ نے اسی لہجے میں جواب دیا؛

بیٹی ـــــ تم روزانہ کم از کم دو تین بار اُدھر ضرور جایا کرو؛ اس یتیم لڑکی میں شہزاد کی زیادہ دلچسپی کوئی اچھی بات نہیں؛

میں اسی لیئے تو آج دو مرتبہ گئی تھی؛ امّی جان؛ لیکن اس کی موجودگی میں شہزاد صاحب میری جانب تو توجہ ہی نہیں دیتے؛ ان کی نگاہیں تو ہر وقت اسی چھوکری کی حرکات کا جائزہ لیتی رہتی ہیں؛

کیوں بیٹی؛ اگر امارہ کی شادی اپنے ملازم دین محمد سے کر دی جائے تو کیسا رہیگا:

دین محمد ــــ اچانک جمیلہ اپنے پلنگ سے سر اٹھا کر اپنی امّی کی جانب دیکھنے لگی

یہ آپ کیا فرما رہی ہیں امّی جان؛ دین محمد اور امارہ باجی کیا جوڑ؛

کیوں دین محمد میں کیا برائی ہے؛ کیا وہ انسان نہیں؛ یا مسلمان نہیں۔ اس کی امّی نے اپنی چھوٹی بیٹی کی جانب دیکھتے ہوئے کہا؛

دین محمد ویسے تو انسان بھی ہے اور مسلمان بھی؛ لیکن اس کی عمر تو امّی جان امارہ باجی کے باپ کے بھی برابر ہوگی؛ رنگ سیاہ ہے؛ ایک آنکھ غائب ہے؛ اور پھر اس کے دو تین بچے بھی ہیں؛ اور اس کے مقابلے میں امارہ باجی کو دیکھئے؛ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہاتھ لگنے میں میلی ہو جائے گی۔ یہ کوئی جوڑ نہیں امّی جان؛

امّی جان؛ اس جمیلہ رانی کی تو ہر منطق الٹی ہوتی ہے؛ کیا دین محمد زیادہ بوڑھا ہے چالیس پینتالیس سال ہی تو عمر ہے؛ اور بچوں کی ماں فوت ہو چکی ہے یتیم بچوں کا درد ایک یتیم لڑکی کو ہی ہو سکتا ہے امّی جان؛ امارہ خود بھی یتیم ہے؛ ان یتیموں کا بڑا خیال رکھے گی؛ میں تو کہتی ہوں امّی جان کہ آپ کوشش کر کے یہ کام ضرور کرا دیں؛ بڑا ثواب ہوگا آپ کو؛ ثمینہ نے اپنی امّی کو مشورہ دیا؛

واہ واہ؛ جواب نہیں باجی آپ کے اس مشورے کا؛ اتنا زیادہ ثواب ہوگا امّی جان کو کہ آسمان پر انسانیت کی روح بھی کانپ جائے گی؛ جمیلہ نے بڑی طنز سے ثمینہ کی طرف دیکھا؛ اور تکیہ پر سر رکھ کر لیٹ گئی؛

کیوں ــــ یتیم بچی کا بیاہ کرنا ثواب نہیں تو کیا گناہ ہے: ثمینہ نے پوچھا:

یتیم بچی کا گلا گھونٹ کر مار دیا تو اس سے بھی زیادہ ثواب ہے: باجی تاکہ آئندہ زندگی میں وہ کسی کی دستِ نگر بننے سے بچ جائے: کیا خیال ہے آپ کا: شکیلہ نے ترکی بہ ترکی جواب دیا: اور اپنی باجی اور امّی کے منصوبوں کو ناکام بنانے کیلئے دل ہی دل میں تجویزیں سوچنے لگی:

سو جاؤ بیٹی: تم دونوں تو آپس میں یوں جھگڑا کر رہی ہو: جیسے میں ابھی اسے دین محمد کے حوالے کر دوں گی: بھئی میں تو سگے بہن سے ہی کہہ سکتی ہوں: بیاہ کرنا نہ کرنا تو ان کے اختیار میں ہے:

اگر ان کے اختیار میں ہے امّی جان! تو پھر یہ شادی نہیں ہو گی: ثمینہ نے افسردہ سے لہجے میں کہا:

کیوں ــــ اس کی امّی نے تشویش بھری نگاہوں سے اسے دیکھ کر پوچھا:

وہ سارا گھر تو اس کے پسینے پر خون بہانے کو تیار ہے: امی جان: چچی جان اسے بیٹی بیٹی کہتے نہیں تھکتیں:

شاہدہ کا یہ حال ہے کہ بات بات پر اس کے گلے سے جھول جاتی ہے: چچا جان کا تو خیر ذکر ہی چھوڑیئے: ویسے مجھے پتہ چلا ہے کہ نئے جوڑے سب چچا جان نے ہی سلوا کر دیئے ہیں

باقی رہ گئے: آپ کے خاموش اور تنہائی پسند شہزاد صاحب: اب ان کی خاموشیاں ٹوٹ چکی ہیں اور تنہائیاں آباد ہو گئی ہیں: عارف آئے گا: تو اس کو بھی دیکھ لیں گے: کہ وہ کیسا رویہ اختیار کرتا ہے:

میں بتاؤں عارف بھیا کیسا رویہ اختیار کریں گے: ہے سجیلہ نے پھر تکیہ سے سر اٹھا کر کہا:

بتاؤ — ثمینہ نے پوچھا:

وہ ان سب سے زیادہ پیار کریں گے: امارہ باجی کے ساتھ:

ہاں: اس کی فطرت ہی ایسی ہے: ان کی امی نے فیصلہ صادر کیا: اور پھر کروٹ بدل کر لیٹ گئیں: دونوں لڑکیاں بھی اپنے اپنے افکار و خیالات کو سینے سے لگائے آہستہ آہستہ نیند کی خوشگوار وادیوں میں پہنچ گئیں:

لیکن

فضیلت بی بی کو ساری رات نیند نہ آسکی: وہ ساری رات کروٹیں بدلتی رہی: اور سوچتی رہی کہ اس کی بیٹی کی راہ میں قدرت نے جو یہ حسین اور خوبصورت کانٹا کھڑا کر دیا ہے: اسے کیسے دور کیا جائے: شہزاد کی توجہ کس طرح دوبارہ ثمینہ کی جانب مبذول کرائی جائے: شہزاد کے ذہن پر آہستہ آہستہ امارہ کے حسن کا جو جادو چل رہا ہے۔ اس جادو کے اثر کو کیسے دور کیا جائے: کون سی چال چلی جائے: کہ گھر کے سارے افراد امارہ سے پیار کرنے کی بجائے نفرت کرنے لگیں: امارہ کو ان کی نگاہوں سے گرانے کے لئے

کون سا قدم اٹھایا جائے: رات کے اندھیرے بھاگتے رہے: اور فضیلت اپنے پلنگ پر دراز تفکرات کے ہجوم میں گھری ساری رات کروٹیں بدلتی رہی: سوچتی رہی: یکے بعد دیگرے کتنے ہی راستے اسے منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے دکھائی دیئے اور اس نے یکے بعد دیگرے ہر راہ پر قدم اٹھانے کا فیصلہ کر لیا:

دوسرے دن:

جب شہزاد اپنے دفتر چلا گیا: شاہدہ: ثمینہ اور سجیلہ کالج اور سکول چلی گئیں اور جب امارہ گھر کے ضروری کام کاج سے فراغت حاصل کر کے اپنی خالہ سلمیٰ خاتون کے کمرے میں بیٹھ کر حسب عادت ان کے کام میں مصروف ہو گئی: تو فضیلت بی بی بھی درمیانی دیوار کا دروازہ کھول کر انہی کے کمرے میں آ گئی: سلمیٰ خاتون اپنے دیور کی بیوی کو دیکھ کر مسکرانے لگیں:

اری بہن ــــ تم تو قریب رہتے ہوئے بھی عید کا چاند بن گئی ہو:

کیا بتاؤں سلمیٰ بہن: گھر کے کام ہی ایسے ہیں کہ ایک بار ان میں الجھ کر سارے دن کی فراغت غائب ہو جاتی ہے: کئی دنوں سے سوچ رہی تھی کہ کسی دن جاؤں گی بس سوچتے سوچتے یہ دن آ گیا:

ہاں بہن ــــ گھر کے کام ایسے ہی ہوتے ہیں: کہ انسان ان میں پھنسا ہی رہتا ہے: سلمیٰ خاتون نے مسکرا کر جواب دیا: اور فضیلت کو اپنے قریب پلنگ پر بٹھا کر امارہ سے کہنے لگیں:

امارہ بیٹی ___ جاؤ اپنی خالہ کے لیئے شربت کا گلاس لے آؤ:

نہیں بہن! شربت کی ضرورت نہیں! یہ دو قدم سے تو آئی ہوں! بیٹھو بیٹی بیٹھو:

فضیلت نے زبردستی امارہ کو اپنے پاس بٹھا لیا! اور پھر اس کے سر پر بڑے ہی پیار سے ہاتھ پھیر کر کہنے لگی:

ہائے بے چاری یتیم بچی! سلمٰی بہن! خدا شاہد ہے! جب بھی امارہ کے متعلق میں سوچتی ہوں! تو راتوں کی نیند غائب ہو جاتی ہے! باپ بچپن میں فوت ہو گیا! ماں کا سہارا تھا! وہ اب چلی گئی۔ خدا کے رازیں میں کس کو دخل ہے! بہن

فضیلت بی بی آنکھوں میں آنسو بھر کر دوپٹے کے پلو سے انہیں خشک کرنے لگی

ہاں بہن ___ خدا کے کاموں میں کس کو دخل ہے! لیکن ہر حالت میں اس کا شکر ادا کرنا چاہیئے:

فضیلت بی بی امارہ کو دوبارہ پیار کرنے لگی: اور پھر بڑے ہی رازدارانہ انداز میں سلمٰی خاتون سے کہنے لگی!

بہن! سچ پوچھو تو یتیم بچی کی جوانی کسی عذاب سے کم نہیں! میں جب امارہ بیٹی کے مستقبل کے متعلق سوچتی ہوں! تو پہروں سوچتی ہی رہ جاتی ہوں: میں تو تمہیں مشورہ دوں گی بہن! کوئی اچھی جگہ دیکھ کر بیٹی امارہ کے ہاتھ پیلے کر دو!

امارہ نے اپنا سر جھکا لیا! وہ کھسک کر اپنی کرسی پہ پہنچ گئی: اور پھر وہاں سے کوئی بہانہ تلاش کر کے اٹھی اور کمرے سے باہر نکل گئی: فضیلت بڑے غور سے اسے

باہر جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔ اور جب پردے کی اوٹ میں گم ہو گئی تو سلمیٰ خاتون نے سرگوشی کرنے لگی؛

بہن میرا خیال ہے کہ بیٹی جوان جہان ہے۔ جلد از جلد اس کے لئے کہیں ٹھکانا تلاش کر دو۔ زمانہ بڑا نازک ہے۔ غیر اولاد کو کب تک سینے سے لگا رکھو گی؛

ہاں بہن —— بات تو درست ہے۔ میں بھی اکثر سوچتی ہوں۔ شہزاد کے ابّو سے بھی میں نے ذکر کیا تھا۔ وہ بھی کسی اچھے لڑکے کی تلاش میں ہیں۔ جب کوئی شریف گھرانہ مل گیا تو اس کے دو بول پڑھا دیں گے؛

لو بہن —— شریف لڑکوں کی کوئی کمی ہے۔ شام سے پہلے پہلے درجن بھر لڑکے تلاش کر سکتی ہوں؛ اور پھر اس کے لئے ہمیں کون سا تردد کرنا پڑے گا۔ اَن پڑھ لڑکی کو کوئی اعلےٰ افسر تو ملنے سے رہا۔ ملازم پیشہ ہی میں دیکھنا پڑے گا؛

ہاں بہن —— ماشاءاللہ بیٹی بڑی نیک؛ بڑی خوبصورت اور بڑی ہی ہنس مکھ لڑکی ہے۔ لیکن خدا جانے اس کی امی نے اسے تعلیم کیوں نہیں دلائی۔ اگر دس بارہ جماعتیں پڑھی ہوئی ہوتی تو اچھے سے اچھا رشتہ مل سکتا تھا۔ اس کے لئے۔ خیر —— اب بھی کوئی ہرج نہیں۔ شہزاد اور شاہدہ اسے پڑھا رہے ہیں۔ انشاءاللہ سال دو سال تک کچھ تو پڑھ لکھ ہی لے گی؛

نہ بہن —— میں تو اس کے حق میں نہیں ہوں۔ کہ جوان لڑکی کو تم دو سال اپنے گھر میں بٹھائے تعلیم دیتی رہو۔ اگر اپنی بیٹی ہوتی تو کوئی ہرج نہیں تھا۔ بیگانوں کی اولاد

ہے! اگر خدانخواستہ کل کوئی ایسی بات ہوگئی تو کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے! میں تو یہی مشورہ دوں گی! بہن کہ جلد از جلد اس کے لیئے کوئی گھر تلاش کرو!

اچھا گھر تو بڑی ہی مشکل سے ملتا ہے! بہن اگر تمہاری نظروں میں کوئی ہو تو بتا دینا! میں شہزاد کے ابو سے مشورہ کروں گی!

میرا تو خیال ہے! بہن کہ اسے اپنے ہی گھروں میں ہمیشہ کے لیئے رکھ لیا جائے ایک تو ہر وقت نظروں کے سامنے رہے گی! دوسرے باہر کہیں رشتہ تلاش کرنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں ہوگی!

کیا مطلب بہن! میں سمجھی نہیں —— سلطے خاتون نے حیرت سے فضیلت کی جانب دیکھا!

بہن —— ہمارے ہاں دین محمد کو تو تم جانتی ہی ہو! بچپن ہی سے اس گھر کی خدمت کر رہا ہے! اس کی شرافت کی ضمانت تو میں بھی دے سکتی ہوں! اس کی بیوی مر چکی ہے! یتیم بچوں کو ایک ایسی ماں کی ضرورت ہے! جو یتیمی کے داغ سے واقف ہو! میرا خیال ہے کہ اگر امارہ کی شادی دین محمد سے کر دی جائے! تو بڑا ہی ثواب کماؤ گی! یتیم بچے ساری عمر دعائیں دیں گے!

کیا —— سلطے خاتون نے بڑی حیرت سے فضیلت کیجانب دیکھا! چند لمحے تو اس کی زبان سے حیرت کے عالم میں ایک لفظ بھی نہ نکل سکا! اور پھر جب اس کی حیرت دور ہوئی! تو مسکرا کر فضیلت سے کہنے لگیں!

دین محمد —— یعنی وہی دین محمد جو تمہارے ہاں ملازم ہے؟

ہاں بہن اسی کی تو بات کر رہی ہوں۔ اور کون ہے دین محمد؟

یعنی اس بوڑھے کھوسٹ سے میں امارہ بیٹی کی شادی کر دوں؟

تو بہن کیسی باتیں کر رہی ہو! کیا وہ بوڑھا ہے۔ چالیس سال کی عمر میں کون بوڑھا ہوتا ہے؟

نہ بہن! میں تو اس کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتی؟ کہاں میری امارہ بیٹی چندے آفتاب، چندے ماہتاب! اتنی خوبصورت کہ ہاتھ لگانے سے میلی ہو! اتنی پیاری کہ انسان اسے دیکھتا رہ جائے! اتنی شریف اور نیک کہ فرشتے اس کی پاکیزگی اور شرافت کی قسم کھائیں! اور کہاں یہ موا دین محمد! ساری ساری رات کھانس کر نیند حرام کرنے والا چالیس، پینتالیس سالہ بوڑھا کھوسٹ! کالا سیاہ رنگ! یک چشم گل! دو قدم چلے تو ایک گھنٹہ سانس درست کرتا ہے! قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھا ہے! آج مرا کل دوسرا دن! میں اپنی چاند سی بیٹی کو اس کالے دیو کے سپرد کیوں کر دوں؟ بہن —— یتیم بچی کو دین محمد کے سپرد کر کے میں خدا کو کیا جواب دوں گی —— نہ بہن —— میں تو امارہ بیٹی کے لئے چاند سا دولہا ہی تلاش کروں گی؟ یہ موا میری امارہ کے لئے ہی رہ گیا ہے؟

واہ بہن —— تم نے تو ایسے بُرا مان لیا! جیسے میں دین محمد کے سہرا باندھ کر اسے لے ہی تو آئی ہوں؟

میں نے تو ایک تجویز پیش کی تھی، کہ لڑکی گھر میں ہی رہ جائے گی؛ اس کے دکھ درد میں ہم ہر وقت شریک ہو سکیں گے؛ ہماری آنکھوں کے سامنے رہے گی اور ثبین محمد دن رات اس کی خدمت کرے گا؛ اگر تمہیں نہیں منظور تو نہ سہی؛ پھر بھی اس بات پر غور ضرور کرنا؛ بہن اور بھائی جان سے بھی مشورہ لے لینا؛ ممکن ہے وہ صحیح مشورہ دے سکیں؛

سلمیٰ خاتون کو فضیلت کا مشورہ سن کر سخت غصہ آیا تھا؛ لیکن وہ بڑی جہاندیدہ خاتون تھی؛ بڑے ہی حوصلے سے ضبط کر گئی؛ اور اپنے چہرے سے اپنے ذہن کے سارے عکس مٹا کر مسکرانے لگی؛

اچھا بہن —— میں ان سے مشورہ کروں گی؛

ہاں یہی تو میں کہتی ہوں بہن؛ امارہ کے لئے اس سے اچھا رشتہ ہیں اور کہاں مل سکے گا؛

رات سوتے وقت میں نے ثبینہ سے ذکر کیا تھا؛ وہ بے چاری بھی ہر وقت امارہ کے غم میں دبلی ہو رہی ہے؛ میرا مشورہ سن کر بہت خوش ہوئی تھی؛ بلکہ اسی کے اصرار سے میں آج تمہارے پاس آئی ہوں؛ بہن میرا خیال ہے کہ بھائی صاحب سنیں گے تو وہ بھی خوش ہوں گے؛

اچھا بہن دیکھوں گی —— سلمیٰ خاتون نے قدرے روکھے انداز میں جواب دیا؛ تاکہ یہ موضوع اس سے آگے نہ بڑھنے پائے؛

اری بیٹی امارہ ـــــ فضیلت نے جب دیکھا کہ سلطے خاتون اس موضوع میں دلچسپی نہیں لے رہی تو اس نے امارہ کو آوازیں دینا شروع کر دیں:

جی خالہ جان ـــ امارہ قریب برآمدے میں بیٹھی ان کی گفتگو سُن رہی تھی فضیلت کی آواز سُن کر اندر آگئی: اور فضیلت بی بی نے اٹھتے ہوئے ایک بار پھر بڑی شفقت سے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرا اور کہنے لگی:

بیٹی ـــ میں بھی تمہاری خالہ ہی ہوں: ہمارے ہاں بھی کبھی آجایا کرو، تم نے شائد قسم کھا رکھی ہے کہ ہمارے ہاں قدم نہیں رکھو گی:

نہیں خالہ جان، قسم کیسی، بس وقت ہی نہیں ملتا: ویسے ضرور آؤں گی کسی روز

ہاں بیٹی ضرور آنا، ثمینہ اور سجیلہ دونوں گلہ کر رہی تھیں: کہ امارہ ہمارے ہاں کبھی نہیں آتی: وہ بھی تمہاری بہنیں ہیں بیٹی:

میں ضرور حاضر ہو جاؤں گی، خالہ جان:

ارے بہن بیٹھو، تم تو تیار ہو گئیں جانے کے لئے: اتنی مدت کے بعد آئی ہو، سلطے خاتون نے فضیلت کیجانب دیکھ کر کہا:

پھر کسی روز آؤں گی بہن: گھر کا سارا کام ویسے ہی چھوڑ کر آگئی تھی:

اور جب فضیلت بی بی کمرے سے باہر نکل گئی: تو سلطے خاتون اپنے پلنگ سے اٹھیں: اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ہوئی قیوم صاحب کے کمرے میں داخل ہو گئیں: قیوم صاحب ابھی تک اخبار ہی کے مطالعے میں مصروف

تھے: سلمیٰ خاتون نے انہیں فضیلت کی آمد کا مقصد بتایا تو پہلے تو وہ بڑی حیرت سے اپنی بیوی کی جانب دیکھنے لگے اور پھر بڑی ہی نفرت سے کہنے لگے:

ہونہہ ـــــ فضیلت کو امارہ کی شادی سے مطلب کیا ـــــ اسے کہہ دینا کہ آئندہ وہ یہ ذکر کبھی اپنی زبان پر نہ لائے: ورنہ میں ان کا اس گھر میں آنا بند کر دوں گا:

ہونہہ: فضول: واہیات: بکواس:

سلمیٰ خاتون اپنے شوہر کے جذبات کا بڑے غور سے مطالعہ کرتی رہیں اور پھر مسکراتے ہوئے باہر نکل آئیں:

گرما موسم سے بلندیوں کی آسمان وقت کے
دوپہر کی آگ برس رہی تھی؛ گذشتہ تین چار
روز سے ہوا بند تھی؛ اور سورج کی عمودی شعاعیں کائنات
کے ذرے ذرے کو جھلسا رہی تھی، لوگ ساری
ساری دوپہر کمرے بند کیے گرمی کی تپش سے بچنے
کے لیے پنکھوں کی ہواؤں میں آنکھیں بند کیے سو
رہتے؛ دوکاندار بھی دوپہر کے دو تین گھنٹے
اپنی اپنی دوکانوں کے دروازے بند کر لیتے؛
سکول اور کالج بند ہو چکے تھے؛ امراء کے بچے پہاڑوں

پر چلے گئے تھے! لیکن غریبوں کی اولاد اپنی گرمی کی تعطیلات گذارنے پر مجبور تھی!
دوپہر کے وقت بازاروں میں صرف وہی لوگ دکھائی دیتے تھے! جنہیں کسی اشد
ضرورت کے تحت باہر نکلنے پر مجبور ہونا پڑتا! یا پھر دفتروں کے لوگ چھٹی ہونے
کے بعد اپنے اپنے گھروں کا راستہ لیتے! اور جلد از جلد گھروں میں پہنچ کر کمروں
کی ٹھنڈی ہواؤں میں گم ہو جاتے!

آسمان سے برسنے والی اس آگ کا سینہ چیر کر شہزاد دفتر سے گھر پہنچا! تو گھر
کے سارے افراد اپنے اپنے کمروں میں بند دوپہر کا کھانا کھا کر میٹھی نیند سو رہے
تھے! گھر کی ملازمہ بھی سب لوگوں کو کھانا کھلا کر اپنے گھر روانہ ہو چکی تھی لیکن صرف
امارہ تھی جس کی آنکھوں میں نیند کا نام و نشان تک نہیں تھا! شاہدہ ہر روز ضد
کیا کرتی تھی! کہ وہ دوپہر کے وقت آرام کیا کرے! لیکن امارہ اکثر ٹال دیتی ؛
وہ جانتی تھی کہ شہزاد دفتر سے اس وقت گھر پہنچتا ہے! جب سارے لوگ سو جاتے
ہیں: اس حالت میں اسے کھانا وغیرہ دینے کے لئے کسی ایک کو ضرور بیدار
رہنا چاہیئے! اور یہ فرض امارہ نے زبردستی اپنی ذات پر عائد کر لیا تھا! وہ ملازمہ کو
چھٹی دے دیتی! اور خود اپنے کمرے میں بیٹھ کر شہزاد کا انتظار کرنے لگتی

اور شہزاد حسب معمول اپنے کمرے میں لباس وغیرہ تبدیل کرنے
کے بعد غسل خانے کی جانب قدم اٹھانے لگا! تو امارہ سمجھ گئی کہ شہزاد دفتر
سے آ گیا ہے! وہ خاموشی سے اٹھی اور باورچی خانے میں جا کر کھانا گرم کرنے لگی!

اور شہزاد غسل کے بعد اپنے کمرے میں قدم آدم آئینہ کے سامنے کھڑا بالوں میں کنگھا کر رہا تھا کہ اسے آئینہ میں امارہ دکھائی دی؛ جو اپنے ہاتھوں پر کھانے کا ٹرے اٹھائے اس کے کمرے میں داخل ہو رہی تھی؛ شہزاد نے کنگھا میز پر رکھا اور قریب ہی بچھے ہوئے پلنگ پر بیٹھ گیا؛ اور امارہ کیجانب دیکھ کر مسکرانے لگا؛

امارہ ــــ

جی ــــ امارہ نے ٹرے تپائی پر رکھ دی اور شہزاد کیجانب دیکھنے لگی؛

کیا تمہیں نیند سے نفرت ہے امارہ؟

جی نہیں تو ــــ امارہ نے نگاہیں جھکا کر جواب دیا؛

تو پھر اس وقت جبکہ گھر کے سارے لوگ سو جاتے ہیں؛ اور تم کیوں جاگتی رہتی ہو

جی وہ ــــ امارہ نے کچھ کہنا چاہا؛ لیکن شرم و حیا نے اس کی زبان بند کر دی؛

ہاں؛ ہاں؛ کہو تم کیوں جاگتی رہتی ہو؛

جی آپ دفتر سے آتے ہیں؛ اسی لیئے؛

اوہ؛ تو تم میرا انتظار کیا کرتی ہو؛

جی اگر میں سو جاؤں تو آپ کو کھانا کون دے گا؛

جب تم یہاں نہیں تھیں؛ امارہ تو اس وقت مجھے دوپہر کا کھانا کون دیتا تھا؛

امارہ مسکرا دی؛ اور جگ سے گلاس میں پانی انڈیل کر کہنے لگی؛

کوئی تو دیتا ہو گا؛

ہاں! کوئی تو دیتا ہوگا! لیکن کیا اب وہ مجھے کھانا نہیں دے سکتا! جو تمہارے آنے سے پیشتر دیتا رہا ہے!

گھر میں جب ملازمہ موجود ہو تو مالکوں کو تکلیف نہیں اٹھانا چاہیئے!

اوہ ___ تو تم اپنے آپ کو خادمہ سمجھتی ہو! اس گھر کی!

یہ تو میری خوش بختی ہے! جناب کہ مجھے اس گھر کی خدمت کرنے کا موقع ملا!

شہزاد نے لقمہ نگل کر پانی پیا اور پھر چند لمحے ماروہ کے چہرے پر نظریں جمائے دیکھتا رہا! ماروہ نے اپنا سر جھکا رکھا تھا! اور زیر لب مسکرا رہی تھی!

ماروہ ___

جی ___!

ہیرے کا ایک ٹکڑا اگر تم کوڑی کے ڈھیر میں پھینک دیا جائے! تو کیا ہم اسے بھی کوڑا ہی کہیں گے!

جی نہیں ___ ماروہ نے نگاہیں اٹھا کر جواب دیا!

اسے کیا کہیں گے؟ شہزاد نے مسکرا کر پوچھا!

ہیرے کو تو ہیرا ہی کہیں گے!

تو پھر ماروہ تم نے اپنے آپ کو ملازمہ کیوں سمجھنا شروع کر دیا ہے! اس گھر میں تمہاری حیثیت کسی دوسرے فرد سے کم نہیں ہے ماروہ! آئندہ کے لئے تم اپنے ذہن سے یہ خیال ہی نکال دو کہ تم یہاں کسی دوسری حیثیت سے مقیم ہو

جی ـــ امارہ نے انتہائی مدہم آواز میں جواب دیا:

اور دوپہر کے وقت یوں جاگ جاگ کر میرا انتظار نہ کیا کرو: امارہ تمہارے آنے سے پہلے ملازمہ میرا انتظار کیا کرتی تھی: اب بھی اسے ہی انتظار کرنا چاہیے:

امارہ نے محسوس کیا: جیسے شہزاد کو اس کا یوں انتظار کرنا اچھا نہیں لگا: وہ آبدیدہ ہو گئی اور بھرائی ہوئی آواز میں کہنے لگی:

جی بہت اچھا: اگر آپ مجھے ابھی خدمت کا موقع نہیں دینا چاہتے تو کل سے ملازمہ ہی کھانا لے آیا کرے گی

شہزاد اس کی جانب بڑے غور سے دیکھ رہا تھا: اس کی سیاہ آنکھوں میں آنسو دیکھ کر تڑپ گیا: اور کہنے لگا:

تم غلط سمجھی امارہ ـــ واللہ میری یہ نیت نہیں تھی کہ تمہارا دل دکھاؤں میرا میرا مقصد تو محض اس قدر تھا: امارہ کہ تم خدمت کرنے کے لئے نہیں پیدا ہوئی ہو تم تو خدمت کرانے کے لئے تخلیق کی گئی ہو: یہ تو میری انتہائی خوش بختی ہے امارہ کہ جب گھر کے سارے افراد آرام کرتے ہیں تو تم میرے انتظار میں بیٹھی رہتی ہو: لیکن امارہ ـــ تمہاری یہ تکلیف دیکھ کر مجھے دکھ ہوتا ہے: اور میں یہ نہیں چاہتا کہ اس گھر میں رہ کر تمہیں کسی قسم کی ذہنی یا جسمانی تکلیف کا سامنا کرنا پڑے

امارہ چند لمحے شہزاد کی جانب دیکھتی رہی: جس کا چہرہ اندرونی جذبات کی وجہ سے تمتما رہا تھا: اور جس کے اس تمتماتے ہوئے چہرے پر اس کی شرافت معصومیت

اور انجلانے پیار کی جھلکیاں عیاں تھیں۔ اور پھر نگاہیں جھکا کر کہنے لگی:

جیسے اس تکلیف ہی میں راحت محسوس ہو۔ اس کے لئے کیا حکم ہے:

واقعی امارہ ــــ

جی ــــ امارہ نے آہستہ سے جی کہا اور اٹھ کر برتن اکٹھے کرنے لگی! اور جب وہ سارے برتن ٹرے میں رکھ کر واپس جانے لگی تو شہزاد نے ایک بار پھر اسے ٹوک دیا

جی ــــ امارہ اس کی جانب دیکھ کر رک گئی:

جب انسان دکھوں اور تکلیفوں میں راحت محسوس کرنے لگتا ہے تو جانتی ہو دنیا والے اسے کیا کہتے ہیں:

جی نہیں ــــ امارہ نے نگاہیں جھکا کر آہستہ سے جواب دیا!

میں بتاؤں

جی بتائیے

دیوانہ ــــ شہزاد نے امارہ کیجانب مخمور نگاہوں سے دیکھ کر جواب دیا!

امارہ ان مخمور نگاہوں کیجانب چند لمحے دیکھتی رہی اور پھر بڑی ہی دلفریب مسکراہٹیں طاری کرتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی! اور جب وہ باورچی خانے میں جب برتن رکھ کر شاہدہ کے کمرے میں اپنے پلنگ پر دراز ہو گئی تو دل ہی دل میں چند لمحے پیشتر کی گفتگو پر غور کرنے لگی:

دیوانہ ــــ میں بھی تو دیوانی ہی ہوں: کیا یہ میرا دیوانہ پن نہیں کہ میں زمین پر رہنے

کے باوجود چاند کی تمنا کرنے لگی ہوں: شہزاد تو میرا محسن ہے: اس نے اپنے گھر میں مجھے پناہ دی ہے: وہ میری ساری آرزوؤں اور تمناؤں کا مرکز کیسے بن سکتا ہے: وہ تو عنقریب ثمینہ کا بن رہا ہے: ثمینہ — جو کسی لحاظ سے بھی اس کے قابل نہیں لیکن حالات نے ان دونوں کو یکجا کرنے کے لیئے ساری راہیں ہموار کر دی ہیں اور میں — جو اسے اپنے دل میں پوجنے لگی ہوں: میری اس پوجا کو تقدیر کے بیرحم ہاتھ یقیناً ایک دن حرف غلط کیطرح مٹا دیں گے: مجھے اس گھر سے نکال کر کسی ایسی دنیا میں پھینک دیں گے: جہاں صرف ناکام حسرتیں سسکتی ہیں: آہیں مسکراتی ہیں اور آنسو گنگناتے ہیں:

کیا واقعی یہ میرا دیوانہ پن نہیں — مجھے تو اس گھر میں صرف زندگی کے دن بسر کرنے ہیں: اپنی آرزوؤں اور تمناؤں کو پروان نہیں چڑھانا — میرے لیئے تو دل میں کسی ایسی آرزو کا خیال بھی جرم ہے لیکن .... وہ دل ہی دل میں سوچ رہی تھی:

لیکن — اس دن شہزاد نے کیا کہا تھا: آنسوؤں کا سہارا تو بڑا کمزور سہارا ہوتا ہے: اور پھر اس نے کہا تھا — سہارے تو خود تمہاری تلاش میں تھے: مجھے کونسا سہارا تلاش کر رہا تھا — شہزاد کیا کہنا چاہتا تھا۔ اور آج اس نے کیا کہا تھا: جو لوگ دکھوں اور تکلیفوں میں راحت محسوس کرنے لگیں انہیں دنیا والے دیوانہ کہتے ہیں:

پگلی ۔۔۔ اس نے اپنے آپ سے دل ہی دل میں خطاب کیا! تیرا اگر یہ دیوانہ پن ظاہر ہو گیا ؛ تو تو بدنام ہو جائے گی ؛ محسن کش کہلانے لگے گی ؛ دنیا والے تجھ سے نفرت کرنے لگیں گے ؛ اور وہ لوگ جو اس وقت تمہارے لئے دین محمد جیسے بوڑھوں کے رشتے لا رہے ہیں ؛ پھر کسی سے ذکر نہیں کریں گے ؛ بلکہ تیرا ہاتھ پکڑ کر تجھے ایسے ہی زندگی سے بیزار انسان کے حوالے کر دیں گے ؛ ۔۔۔ اس دیوانگی سے باز آجا ؛ پگلی ۔۔۔ شہزاد تیرا نہیں ؛ ثمینہ کا ہے ؛ اور ثمینہ کی نگاہوں میں تو صرف ایک یتیم ؛ اَن پڑھ اور جاہل ملازمہ ہے ؛ لونڈی ہے ؛

باجی ۔۔۔

امارہ اپنی ہی سوچ کو سینے سے لگائے چھت پر نگاہیں جمائے کتنی دیر سے خیالات کی الجھنوں میں الجھ رہی تھی ؛ کبھی اس کے ذہن میں جب شہزاد کا تصور آتا تو وہ مسکرانے لگتی ؛ اور پھر جب دوسرے ہی لمحے اپنی بے کسی اور موجودہ حالت کا احساس ہونے لگتا تو اس کے چہرے پر پژمردگی رونما ہو جاتی ؛ وہ بڑی دیر سے ایسے ہی عالم میں اپنے ماحول سے غافل پلنگ پر دراز تھی اور شاہدہ گذشتہ چند لمحوں سے بڑے غور سے اسے دیکھ رہی تھی ؛ اس کی آنکھ اچانک کھل گئی تھی ؛ اس نے حسب عادت آنکھ کھولتے ہی امارہ باجی کے پلنگ کیجانب دیکھا تو اُسے اپنے خیالات میں مگن دیکھ کر مسکرانے لگی ؛ اور پھر کتنی ہی دیر تک اسے مسکراتی ہوئی دیکھتی رہی ؛ اور بالآخر اس نے تنگ آ کر اسے آواز دی ؛

باجی ——

امارہ اپنے تفکرات سے چونک اٹھی: اس نے کروٹ بدل کر شاہدہ کیجانب دیکھا
اور مسکرانے لگی:

باجی آپ کہاں تھیں:؟

کب ——

ابھی چند لمحے پیشتر:

ابھی تو میں یہیں تھی اپنے پلنگ پر —— امارہ نے مسکرا کر جواب دیا:

ہاں باجی: آپ کا جسم تو یہیں تھا: لیکن آپ کی روح کہاں تھی:

کیوں ——

میں کتنی دیر سے دیکھ رہی تھی باجی: آپ کے چہرے پہ کبھی تو تبسم رقصاں دکھائی دیتا تھا: اور کبھی غم و فکر کے سائے اپنی جھلکیاں دکھائی دینے لگتے تھے اسی لئے پوچھا ہے: کہ آپ کہاں کی سیر کر رہی تھیں: جہاں خوشیاں بھی ہیں اور غم بھی:

خوشیاں اور غم کہاں نہیں ہوتے شاہدہ: ان کا تو چولی دامن کا ساتھ ہے خدا جانے میرے خیالات کسی دنیا میں آوارہ گردی کر رہے تھے:

خیالات کی آوارہ گردی اچھی نہیں ہوتی باجی —— انہیں اپنے قابو میں رکھا کریں
شاہدہ اپنے پلنگ سے اٹھی اور امارہ کے پلنگ پہ بیٹھ کر کہنے لگی:

باجی — آج سجیلہ آئی تھی، اس نے مجھے ایک ایسی اطلاع دی ہے کہ میں حیران رہ گئی۔

کیا — امارہ نے حیرت سے شاہدہ کی جانب دیکھا!

سجیلہ نے مجھے بتایا تھا، باجی کہ چچی فضیلت نے امی جان سے کہا تھا کہ آپ کی شادی کر دیں، اور شادی کے لئے ایک ایسا دولہا انہوں نے تلاش کیا تھا، باجی کہ.........

میں جانتی ہوں شاہدہ! —

کیا — آپ کیا جانتی ہے باجی، آپ کو کس نے بتایا!

میں نے خود خالہ فضیلت کی گفتگو سنی تھی شاہدہ۔

اوہ — امی جان نے ابا حضور سے ذکر کیا تھا، باجی آپ جانتی ہیں، ابا جان نے کیا جواب دیا!

کیا —

ابا جان نے کہہ دیا ہے کہ فضیلت اس قسم کی گفتگو آئندہ اس گھر میں آ کر نہ کرے، ورنہ ان کا یہاں آنا بند کر دیں گے۔

اوہ، تو ابا جان نے بُرا مان لیا!

بُرا ہی ماننا چاہیئے تھا، باجی — چچی فضیلت کو یہ جرأت کیسے ہوئی، کہ وہ اپنے بوڑھے کھوسٹ ملازم کا رشتہ مانگنے یہاں آ گئیں، اگر انہیں اتنی ہمدردی ہے

اس یک چشم کالے دیو سے تو ان کی تو دو لڑکیاں ہیں :

ایک بیاہ دیں ! اس کے ساتھ :

امارہ نے جلدی سے شاہدہ کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا :

اری آہستہ شاہدہ ! اگر کسی نے سُن لیا تو آفت ہی آجائے گی :

واہ باجی ـــــ شاہدہ نے امارہ کا ہاتھ اپنے منہ سے ہٹا کر اپنی گود میں رکھ لیا ۔ اور پھر کہنے لگی :

میں کسی سے ڈرتی تو نہیں ہوں باجی ! ابھی تو بھائی جان کو پتہ نہیں چلا ۔ جب انہیں پتہ چلے گا ! تو پھر دیکھ لینا اس گھر میں کیسا طوفان اٹھتا ہے :

اپنے بھائی جان کو ہرگز نہ بتانا شاہدہ :

ارے بھائی کیا چھپایا جا رہا ہے مجھ سے ـــــ شہزاد نے دروازے میں قدم رکھتے ہوئے مسکرا کر پوچھا ! اس نے ان دونوں کا آخری حصہ سُن لیا تھا :

امارہ جلدی سے اُٹھ کر بیٹھ گئی اور شاہدہ اپنے بھائی جان سے بتانے لگی : امارہ نے اسے ہزار روکا :

اشارے کئے ! ہاتھ پکڑ کر دبایا ! لیکن شاہدہ نے کسی اشارے کی پرواہ نہیں کی ! اور جو کچھ سجیلہ اور اپنی امی سے سُنا تھا ! ایک ایک لفظ شہزاد کو بتا دیا !

اوہ ـــــ میں پہلے ہی جانتا تھا کہ چچی صاحبہ یقیناً کوئی شگوفہ کھلائیں گی :

میں نے تو پہلے ہی دن دیکھ لیا تھا کہ امارہ کے لئے ان کی نگاہوں میں پیار اور محبت

کی بجائے نفرت کے دیپ جل رہے ہیں! اور ان کی بیٹی حسد کی آگ میں سلگ رہی ہے! میں ابھی اس کا انسداد کرتا ہوں!

امی جان تو خاموش ہو گئی ہیں! میں چچی جان کو واضح طور پر کہہ دیتا ہوں! کہ آئندہ وہ اس قسم کی جرأت نہ کریں!

شہزاد اٹھا اور باہر نکلنے ہی والا تھا کہ مارہ نے آگے بڑھ کر اس کی راہ روک لی "سنیئے!

کہو! شہزاد مارہ کی جانب دیکھنے لگا!

جو بات ختم ہو چکی ہے! اسے بڑھانے سے فائدہ!

ابھی تو یہ بات شروع ہی ہوئی ہے! تم نہیں جانتیں ہماری چچی کی فطرت! اگر ہم لوگ خاموش رہے! تو وہ دوبارہ پوری تیاری سے آئیں گی! اور ممکن ہے اس خبیث محمد دین کو بھی امی جان کے قدموں میں لوٹنے پر مجبور کر دے! اس لئے میں ایسا موقع آنے سے پہلے ہی ان پر واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ تمہارے لئے اس قسم کے تفکرات میں مبتلا ہونے کی انہیں کوئی ضرورت نہیں!

اس کا نتیجہ آپ جانتے ہیں!

ہاں میں جانتا ہوں! چچی مجھے کچھ نہیں کہہ سکے گی! لیکن تمہاری دشمن بن جائے گی! لیکن مارہ تم اس کی دشمنی سے کیوں گھبراتی ہو!

قسمت کے نوکیلے تیروں سے لہو لہان ہونے والی لڑکی کسی انسان سے کیسے

گھبرا سکتی ہے؛

میں تو صرف اتنا چاہتی ہوں، کہ میری وجہ سے آپ دونوں گھرانوں میں کسی قسم کی ناچاقی نہ پیدا ہو جائے؛

قدرت کے ستم ظریف ہاتھوں نے اس ناچاقی کی بنیاد تو اسی لمحے رکھ دی تھی؛ امارہ ـــ جب.........

شہزاد کچھ کہتے کہتے رُک گیا؛ جیسے اسے کوئی بھولی ہوئی چیز یاد آگئی ہو؛ پھر وہ شاہدہ کیجانب دیکھ کر کہنے لگا؛

شاہدہ ـــ ذرا میرے کمرے میں تو جانا؛ وہاں الماری میں سگریٹ کا پیکٹ ہے؛ وہ اٹھا لاؤ؛

اور جب شاہدہ کمرے سے باہر نکل گئی تو شہزاد نے اپنی ادھوری بات پوری کر دی؛

اس ناچاقی کی بنیاد تو اسی لمحے رکھی گئی تھی؛ امارہ جب پہلے روز دوران سفر میں نے تمہیں گاڑی میں دیکھا تھا؛ اور پھر یہ بنیاد اس وقت مستحکم ہو گئی؛ جب قدرت کے ان دیکھے ہاتھوں نے تمہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس گھر میں بھیج دیا؛

آپ........ آپ کیا کہہ رہے ہیں؛

امارہ کے دل کی ساری کلیاں مسکرانے لگیں؛ لیکن اس نے اپنی ان خوشیوں کا اظہار اپنے چہرے سے نہیں ہونے دیا؛ وہ قدم اٹھاتی ہوئی پلنگ کے

قریب پہنچی اور بیٹھ کر شہزاد کیجانب دیکھنے لگی:

میں ٹھیک کہہ رہا ہوں: امارہ ـــ مجھے صرف تمہارے جواب کا انتظار ہے

کیسا جواب ـــ امارہ نے بھولے پن سے شہزاد کیجانب دیکھا:

جن بنیادوں کو میں۔۔۔ اپنے ذہن میں استحکام دے چکا ہوں امارہ: تم بتاؤ

کیا تم ان بنیادوں کو کمزور تو نہیں ہونے دو گی:

آپ کے ذہن کی مستحکم بنیادیں میں کیسے کمزور کر سکتی ہوں:

ان کے استحکام کا سارا دارومدار صرف تمہارے ایک لفظ پر منحصر ہے:

امارہ: تم نہیں جانتی: میں نے کتنے حسین خوابوں کی ایک دنیا بسا رکھی ہے:

اور امارہ تم جانتی ہو: میرے خوابوں کی اس دنیا میں کس کی حکومت ہے:

کس کی ـــ امارہ نے ایسی نگاہوں سے شہزاد کیجانب دیکھا: جن میں پیار بھی تھا: اور تعجب بھی:

تمہاری:

شہزاد نے بے اختیار جواب دیا: وہ چند قدم اٹھا کر اس کے قریب پہنچا: جیسے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر اپنی آنکھوں سے لگا لینا چاہتے ہو: لیکن برآمدے میں قدموں کی آہٹ سن کر رک گیا: اور شاہدہ کے پلنگ پر بیٹھ کر دروازے کیجانب دیکھنے لگا: شاہدہ سگریٹ کا پیکٹ لئے دروازے سے اندر داخل ہوئی

بھائی جان ـــ کیا آپ ساری دوپہر سگریٹ ہی پیتے رہے ہیں

ہاں شاہدہ؛ جب انسان کسی فیصلہ تک نہ پہنچ سکے تو وہ سگرٹوں ہی کا سہارا لیا کرتا ہے؛ میں بھی آج ساری دوپہر کچھ سوچتا رہا ہوں؛

اس نے پیکیٹ سے سگریٹ نکال کر سلگایا؛ اور پھر باہر جانے کے لئے قدم اٹھانے لگا؛

آپ نے میری درخواست کا جواب نہیں دیا؛

شہزاد نے رک کر امارہ کیجانب دیکھا؛ اور کہنے لگا؛

تم جو کچھ چاہتی ہو؛ وہی ہوگا؛

دوسرے دن حسبِ عادت امارہ شہزاد کے لئے دوپہر کا کھانا لے کر اس کے کمرے میں پہنچی تو شہزاد اسے دیکھ کر مسکرانے لگا۔ چند لمحے اسے دیکھ دیکھ کر مسکراتا رہا۔ اور پھر کہنے لگا:

امارہ — !

جی! امارہ نے حسبِ عادت اپنا سر جھکا لیا۔ اور زیرِ لب مسکرانے لگی۔

تمہیں پہلے دن ٹرین میں دیکھا تھا۔ اس وقت

تو تم بڑی شوخ تھیں، اور آجکل تم بڑی سنجیدہ ہو، تمہاری وہ شوخیاں کہاں گئیں؟

وہ شوخیاں ۔۔۔۔۔ امارہ نے پلکیں جھپکا کر شہزاد کی جانب دیکھا۔

وہ تو اسی حادثے کی نظر ہو گئیں۔

بعض حادثے بھی کس قدر حسین ہوتے ہیں امارہ، تمہاری شوخیاں رخصت ہو گئیں اور میری خاموشیوں کو زبان مل گئی۔ میں اکثر سوچتا ہوں۔ امارہ اگر میری زندگی میں تم قدم نہ رکھتیں تو شائد میں یہ حسین خواب کبھی نہ دیکھتا۔

ہر وقت خوابوں میں رہنا بھی تو عقل مندی نہیں ہے۔ امارہ نے اپنی مسکراہٹوں پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

ہاں، خواب دیکھنے والے دیوانے ہوتے ہیں، یہ میں بھی جانتا ہوں، لیکن بعض اوقات اسی دیوانہ پن میں زندگی کا صحیح لطف آتا ہے۔ کیوں امارہ تمہارا کیا خیال ہے؟

میں تو ایک جاہل لڑکی ہوں۔ آپ کی یہ اونچی باتیں میری سمجھ سے بالاتر ہیں۔

تم شائد اپنے آپ کو اس لئے جاہل کہہ رہی ہو کہ تم نے کسی سکول یا کالج میں تعلیم حاصل نہیں کی۔ لیکن یہ حقیقت ہے امارہ تم پر ہزاروں گریجویٹ قربان کی جا سکتی ہیں۔ ثمینہ ہی کی مثال تمہارے سامنے ہے۔ وہ کالج میں پڑھتی ہے لیکن اس کے باوجود وہ سرتاپا جہالت کا مجسمہ ہے۔ اسے گفتگو کرنے کا طریق نہیں آتا۔ اخلاق سے وہ عاری ہے۔ کسی کے دکھ درد میں شریک ہونا وہ نہیں

جانتی، کونسی جہالت ہے، جو اس تعلیم یافتہ لڑکی میں موجود نہیں۔

اس کے متعلق تو ایسا نہ کہیئے، شاہدہ نے بتایا تھا کہ وہ ....

ہاں وہ میرے ساتھ منسوب ہے، یہ ہمارے والدین کی غلطی ہے، کہ انہوں نے آگ اور پانی کو یکجا کرنے کا منصوبہ بنا رکھا ہے۔ اگر آگ اور پانی ایک جگہ نہیں رہ سکتے تو پھر ہم دونوں کیسے رہ سکتے ہیں، ناممکن کو ممکن کہہ دینا محض حماقت ہے۔

ثمینہ تو بڑی اچھی لڑکی ہے ـــــ امارہ نے سر جھکا کر آہستہ سے جواب دیا۔ اور کنکھیوں سے شہزاد کی جانب دیکھنے لگی، جس نے کھانا کھانے سے ہاتھ اٹھا لیا تھا۔

ہاں، وہ اس لئے اچھی لڑکی ہے کہ ماڈرن ہے، ہر نئے فیشن کو اپنا لیتی ہے، انگریزی فرفر بولتی ہے، اس میں رعونت اور تکبر بھرا ہوا ہے وہ مغرور ہے۔ اسی لئے اچھی ہے نا۔

جی نہیں، ان کے علاوہ بھی کئی صفات ہیں اس میں۔

مثلاً ـــــ

مثلاً یہ کہ وہ بڑی خوبصورت ہے۔

حسن کا تعلق شکل سے نہیں ہوتا امارہ، حسن کا تعلق دل سے ہوتا ہے۔ اس کا دل بڑا ہی گھناؤنا ہے بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ قدرت نے اس کے سینے میں

عورت کا دل ہی نہیں رکھا، محض گوشت کا ایک لوتھڑا رکھ دیا ہے؛ اور اس کے مقابلے میں ....

شہزاد خاموش ہو کر امارہ کی جانب دیکھنے لگا؛ امارہ نے ایک دو بار نگاہیں اُٹھا کر اس کی جانب دیکھا؛ اور پھر شرما کر نگاہیں جھکا لیں؛

اس کے مقابلے میں تم ہو امارہ — تمہیں خدا نے حُسن دیا ہے اور ایک خوبصورت دل بھی؛ اور جس عورت میں یہ دونوں صفات یکجا ہو جائیں وہ عورت نہیں ہوتی؛ دیوی ہوتی ہے؛ وہ تو اس قابل ہوتی ہے، کہ اس کی پوجا کی جائے؛

پوجا تو مندروں میں ہوتی ہے جناب — امارہ نے بڑی ہی شرمیلی مسکراہٹوں سے جواب دیا؛

نہیں دیوی جی — پوجا تو مندروں کے باہر بھی ہو سکتی ہے؛

امارہ کا دل چاہا کہ وہ اُٹھے اور شہزاد کے قدموں میں اپنا سر رکھ دے؛ اور پھر اپنے آنسوؤں کے موتی اس کے قدموں پر نثار کرتے ہوئے اسے کہہ دے تم میرے دیوتا ہو؛ شہزاد؛ میں جس دن سے اس گھر میں آئی ہوں؛ اسی دن سے اپنے من کے مندر میں تمہاری ہی مورتی کی پوجا کر رہی ہوں؛ میں تمہاری پجارن ہوں شہزاد — لیکن میں جانتی ہوں؛ ایک پجارن کا مقام کیا ہے پجارن صرف پوجا ہی کر سکتی ہے؛ دیوی نہیں بن سکتی؛ میں زندگی کے آخری سانس تک تمہاری ہی پوجا کرتی رہوں گی — لیکن وہ یہ سب کچھ نہ کہہ سکی؛ وہ اپنی

جگہ سے اُٹھی اور برتن اکھٹے کرنے لگی؛

دیوی جی ـــــ شہزاد نے مُسکرا کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا؛ امارہ خوفزدہ نگاہوں سے دروازے کیجانب دیکھا اور پھر مُسکرا کر سر جھکا دیا؛

یہ حقیقت ہے امارہ کہ تم میرے لئے ایک دیوی سے کم نہیں ہو؛ میں نے اُسی وقت تمہاری عبادت شروع کر دی تھی؛ جب تم نے بڑی ہی معصومیت سے اپنی امّی جان سے کہا تھا ـــــ کیا اس سٹیشن پر ٹھنڈی ہوا نہیں مل سکتی امّی جان ـــــ ہاں امارہ ـــــ اسی لمحے میں نے اپنے تصورات میں تمہیں گاڑی کے اُس ڈبے سے اُٹھا کر اپنے دل میں چھپا لیا تھا؛ اور آج تک میرے دل کی دُنیا پر تمہاری اور صرف تمہاری حکمرانی ہے؛ بولو امارہ کیا میرے یہ خواب حقیقت کا روپ دھار سکتے ہیں؛ ہے

امارہ چند لمحے خاموش نگاہوں سے شہزاد کیجانب دیکھتی رہی؛ ایسی نگاہوں سے جن میں مستقبل کے حسین سپنے انگڑائیاں لے رہے تھے پھر اس نے بڑی ہی آہستگی سے اپنا ہاتھ شہزاد کے ہاتھ سے آزاد کرایا؛ اور برتن سمیٹتے ہوئے کہا؛

آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں شہزاد جی ـــــ تقدیر کا قاضی میرے نصیب کے اندھیروں پر قہقہے لگا رہا ہے؛ اور آپ ان اندھیروں کو دور کرنے کی سوچ رہے ہیں؛

ہاں امارہ ــــ میں تیرے نصیبوں کے سارے اندھیرے اپنی جھولی میں ڈال لوں گا: اور تیری راہوں میں صرف خوشیاں اور مسرتیں بکھیر دوں گا:

امارہ نے برتن اٹھائے: چند قدم دروازے کیجانب چلی اور پھر بڑے ہی پیارے انداز سے اپنا سر گھما کر اس نے شہزاد کیجانب دیکھا: شہزاد اس کی جانب نگاہیں اٹھائے دیکھ رہا تھا: امارہ چند لمحے اس کی نگاہوں میں نگاہیں ڈالے دیکھتی رہی اور پھر پلکیں جھپکا کر کہنے لگی:

خوشیوں اور مسرتوں سے کون پیار نہیں کرتا: شہزاد جی:

اور پیشتر ازیں کہ شہزاد لپک کر اس کا راستہ روکتا: امارہ مسکراتی ہوئی باہر نکل گئی آج اس نے اپنی خاموش محبت کا اقرار کر لیا تھا: آج اسے نصیب کے اندھیرے دور کرنے والا ایک ساتھی مل گیا تھا: آج زندگی کی تنہائیوں میں اسے ایک ہمسفر ملا تھا آج اس کے دیوتا نے اس کی پوجا قبول کر لی تھی: آج اس کے مستقبل کے تاریک اندھیروں میں امید اور آس کی بجلیاں کوند گئی تھیں: وہ ہنستی مسکراتی اور گنگناتی ہوئی اپنے کمرے میں گئی اور پلنگ پر دراز ہو کر حسین خوابوں میں گم ہو گئی: شاہدہ اسی کمرے میں اپنے پلنگ پر دراز نیم وا آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی: اسے یہ ہنستی مسکراتی امارہ بڑی پیاری لگی: وہ چند لمحے اسے اسی طرح دیکھتی رہی: اور جب اس کی خوشیاں اس کے قابو سے باہر ہو گئیں تو وہ خاموشی سے اٹھی اور اس نے امارہ کے قریب بیٹھ کر اس کے مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ اپنا چہرہ لگا دیا:

باجی — کیا بات ہے: آج تو آپ بڑی خوش نظر آرہی ہیں:
امارہ اپنے تصورات کی دنیا سے واپس لوٹ آئی: اور بڑی شریر نگاہوں سے
شاہدہ کیجانب دیکھ کر کہنے لگی:
شاہدہ کسی بھٹکتے ہوئے راہی کو اگر راستہ مل جائے، تاریک، ویران اور سنسان
اندھیروں میں اگر کسی کو روشنی کی کرن دکھائی دے: تو اس کی کیا حالت ہوتی ہے
شاہدہ چند لمحے بڑی حیرت سے اپنی باجی کی جانب دیکھتی رہی: اور پھر بڑے
تعجب سے کہنے لگی:
باجی — میں آپ کا مطلب ہی نہیں سمجھی:
امارہ نے اپنے دونوں بازو شاہدہ کی گردن میں ڈال دیئے اور اسکی پیشانی پرپے
درپے بوسے دینے کے بعد کہنے لگی:
خدا جانے شاہدہ: میں آج کیوں خوش ہوں: میرا دل چاہتا ہے: کہ میں ہوا
کے ساتھ ناچتی پھروں:
اوہ — اتنی خوشی
ہاں شاہدہ: بعض اوقات انسان کا دل یونہی مسکرانے لگتا ہے:
نہیں باجی — ان مسکراہٹوں کا سبب بھی تو ہوتا ہے: آپ مجھے بتا نہیں رہیں
تم تو پگلی ہو: شاہدہ: امارہ نے اسے اپنے سینے سے لگا کر بھینچ لیا اور ابھی
یہ دونوں لڑکیاں انہی مسرتوں سے لطف اندوز ہو رہی تھیں کہ ثمینہ ان کے کمرے

میں داخل ہوئی؛ وہ چند لمحے تو ان دونوں کو دیکھتی رہی، پھر مُسکرا کر شاہدہ کے پلنگ پر بیٹھ گئی؛

کیوں بھئی ـــ میں مخل تو نہیں ہوئی :

اوہ باجی آپ ـــ شاہدہ نے ثمینہ کیجانب دیکھ کر کہا :

باجی ـــ آج امارہ باجی بہت خوش ہیں ـ میں ان سے پوچھ رہی تھی کہ خوشی کا سبب کیا ہے، تو جواب دینے کی بجائے یہ مسکراہٹیں بکھیر رہی تھی ؛

ثمینہ چند لمحے بڑے غور سے امارہ کیجانب دیکھتی رہی ؛ اور پھر شاہدہ سے انگریزی میں کہنے لگی :

یہ جہالت کا ثبوت ہے شاہدہ ؛ جاہل لڑکیاں ایسے ہی بلاوجہ ہنستی رہتی ہیں

امارہ کا دل چاہا کہ اسے جواب دے ؛ لیکن اس نے بڑی مشکل سے اپنے جذبات پر قابو پایا ؛ اور دیوار کے ساتھ آویزاں ایک تصویر کیجانب اسطرح دیکھنے لگی ؛ جیسے اسے انگریزی گفتگو سے کوئی دلچسپی نہیں ؛

شاہدہ ابھی جواب دینے نہیں پائی تھی ؛ کہ شہزاد مسکراتا ہوا کمرے میں آگیا :

اوہ یہاں تو محفل گرم ہے :

جی ہاں ؛ بس آپ ہی کا انتظار ہو رہا تھا ؛ ثمینہ نے مسکرا کر جواب دیا :

میرا انتظار ـــ کیوں وہ کس لئے :

آپ نے امارہ کو ایک ڈرز انعام دیا تھا نہ ؛ وہی خوبصورت سے ٹالیس ؛ اللہ ؛

آج ان کی خوشی منا رہی ہے!

خوشی منا رہی ہے، آج اتنے دنوں کے بعد!

جی ہاں ـــــ ثمینہ نے ناک چڑھا کر انگریزی میں جواب دیا!

جاہل اور بدتمیز لڑکیوں کی یہی تو پہچان ہے، جب جی چاہا ہنسنے لگیں جب دل کیا رونا شروع کر دیا! آپ کی یہ ملازمہ انہی میں سے ایک ہے!

شہزاد چند لمحے بڑے غور سے ثمینہ کی جانب دیکھتا رہا! اور پھر بڑی سنجیدگی سے کہنے لگا:

ثمینہ ـــــ غالباً تمہیں پہلے بھی بتایا گیا تھا! کہ یہ لڑکی ہماری ملازمہ نہیں ہے اسے اس گھر میں وہی حیثیت حاصل ہے! جو اس گھر کے کسی بھی فرد کو حاصل ہے! لہٰذا بار بار ملازمہ کہنے سے کیا فائدہ! اسے امّی جان نے بیٹی بنایا ہوا ہے اور امی جان کی بیٹی ملازمہ نہیں سکتی! اور دوسرے جو تم نے اسے جاہل ثابت کرنے کی کوشش کی ہے تو میں تمہیں بتا دینا چاہتا ہوں! کہ وہ سکول یا کالج میں بے شک تعلیم حاصل نہیں کر سکی! لیکن تمیز میں تم سے چند قدم آگے ہی ہے! پیچھے نہیں:

کیا مطلب ـــــ ثمینہ نے بڑے غصے سے پوچھا!

مطلب ظاہر ہے! تم کالج میں پڑھتی ہو! لیکن تمہیں آج تک بات کرنے کی تمیز نہیں آئی! تم بلا وجہ اس سے خار کھاتی ہو! حالانکہ وہ اکثر تمہاری تعریف کرتی ہے

اگر تعریف نہیں کرے گی تو کیا بُرائیاں کرے گی، وہ جانتی ہے کہ اگر اس نے میری بُرائیاں کیں تو ایک دن بھی یہاں نہیں رہ سکے گی۔

کیوں ـــــ اسے یہاں سے کون نکال سکتا ہے، کم از کم اس گھر کا کوئی فرد ایسی جرأت نہیں کرے گا۔

اوہ ـــــ تو اس حد تک اس نے قدم جما لئے ہیں۔

جی ہاں، بلکہ اس سے بھی زیادہ، جہاں تک تمہارا تصور بھی نہیں پہنچ سکتا ہمارا کیا ہے، آپ ہی لوگ کسی دن نقصان اٹھائیں گے، ہم نے تو ایسی بہت دیکھی ہیں، جو مظلوم بن کر کسی گھر میں پناہ لیتی ہیں، لیکن ان کے متعلق اس وقت پتہ چلتا ہے، جب وہ گھر کے سارے زیورات اور نقدی لے کر رفوچکر ہو جایا کرتی ہیں، میں کہتی ہوں، آپ لوگوں کی عقل کو کیا ہو گیا ہے۔ ایک آوارہ لڑکی پر آپ لوگ آنکھیں بند کر کے کیوں بھروسہ کر رہے ہیں۔

اس لئے کہ اس پیشانی پر شرافت، حیا اور پاکیزگی کی لہریں چمک رہی ہیں جو ہمیں تو نظر آتی ہیں، لیکن تم انہیں نہیں دیکھ سکتی۔

امارہ بڑے غور سے خاموش ان کی گفتگو سن رہی تھی، وہ شہزاد کا جواب سن کر زیرِ لب مسکرا دی اور پھر بڑے غور سے اس تصویر کی جانب دیکھنے لگی، جو انگیٹھی پر رکھی ہوئی تھی، شاہدہ بڑے غصے سے ثمینہ کی جانب دیکھ رہی تھی لیکن چونکہ شہزاد بڑے ہی معقول جواب دے رہا تھا، اس لئے وہ خاموش رہی۔

امّی جان نے تو چچی جان کو مشورہ دیا تھا کہ اس کی شادی کر دیں؛ آرام سے ایک جگہ بیٹھ کر زندگی کے دن پورے کرے گی؛ لیکن چچی جان نے غالباً غور ہی نہیں کیا؛

غور تو بہت زیادہ کیا تھا۔۔۔ شہزاد نے مسکرا کر جواب دیا؛

پھر کیا فیصلہ ہوا۔۔۔ ثمینہ اشتیاق سے پوچھا؛

امّی جان نے اباجان سے ذکر کیا تھا؛ اور مجھے بھی شاہدہ سے پتہ چلا تھا؛

تمہیں ابا جان کا فیصلہ بتاؤں یا اپنا؛

دونوں ہی بتا دیں۔۔۔ ثمینہ نے مسکرا کر کہا؛

اباجان کا فیصلہ تو یہ تھا کہ فضیلت بی بی کو منع کر دوں؛ آئندہ ایسی حرکت نہ کرے؛

خوب؛ اور آپ کا کیا فیصلہ تھا۔۔۔ ثمینہ نے بڑی طنز سے پوچھا؛

میرا فیصلہ سن کر شاید تمہیں دکھ ہوگا؛ ثمینہ لہٰذا اس معاملے کو یہیں ختم کر دو؛

شہزاد کی گفتگو کا انداز دیکھ کر امارہ کا دل دھڑکنے لگا؛ ہزاروں خدشات یکبارگی اس کے ذہن میں سر اٹھانے لگے؛ کہیں شہزاد اسے صاف بتا نہ دے کہ... نہیں غالباً وہ نہیں بتائے گا؛ وہ سوچنے لگی؛ بات بڑھ نہ جائے کہیں۔۔۔ شہزاد کے سینے میں جو آگ سلگ رہی ہے؛ وہ میرے مستقبل کو خاک نہ کر دے؛ کہیں مجھے اس گھر سے بھی فرار نہ حاصل کرنا پڑے؛ اگر خالہ جان کو پتہ چل گیا؛ کہ ان کا بیٹا جو ثمینہ سے منسوب ہے؛ اب اپنے دل میں ثمینہ کی بجائے میرے تصورات

چھپائے بیٹھا ہے! تو پھر میں خالہ جان کو کیسے منہ دکھاؤں گی! وہ میرے متعلق کیا سوچیں گی! میں اس گھر میں کیسے رہ سکوں گی! ثمینہ اور اس کی امی تو طوفان اٹھا دیں گی یہ کیا ہو رہا ہے! کیا ہونے والا ہے۔ اس نے دھڑکتے ہوئے دِل اور خوفناک نگاہوں سے شہزاد کیجانب دیکھا! لیکن وہ تو بڑی دلفریب مسکراہٹیں اپنے ہونٹوں پر طاری کئے ایک رسالے کی ورق گردانی کرنے میں مصروف تھا! اور ثمینہ اسی کیجانب بڑے غور سے دیکھ رہی تھی۔

اور پیشتر ازیں کہ ثمینہ اس سے اصرار کرتی یا شہزاد خود ہی کہتا! ان کی امی سلمیٰ خاتون ہاتھ میں تار کا لفافہ پکڑے اندر داخل ہوئیں!

بیٹا! تم یہاں بیٹھے ہو! میں تمہارے کمرے میں تمہیں دیکھ رہی تھی! یہ تار تو پڑھنا! تمہارے ابو سو رہے تھے! خدا خیر کرے! میرا عارف خیریت سے ہو!

شہزاد نے جلدی سے لفافہ چاک کیا! اور تار کا مضمون پڑھ کر مسکرانے لگا

امی جان عارف آ رہا ہے! کل شام کی گاڑی سے۔

اوہ ——— سلمیٰ خاتون نے اطمینان کا سانس لیا اور پھر لڑکیوں کیجانب دیکھ کر مسکرانے لگی!

عارف بھیا آ رہے ہیں! شاہدہ نے خوش ہوتے ہوئے کہا! اور شہزاد کے ہاتھ سے تار کا فارم لے کر خود پڑھنے لگی!

باجی ——— باجی! شاہدہ نے امارہ کو جھنجوڑ دیا!

کیا بات ہے شاہدہ ـــــ ! امارہ نے مسکرا کر اس کیجانب دیکھا:

آپ نے تو عارف بھیّا کو نہیں دیکھا، باجی؛

نہیں؛

بس تو یہ سمجھ لیجیے! کہ آپ نے کچھ بھی نہیں دیکھا: اب اس گھر کی ساری اداسیاں اور ویرانیاں ختم ہو جائیں گی:

باجی! اب نہ کوئی دوپہر کو سو سکے گا: اور نہ ہی اس گھر میں کوئی مغموم دکھائی دیگا

سیلائے خاتون مسکرانے لگیں: اور امارہ کیجانب دیکھ کر کہنے لگیں:

ہاں! میرا عارف ایسا ہی ہے! شہزاد کی طبیعت اور عارف کی طبیعت میں بڑا فرق ہے! یہ جس قدر خاموش اور سنجیدہ ہے: وہ اتنا ہی شریر اور باتونی ہے نہ خود خاموش بیٹھ سکتا ہے: اور نہ کسی کو بیٹھنے دیتا ہے: اس کی رگ رگ میں شرارت ہے! اور بعض اوقات اس کی شرارتوں سے تنگ آجاتی ہوں! لیکن کیا کروں: اس کی تو عادت ہی ایسی ہے!

ہاں! وہ بہت شریر ہے! شہزاد نے مسکرا کر اپنی امی کیجانب دیکھا!

اور باجی ـــ مجھے تو اکثر بھیّا کی شرارتیں رُلا دیتی ہیں: ہر روز نئی شرارت میں تو تنگ آجاتی ہوں: بھیّا کی شرارتوں سے باجی! لیکن ان کے بغیر دل بھی نہیں لگتا: آپ ان کی شرارتوں سے تنگ تو نہیں آئیں گی باجی ــــ امارہ شاہدہ کیجانب دیکھ کر مسکرا دی!

کیا پتہ شاہدہ؛

اگر اس نے امارہ کو اپنی شرارتوں سے تنگ کیا تو میں اسے پیٹ دوں گی؛ سلمےٰ خاتون نے امارہ کا سر اپنے سینے سے لگا کر اسے پیار کرتے ہوئے کہا؛ ثمینہ بڑے غور سے سلمےٰ خاتون کیجانب دیکھ رہی تھی؛ یہ پیار وہ برداشت نہ سکی؛ اور اُٹھ کر باہر کیجانب قدم اٹھانے لگی؛

کیوں بیٹی؛ بیٹھ جاؤ ___ سلمیٰ خاتون نے مسکرا کر اسے کہا؛

نہیں چچی جان ___ اب اجازت دیجیئے؛ کافی دیر سے یہاں بیٹھی ہوں؛

اور جب وہ کمرے سے باہر نکل گئی تو شہزادا اپنی امّی کیجانب دیکھ کر کہنے لگا امّی جان؛ آپ نے ثمینہ کے سامنے امارہ کو پیار کیا؛ اس لئے وہ برداشت نہ کرسکی اور اُٹھ کر چلی گئی؛ خدا جانے یہ لوگ امارہ سے کیوں جلتے ہیں؛

اپنی اپنی عادت ہوتی ہے بیٹا؛ ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں کا خیال نہیں کرنا چاہیئے

کیوں شاہدہ ___ ثمینہ باجی اردو نہیں جانتی؛ ہر وقت انگریزی میں گفتگو کرتی ہیں؛

اردو تو جانتی ہیں باجی؛ لیکن انہیں اپنی انگریزی پر بھروسہ ہے؛ اب آپ دیکھ لیجیئے؛ جب عارف بھیا آجائیں گے؛ تو ان کے سامنے یہ انگریزی کا ایک لفظ بھی نہیں بول سکیں گی؛ ان سے بہت گھبراتی ہیں۔

کیوں ___ امارہ نے حیران ہو کر پوچھا؛

خدا جانے باجی ـــــ وہ ان کے ایک ایک جملے میں بیسیوں غلطیاں نکال دیتے ہیں: اور درست جملے کو غلط ثابت کرنے کے لئے بحث شروع کر دیتے ہیں۔ ان کے سامنے تو یہ بولتی ہی نہیں ہیں:

اچھا ـــــ امارہ ہنسنے لگی :

اور اگر عارف بھیا نے میری انگریزی سُنی تو پھر وہ میرا کیا حشر کریں گے !

سلیٰ خاتون کے علاوہ شہزاد اور شاہدہ بھی ہنسنے لگے !

باجی ـــــ آپ عارف بھیا کے سامنے انگریزی بولنے ہی کب لگیں: جب وہ باہر چلے جایا کریں گے: تو کتابیں نکال کر سبق لے لیا کرنا: ورنہ خدا جانے کیسے کیسے فقرے چست کریں گے :

نہیں گھبرانے کی ضرورت نہیں ! میں عارف کو سمجھا دونگا :

شہزاد نے بڑے ہی اعتماد سے کہا: اور مسکراتا ہوا باہر نکل گیا :

چند روز سے گرمی کی شدت اور حبس
گذشتہ نے موسم پر تسلط جما رکھا تھا آج صبح
سویرے موسم نے انگڑائی لی۔ شمال مغرب کی
جانب سے دیکھتے ہی دیکھتے سیاہ گھٹائیں جھوم
کر اٹھیں اور کائنات کا ذرہ ذرہ مسکرانے لگا۔

موسم گرما کی برسات کی ابتدا ہو چکی تھی؛
دوپہر سے شام تک بارش ہوتی رہی گلیاں
بازار، میدان اور گھروں کے صحن جل تھل بن
گئے؛ لوگ جہاں بیٹھے تھے وہیں بیٹھے رہ گئے۔

بارش کی شدت نے کسی کو باہر نکلنے کی جرأت نہیں ہونے دی؛ اور شام کے گہرے جنسی اندھیروں کے ساتھ جب بارش کی شدت نے ہلکی بوندا باری کی صورت اختیار کی تو ایسے محسوس ہونے لگا، جیسے گھروں سے بچوں، مردوں، نوجوانوں اور بوڑھوں کا سیلاب اُبل پڑا ہو؛ ہر چہرہ مُسکرا رہا تھا، ہر چہرہ ہنس رہا تھا؛ بڑے بوڑھے مُسکراتی نگاہوں سے ایک دوسرے کیجانب دیکھ رہے تھے، بچے گلی اور بازار کے پانی میں ایک دوسرے پہ چھینٹے اڑا رہے تھے، شور مچا رہے تھے اور خوشی کے نعرے لگا رہے تھے؛

قیوم صاحب دوپہر سے اپنے مکان کے بیرونی برآمدے میں کرسی بچھائے بیٹھے تھے اور بارش سے لطف اندوز ہو رہے تھے؛ بارش کے چھینٹوں سے برآمدے کا فرش بھیگ گیا تھا، خود ان کے پاؤں اور پاجامہ گیلا ہو گیا تھا لیکن قدرت کی ان فیاضیوں سے سارا دن بیٹھے محظوظ ہوتے رہے؛ انہوں نے اپنے بھیگنے کی پرواہ نہیں کی؛ موسم کی پہلی برسات نے قیوم صاحب کے بوڑھے دل میں بچوں جیسی شوخی بھر دی تھی؛ وہ گلی کے بچوں میں شامل ہو کر اچھل کود تو نہیں کر سکتے تھے لیکن تنہا برآمدے میں بیٹھ کر اپنے بچپن کو آواز تو دے سکتے تھے؛ وہ دوپہر سے شام تک بھیگتے رہے؛ اور بچپن کی حسین یادوں کے قافلوں کو سینے سے لگائے رہے؛ انہیں پتہ بھی نہیں چلا کہ کب اندھیرے پھیل گئے؛ اور کب برآمدے کا بلب روشن ہو گیا؛

ابا جان ـــــ تسلیم

قیوم صاحب نے چونک کر اپنے خیالات کی دنیا سے باہر قدم رکھا: سامنے ان کا چھوٹا لڑکا عارف ایک ٹیکسی سے اپنا بستر اور اٹیچی اتار رہا تھا:

اوہ ـــــ عارف بیٹے تم ـــــ تم آ گئے!

جی ابا جان: عارف نے ٹیکسی ڈرائیور کو کرایہ دیا اور مسکراتا ہوا اپنے باپ کے قریب پہنچ گیا:

کہیں بھیگ تو نہیں گئے بیٹا: بڑے زور کی بارش ہوئی ہے:

آپ گھر بیٹھے بیٹھے بھیگ گئے ہیں: ابا جان: اور میں تو سفر میں تھا:

اوہ ـــــ قیوم صاحب کو اب پتہ چلا کہ وہ کمر سے نیچے بھیگ چکے ہیں: انہوں نے مسکرا کر اپنے شریر بیٹے کیجانب دیکھا اور پھر اپنے کمرے کیجانب چل دیئے:

تم گھر چلو بیٹا: تمہاری امّی انتظار کر رہی ہوں گی:

اور عارف جب اپنے کندھے پر بستر لٹکائے اور ایک ہاتھ میں اٹیچی پکڑے صحن میں داخل ہوا تو اس کی امّی برآمدے میں تخت پوش پر بیٹھی مغرب کی نماز پڑھنے کی تیاری کر رہی تھی:

بیٹے کو دیکھتے ہی اٹھیں اور سینے سے لگا کر پیار کرنے لگیں:

بیٹا خیریت سے تو ہے: کمزور ہو گئے ہو: جاؤ لباس تبدیل کر لو: میں نماز سے فارغ ہو کر ابھی آتی ہوں:

امی جان! یہ باقی لوگ کہاں گئے ہیں!

اپنے کمروں میں ہونگے بیٹا! بارش نے آج کسی کو باہر نکلنے دیا ہے! تمہارا کمرہ شاہدہ نے صاف کر دیا تھا، جاؤ شاباش! لباس تبدیل کر کے میرے ہی کمرے میں آنا

عارف نے بستر کندھے کی بجائے سر پر اٹھایا! اٹیچی کیس ہاتھ میں پکڑا! اور اپنے کمرے کی بجائے شاہدہ کے کمرے کے قریب پہنچ کر تو بلند آواز سے خود ہی کو پکارنے لگا!

با ادب! با ملاحظہ! ہوشیار! پہاڑوں کے شہزادے تشریف لا رہے ہیں!

شاہدہ اور لمارہ ایک ہی پلنگ پر بیٹھی بارش ہی کے متعلق گفتگو کر رہی تھیں شاہدہ نے عارف بھیا کی آواز سُنی تو لمارہ کا ہاتھ دبا کر کہنے لگی!

لو باجی — بھیا نے اپنی آمد کی منادی شروع کر دی! پہاڑوں کا شہزادہ آگیا اور ابھی وہ اُٹھ کر باہر کی جانب بھاگنے کا ارادہ کر رہی رہی تھی کہ عارف دروازے میں پہنچ گیا! بستر ابھی تک اس نے اپنے سر پر اٹھا رکھا تھا اور اٹیچی ایک ہاتھ میں لٹک رہا تھا!

اوہ بھیا! آپ آ گئے! شاہدہ جلدی سے اُٹھی اور عارف کی جانب بڑھی!

نہیں خبردار — عارف نے شاہدہ کے چہرے پر نگاہیں جما کر بڑے رعب سے کہا:

ہماری تعظیم کرو لڑکی! ہم بھیا نہیں ہیں! پہاڑوں کے شہزادے ہیں!

اوہ ــــ پہاڑوں کے شہزادے؛ شاہدہ نے ہنستے ہوئے کہا:

بھیا! کیا پہاڑوں کے شہزادے اپنے بستر خود ہی اپنے سر پر اٹھائے پھرتے ہیں:

ہاں؛ یہ ہمارے دیس کا رواج ہے: یہی ہماری شان ہے اور یہی ہماری.....

اچانک اس کی نگاہیں امارہ پر پڑیں؛ جو پلنگ پر بیٹھی مسکرا کر اسے دیکھ رہی تھی؛

اوہ شاہدہ ــــ!

عارف پھٹی پھٹی نگاہوں سے امارہ کی جانب دیکھنے لگا: بے اختیار اس نے اپنے ہاتھ سے اٹیچی بھی چھوڑ دیا: اور سر سے بستر بھی گرا دیا؛ اور پھر اس کی آواز میں جہاں خوف بھی تھا؛ کپکپاہٹ بھی اور شوخی بھی: امارہ کی جانب اشارہ کر کے شاہدہ سے پوچھنے لگا:

لیکن...... لیکن .... وہ کون ہے شاہدہ:

شاہدہ اپنے بھیا کی ایکٹنگ دیکھ کر ہنسنے لگی: پھر اس نے مسکراتی ہوئی امارہ کی جانب سر گھمایا اور عارف سے کہنے لگی:

پہاڑوں کے شہزادے تو آپ ہیں بھیا! مجھ سے کیا پوچھ رہے ہیں؛ میں پہاڑوں کا شہزادہ ہوں اور یہ .... پہاڑوں کی رانی ہے؛ شاہدہ

اوہ ہوں ــــ شاہدہ نے مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلایا؛

ہاں کچھ غلطی ہو گئی۔ اگر یہ پہاڑوں کی رانی ہوتی تو اس کے سر پر اوپلوں کی ٹوکری ضرور ہونی چاہیئے تھی۔

نہیں یہ پہاڑوں کی رانی نہیں ہو سکتی۔ ہاں یاد آیا۔ یہ بہاروں کی رانی ہے۔ شاہدہ نہ یہ پہاڑوں کی رانی ہے بھیا اور نہ بہاروں کی رانی۔ شاہدہ نے پھر نفی میں سر ہلایا اور ہنستے ہوئے امارہ کی جانب دیکھنے لگی۔ جو عادت کے اس انوکھے تعارف پر دل ہی دل میں شرمندہ ہو رہی تھی۔

ایک بات بتاؤں شاہدہ۔

جی فرمایئے۔

کیا میری غیر حاضری میں یہاں آسمان کی مخلوق نے بھی اپنی آمدورفت شروع کر دی ہے۔

کسی جنّت کی حور ہو گی شاہدہ۔ یہ اس دنیا کی مخلوق تو معلوم نہیں ہوتی دیکھو اس کے تبسم میں کلیوں کی مسکراہٹوں۔ اس کی نگاہوں میں شبنم کی پاکیزگی اور.... اور اس کی اداؤں میں بہاروں کی رعنائیاں پوشیدہ ہیں شاہدہ۔

امارہ نے شرما کر اپنا سر جھکا لیا۔ اور پھر دوپٹے کے ایک پلّو کو پکڑ کر اسے اپنی انگلی کے گرد لپیٹنے لگی۔

بھیا یہ تو باجی ہیں۔ باجی امارہ

امارہ۔ عادت نے حیران ہو کر شاہدہ کی جانب دیکھا۔ اور ابھی وہ کچھ کہنا

ہی چاہتا تھا کہ شہزادے نے چپکے سے آ کر اس کی دونوں آنکھوں پر اپنے ہاتھ رکھ دیئے
عارف چند لمحوں تک ان ـــ ہاتھوں کو ٹٹولتا رہا اور پھر کہنے لگا؛

ان ہاتھوں میں مردوں جیسی مضبوطی بھی ہے؛ اور ماں کی گود کی طرح گرم گرم پیار
بھی؛ بھائی جان کے ہاتھ تو میں ہر جگہ پہچان سکتا ہوں؛

شہزادے نے اس کی آنکھوں سے ہاتھ اٹھا لیے؛ اور پھر دونوں بھائی ایک دوسرے
کے گلے سے لپٹ گئے؛

ارے عارف ـــ کیسے رہے؛ صحت تو ماشاءاللہ اچھی ہے؛

ہاں بھائی جان ـــ امّی جان فرما رہی تھیں میں کمزور ہو گیا ہوں؛ آپ فرما رہے
ہیں؛ کہ صحت اچھی ہے؛ میرا خیال ہے کہ میں جیسا گیا تھا؛ ویسے ہی لوٹ آیا
ہوں؛ کیوں شاہدہ تمہارا کیا خیال ہے؛

نیک خیال ہے بھیّا؛

تو بڑی سمجھدار ہو گئی ہے؛ نہ تو امّی کو جھٹلانا چاہتی ہے؛ اور نہ بھائی جان
کو؛ اچھا دیکھ اسی بات پر خوش ہو کر پہاڑی شہزادہ تمہیں کیا انعام دیتا ہے؛

پہاڑوں کا شہزادہ ـــ شہزادے نے مسکرا کر عارف کی طرف دیکھا؛

ہاں بھائی جان ـــ شاہدہ نے ہنستے ہوئے شہزادے سے کہا؛

بھیا کو غلط فہمی ہو گئی ہے؛ بھائی جان کہ یہ پہاڑوں کا شہزادہ ہیں؛

بھئی ہمارا عارف کسی شہزادے سے کم تو نہیں؛ شہزادے نے بڑے پیار

سے عارف کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور مسکرا کر اس کیجانب دیکھنے لگا:

جی ہاں: بشرطیکہ یہ تاج اپنے سر پر رکھ لیں:

امارہ نے پہلی باران کی گفتگو میں حصہ لیا: اور تاج کہتے وقت بستر کیجانب اشارہ کرنے لگی:

واہ وا: واہ وا: مزہ آگیا: بھائی جان:

ہوں:

شاہدؔ تو تعارف ہی نہیں کروا رہی: یہ صاحبہ یعنی کہ محترمہ یعنی کہ ذاتِ شریف کون ہیں:

بھئی یہ امارہ ہے:

بھائی جان: وہاں ہم جس ہوٹل میں مقیم تھے: وہیں صوبہ سرحد کے دو پٹھان آ گئے اور ہمارے ساتھ کا کمرہ کرایہ پہ لے کر رہنے لگے: ایک دن میں اپنے دوستوں کے ساتھ دوپہر کے وقت باہر سے گھوم کر آیا تو دونوں پٹھان ہمارے کمرے میں بیٹھے حقہ پی رہے تھے: ہم سب بڑے حیران ہوئے: کہ خدا خیر کرے یہ لوگ ہمارے کمرے میں کیوں بیٹھے ہیں: ادھر اُدھر نگاہیں دوڑائیں: سامان ہمارا ہی تھا: بستر: اٹیچی: کتابیں: جوتے سب کچھ ہمارا تھا۔ کمرے کا نمبر دیکھا وہ بھی وہی تھا: ہم نے سمجھا کہ خان بہادروں کو اپنا کمرہ بھول گیا ہے: اور غلطی سے ہمارے کمرے میں آ گئے ہیں: لہٰذا بڑے ادب سے گذارش کی: خانصاحب یہ آپ کا کمرہ نہیں

یہ ہمارا کمرہ ہے: آپ اپنے کمرے میں تشریف لے جائیں: تو وہ دونوں پٹھان پہلے تو ایک دوسرے کا منہ دیکھتے رہے: پھر ان میں سے ایک جو ہماری زبان سمجھتا تھا: ہمیں اپنی پٹھانی اردو میں کہنے لگا:

خوچہ: یہ امارہ کمرہ ہے: تمہارا نہیں:

ہم اُسے سمجھانے لگے کہ تمہارا نہیں ہمارا ہے: لیکن اس کی یہی ضد تھی: کہ نہیں امارہ ہے: اب وہاں باقاعدہ تکرار شروع ہو گئی:

ہم کہتے ـــــ ہمارا ہے:

وہ کہتا ـــــ امارہ ہے:

کافی دیر کے بعد جب ہم نے اپنا سامان انہیں دکھایا، اور انہیں پکڑ اگلے کمرے میں پہنچا دیا تو انہوں نے اعتراف کیا کہ نہیں امارہ نہیں تمہارا ہے:

شہزادے کے علاوہ شاہدہ اور امارہ بھی مسکرا کر عارف کی جانب دیکھتی رہی جب عارف نے اپنا قصہ ختم کیا تو شہزادہ کہنے لگا:

اس قصے کا مقصد

مقصد تو صاف ہے: بھائی جان: عارف نے امارہ کی جانب دیکھ کر کہا: شاہدہ سے پوچھا وہ کہنے لگی یہ امارہ ہے: آپ سے درخواست کی کہ تعارف کروا دیجئے:

آپ نے پٹھانوں کے لہجے میں کہہ دیا کہ یہ امارہ ہے: ممکن ہے امی جان اور

ابوجان سے اگر پوچھیں تو وہ بھی یہی جواب دیں گے: کہ یہ امارہ ہے!

عارف کے علاوہ سارے ہی لوگ کھلکھلا کر ہنسنے لگے: اور جب کبھی ہی دیر تک ہنسنے کے بعد شہزاد نے اپنے آپ پر قابو پایا تو عارف سے کہنے لگا:

ہاں عارف! یہ تو حقیقت ہے: جس سے پوچھو گے: یہی کہے گا یہ امارہ ہے

اچھا ـــ عارف بڑی حیرت سے امارہ کیجانب دیکھتا رہا: اور پھر اپنی قمیض کی آستین چڑھا کر بڑے ہی خونخوار انداز میں کہنے لگا:

خوبہ یہ کسی کا نہیں! یہ امارہ ہے:

شاہدہ اور امارہ نے تو ہنستے ہنستے اپنے پیٹ پکڑ لئے اپنے مونہوں میں دوپٹے ٹھونس لئے: اور پھر بڑی مشکل سے کمرے ہی سے باہر نکل گئیں: شہزاد بھی دیر تک ہنستا رہا: اور جب ہنسی کا یہ دور ختم ہوا تو اس نے عارف کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر امارہ کا تعارف کروادیا: اسے بتایا کہ یہ کون ہے: کہاں سے آئی ہے اور کن حالات کے تحت ان کے ہاں رہائش پذیر ہے: عارف بڑے غور سے اپنے بڑے بھائی کی گفتگو سنتا رہا: اور جب شہزاد سب کچھ بتا چکا تو عارف نے بڑے ہی افسردہ لہجے میں کہا:

مجھے معاف فرمایئے بھائی جان مجھے پتہ نہیں تھا: کہ وہ اس قدر دکھی ہے: میں تو سمجھا تھا کہ شاہدہ کی کوئی سہیلی ہوگی: حقیقتاً مجھے بہت دکھ ہوا ہے بھائی جان: کہیں اس نے میری باتوں کا بُرا نہ محسوس کر لیا ہو!

نہیں! تم دیکھ نہیں رہے تھے کہ وہ ہنستی رہی تھی: ہم نے اسے تمہاری عادت سے آگاہ کر دیا تھا: اسی لیئے اس نے تمہاری باتوں کا بُرا محسوس نہیں کیا:

تاہم مجھے بہت افسوس ہے بھائی جان: اور اب جو تحفہ ثمینہ باجی کیلیئے لایا تھا: وہ امارہ کو دے دوں گا: آپ بُرا تو نہیں محسوس کریں گے بھائی جان
نہیں! بلکہ مجھے خوشی ہو گی: تم تم امارہ کو تحفہ دو گے:
میں آج ہی تحفہ دے دونگا اور معافی بھی مانگ لوں گا:

شہزاد مُسکرا کر اٹھا: اور اس کے ساتھ ہی عارف بھی ایک ہاتھ میں لبستر اور دوسرے میں اٹیچی پکڑے اپنے کمرے کی جانب قدم اٹھانے لگا:

اور جب رات کے کھانے کے بعد گھر کے سارے افراد سلمیٰ بیگم کے کمرے میں جمع ہوئے تو عارف نے شاہدہ سے اپنا اٹیچی وہیں منگوالیا: اور اس سے مختلف تحائف نکال نکال کر ہر ایک کو دینے لگا:

ابو حضور ــــــ یہ چھڑی ایک خالص پہاڑی درخت سے بنوائی ہے اسمیں کوئی گانٹھ نہیں: کوئی جوڑ نہیں: لطف تو یہ ہے کہ ہر وقت بھینی بھینی خوشبو اس لکڑی سے آتی ہے:

قیوم صاحب نے چھڑی لے کر اسے غور سے دیکھا: اسے ناک کے قریب لے جا کر سونگھا: اور مُسکرا کر عارف کی جانب دیکھنے لگے: اپنے بیٹے کا تحفہ انہوں پسند فرمایا تھا:

اور امّی جان ــــــ یہ تسبیح آپ کے لئے ہے: اس کے دانے رات کے

اندھیرے میں ایسے چمکتے ہیں، جیسے آسمان پر ننھے ننھے تارے، وہاں ایک حاجی صاحب مہربان ہو گئے تھے، امی جان مجھ پر، انہوں نے کہا تھا کہ یہ تسبیح مدینہ منورہ سے خریدی تھی، اور حضور پاک کے روضہ کے ساتھ اسے مَلا تھا،

سلطے خاتون نے بڑی عقیدت سے تسبیح لی، اسے آنکھوں سے لگایا، بوسہ دیا، اور پھر بڑی احتیاط سے اسے اپنے تکیہ کے نیچے رکھ دیا۔

اور بھائی جان ——— یہ لیجئے اپنا سگریٹ کیس، لندن ہی کو تل سے منگوانا پڑا مجھے، اسی کے اندر لائٹر ہے، اور یہ ہیں دو عدد ٹائیاں، شہزاد نے دونوں چیزیں پسند کیں اور کافی دیر تک ان کی تعریف کرتا رہا، اور عارف کہنے لگا۔ تعریف اُس خدا کی جس نے ہمیں بنایا، اس کے بعد اس نے اٹیچی بند کیا اور ہاتھ جھاڑ کر خاموش بیٹھ گیا،

بھیا ——— چند لمحے بڑے غور سے اس کی جانب دیکھنے کے بعد شاہدہ کہنے لگی،

کیا بات ہے شاہدہ،

بھیا، کیا میرے لئے کوئی تحفہ نہیں لائے آپ،

اوہ، ہاں یاد آیا، عارف نے چونکتے ہوئے پھر اٹیچی کھولا، چند لمحے مسکرا مسکرا کر شاہدہ کی جانب دیکھتا رہا، اور پھر ایک بہت بڑی مالا نکال کر شاہدہ کے گلے میں ڈال دی، اس مالا میں کوئی خصوصیت نہیں تھی، عام سی لکڑی کے بھدے بھدے دانے تھے، اور پہلی ہی نظر میں ایسے معلوم ہوتی تھی، جیسے کسی دھو

کے گلے سے اتار کر لے آیا ہو۔

یہ لو شاہدہ ـــ پہاڑوں کی بلند چوٹیوں پر جہاں ہر وقت برف جمی رہتی ہے جہاں ٹھنڈی ہوائیں چلتی ہیں، جہاں کسی انسان کا کبھی گذر نہیں ہوا۔ وہاں تاریک غاروں میں ایک سادھو مہاراج رہتے ہیں۔ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو یہ مالا انہوں نے اپنے گلے سے اتار کر مجھے دے دی تھی۔ اور چونکہ شاہدہ تم مجھے سب سے عزیز ہو۔ اس لئے میں اپنی یہ عزیز ترین مالا تمہیں دے رہا ہوں اسے حفاظت سے رکھنا۔

شاہدہ نے اپنے گلے سے وہ مالا اتاری۔ پہلے اپنی امی اور ابو کی جانب روتی ہوئی نگاہوں سے دیکھا اور پھر اسے عارف کی گود میں پھینک کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

ہو گئی ناراض ـــ عارف نے مسکرا کر اپنی امی کی جانب دیکھا اور بھاگ کر شاہدہ کا بازو سے پکڑا اور اندر لے آیا۔

اچھا بھئی اگر تمہیں یہ مالا پسند نہیں تو یہ لو۔ تمہارے لئے دوسرا تحفہ بھی لایا ہوں۔ عارف نے دوبارہ اٹیچی کھولا اور لکڑی کی کھڑاؤں نکال کر اس کے سامنے رکھ دیں۔

یہ لو شاہدہ۔ سادھو جی مہاراج نے کہا تھا کہ لکڑی کی یہ کھڑاؤں پہن کر چلنے والے انسان کو کبھی تکلیف نہیں ہو گی۔ اور اس کی نظر کبھی کمزور نہیں ہو گی۔ یہ تحفہ تو قبول کر لو۔ میری بڑی اچھی بہن۔

شاہدہ نے کھڑاؤں پکڑیں اور دروازے سے باہر پھینکتے ہوئے کہنے لگی:

وہ مُوا سادھو میرے لیے ہی رہ گیا تھا۔ خدا جانے کہاں سے الم غلم چیزیں اٹھا لائے ہیں: اور مجھے تحفے دے رہے ہیں: بھائیں ہیں نہیں بولتی آپ سے:

شاہدہ کے آنسو نکل آئے اور وہ اپنی امی کی گود میں سر رکھ کر رونے لگی: قیوم صاحب سلطانہ بیگم، شہزاد اور امارہ اس مذاق سے محظوظ ہو رہے تھے: لیکن شاہدہ نے اپنے بھیا کے مذاق کا بُرا مان لیا:

اوہ تو اب ہماری بہن نے رونا شروع کر دیا ہے: اس سادھو جی مہاراج نے ...... بھیا: میرے سامنے اس سادھو کا نام نہ لیں! شاہدہ نے جلدی سے سلطانہ خاتون کی گود سے سر اٹھایا اور آنسو بہاتی: پلکیں جھپکا کر عارف کو تنبیہ کرنے لگی:

نہیں نہیں: مجھے تو خود اس کا نام معلوم نہیں: سب لوگ اسے سادھو ہی کہتے تھے: اس نے کہا تھا کہ جو شخص یہ دونوں تحفے قبول نہ کرے اور آنسو بہانے لگے اسے یہ تیسرا تحفہ دے دینا: اس کے آنسو خشک ہو جائیں گے: اور وہ مسکرانے لگے گی:

سادھو کے تیسرے تحفے کا ذکر سُن کر شاہدہ نے دوبارہ اپنا سر اپنی امی کی گود میں رکھ دیا: اور عارف نے ایک انتہائی خوبصورت نیکلس نکال کر اپنے دونوں ہاتھوں میں پکڑ لیا:

بھئی یہ تیسرا تحفہ تو واقعی لاجواب ہے — قیوم صاحب نے مسکرا کر

کہا: شاہدہ نے آہستہ آہستہ سر اٹھایا اور نیکلس کو دیکھ کر مسکرانے لگی:

دیکھا: سادھو جی مہاراج کی ہر بات سچی ثابت ہو رہی ہے:

شاہدہ نے نیکلس لیا: اسے بڑے غور سے دیکھتی رہی: پھر وہ اسے اپنے گلے میں ڈالنے ہی لگی تھی کہ اچانک اسے کوئی خیال آیا اور اس نے وہ نیکلس قریب بیٹھی ہوئی امارہ کے گلے میں ڈال دیا: قیوم صاحب اپنی بیٹی کیجانب بڑی پیار بھری نگاہوں سے دیکھنے لگے: اور سلطے خاتون نے ایک بار پھر اس کا سر اپنی گود میں رکھ کر ماتا کا پیار اس پر نثار کرنا شروع کر دیا:

لیکن شاہدہ ــــ سادھو جی مہاراج نے کہا تھا میرے گھر میں آجکل امارہ تمارا بھی ہے: اس لئے میں اس کے لئے بھی ایک تحفہ لایا ہوں: اس نے اٹیچی سے ایک خوبصورت سی رلیسٹ واچ نکالی اور اپنے بھائی سے کہنے لگا:

بھائی جان: یہ کون ہے: اس کا اشارہ امارہ کیجانب تھا:

یہ امارہ ہے: شہزاد نے مسکرا کر جواب دیا:

یہ امارہ ہے: یا تمارا ہے: یہ گھڑی آپ اسے دے دیں: امارہ تمارا کا فیصلہ بعد میں ہو گا:

شہزاد نے مسکرا کر گھڑی لی اور امی جان کیجانب بڑھا دی:

لیکن وہ گھڑی شاہدہ نے اپنی کلائی پر باندھ لی: اور امارہ کے گلے میں خوبصورت نیکلس دیکھ دیکھ کر مسکرانے لگی

سردیوں کے ابتدائی ایام تھے: لوگوں نے ململ کے کرتے اتار
کر پوری آستینوں کی قمیض اور سویٹر پہننے
شروع کر دیئے تھے: چارپائیاں صحنوں اور
چھتوں سے اُٹھا کر کمروں کے اندر بچھالی
تھیں: بعض زیادہ ہی شوقین قسم کے لوگوں
نے گرم سوٹ ڈرائی کلین کروانے کے بعد زیب
تن کر لیئے تھے: دھوپ کی تمازت ختم ہو چکی
تھی: گرم اور بہتی ہوئی لُو کی جگہ ٹھنڈی ہوائیں

چلنے لگی تھیں اور گھروں کے صحنوں میں بوڑھوں اور بچوں نے صبح کے وقت میٹھی میٹھی دھوپ میں بیٹھنا شروع کر دیا تھا۔

ایک دن

امارہ بیدار ہوئی تو اسے اپنے جسم کے ایک ایک جوڑ میں ہلکا ہلکا درد محسوس ہونے لگا۔ اس نے سمجھا کہ تھکن ہے ہفتہ کا رتجگا کیونکہ جب سے ایسا ہو رہا تو اس نے پرواہ نہیں کی۔ اور حسب معمول صبح سویرے اٹھ کر نماز ادا کرنے کے بعد گھر کے دوسرے کام میں مصروف ہو گئی۔ شاہدہ، عارف اور شہزاد اٹھے اور تیار ہو کر ناشتہ کے بعد کالجوں اور دفتروں میں چلے گئے۔ لیکن امارہ کے جسم کا درد بڑھتا گیا۔ ناشتہ کی بجائے اس نے اسپرو کی دو ٹکیاں کھائیں لیکن اسے افاقہ نہ ہوا۔ اور وہ جب سارے امور سے فارغ ہو گئی تو غیر اختیاری طور پر اس کے قدم بستر کی جانب اٹھنے لگے۔ اس نے لحاف اوڑھا اور آنکھیں بند کر کے لیٹ گئی۔

شاہدہ کالج سے واپس آئی تو امارہ کو اپنی امی کے قریب نہ پا کر سیدھی اپنے کمرے میں گئی اور امارہ کو لحاف اوڑھے دیکھ کر ٹھٹک گئی۔

باجی!

امارہ باجی!

لیکن امارہ نے کوئی جواب نہیں۔ لحاف اوڑھے بے خبر سوتی رہی۔ اور جب شاہدہ نے اس کے چہرے سے لحاف اتار کر دیکھا۔ تو امارہ کا خوبصورت

سا چہرہ بخار کی تپش کی وجہ سے سرخ ہو رہا تھا۔ اس کی آنکھیں چڑھی ہوئی تھیں۔ اور وہ بخار کی بے ہوشی میں دنیا و مافیہا سے بے خبر لیٹی سو رہی تھی۔ شاہدہ نے اس کی پیشانی پر ہاتھ لگایا تو جلدی ہی سے اٹھا لیا۔

اوہ ۔۔۔ اتنا تیز بخار۔ وہ بڑبڑائی اور اپنی امی کے کمرے کیجانب بھاگنے لگی

امی جان۔ امی جان۔

جی بیٹی۔

سلمیٰ خاتون کے قریب ہی قیوم صاحب بیٹھے کسی کتاب کے مطالعہ میں مصروف تھے۔ شاہدہ کو گھبرائی ہوئی دیکھ کر اس کیجانب دیکھنے لگے۔

امی جان۔ امارہ باجی کو تیز بخار ہے۔ وہ بے ہوش ہے۔ امی جان۔

بے ہوش ہے۔ سلمیٰ خاتون جلدی سے پلنگ سے اٹھی اور سلیپر پہنتے ہوئے بڑبڑانے لگی۔

میں بھی سوچ رہی تھی کہ آج صبح سے امارہ بیٹی دکھائی کیوں نہیں دی۔ مجھے کیا پتہ تھا۔ کہ وہ بخار میں بے ہوش پڑی ہے۔ میں سمجھی اپنی چچی کے ہاں گئی ہوگی چلو بیٹی۔ چلو جلدی کرو۔

شاہدہ اور سلمیٰ خاتون کے ساتھ ہی قیوم صاحب بھی اٹھے اور امارہ کے قریب پہنچ کر اس کی نبض دیکھنے لگے۔

بہت تیز بخار ہے سلمیٰ۔ گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ میں ابھی ڈاکٹر کو فون

کرتا ہوں:

ذرا جلدی کیجئے! خدا جانے کب سے ایسے ہی بے ہوش پڑی ہے، یا اللہ تو آرام دے میری بچی کو! سلمٰے خاتون نے اپنے دوپٹے کا پلو اٹھا کر اسی وقت خدا کے حضور گڑگڑانا شروع کر دیا۔ قیوم صاحب ڈاکٹر کو فون کرنے کے لیے باہر نکل گئے اور شاہدہ گھبرائی ہوئی اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ چند لمحوں کے بعد قیوم صاحب کے ساتھ ڈاکٹر اپنا بیگ اٹھائے کمرے میں داخل ہوئے تو سلمٰے خاتون بڑی بے تابی سے کہنے لگیں

دیکھنا بیٹا! کیا ہو گیا ہے میری بیٹی کو! یہ تو میرے پاس امانت ہے! یا اللہ اسے شفا دے! ورنہ میں اس کی امی کو کیسے منہ دکھا سکوں گی!

ڈاکٹر شہزاد کا ہم جماعت تھا! بی اے آخری سال تک دونوں اکٹھے پڑھتے رہے بی اے کرنے کے بعد شہزاد نے ایک پرائیویٹ فرم میں ملازمت اختیار کر لی! اور ڈاکٹر جاوید نے ایم بی بی ایس میں داخلہ لے لیا۔ سلمٰے خاتون جاوید کو بچپن ہی سے جانتی تھیں۔ اور اسے بیٹا ہی کہا کرتی تھیں! وہ بھی اپنے دوست شہزاد کی امی کو ہمیشہ خالہ جان کہتا! اور بیماری کے موقع پر ہمیشہ ان کے کام آتا! اپنی خالہ کی گھبراہٹ دیکھ کر ڈاکٹر مسکرانے لگا! اور پھر کہنے لگا!

خالہ جان گھبرانے کی ضرورت نہیں! صرف بخار ہے۔ بہت جلد آرام آجائے گا

بیٹا! ذرا خوب اچھی طرح دیکھنا! بخار ہے تو یہ آنکھیں کیوں نہیں کھولتی! یہ تو بے ہوش پڑی ہے!

ہاں خالہ جان، بخار کی شدت کیوجہ سے ایسا ہے، لیکن رات سے پہلے پہلے یہ ٹھیک ہو جائیں گی۔ میں ابھی جا کر دوائی بھیجتا ہوں، ایک ایک گھنٹے کے بعد دیتے رہنا، شام کے وقت میں دوبارہ آؤں گا۔

اچھا بیٹا جاؤ۔ ذرا جلدی بھیجنا دوائی۔

ابھی بھیجتا ہوں خالہ جان، آپ فکر بالکل نہ کریں، مجھے مریضہ سے زیادہ آپ کی فکر ہے۔

جیتے رہو بیٹا۔ بوڑھی ماؤں کی فکر جوان بیٹے نہیں کریں گے تو اور کون کرے گا۔ لیکن بیٹا، اس وقت تم امارہ بیٹی کی فکر کرو۔ میں بہت پریشان ہوں۔

آپ کی پریشانی دور ہو جائے گی خالہ جان۔ ہاں انہیں آج صرف چائے ہی دیں۔ میں شام کے وقت آؤں گا تو حالت دیکھ کر مزید کچھ عرض کر سکوں گا۔

سلمیٰ خاتون شاید کچھ اور بھی کہتیں، لیکن ڈاکٹر جاوید جلدی سے سلام کرتا ہوا باہر نکل گیا، اور چند منٹوں کے اندر اندر اس نے ملازم کے ہاتھ ایک شیشی میں دوا بنا کر بھیج دی۔ سلمیٰ خاتون نے تو وہیں شاہدہ کے بستر پر اپنا ڈیرہ ڈال دیا تھا، وہ ہر پانچ منٹ کے بعد اٹھتیں اور امارہ کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر بخار کا اندازہ فرمانے لگتیں شاہدہ گھبرائی گھبرائی پھر رہی تھی، قیوم صاحب کو جاوید کی لیاقت اور قابلیت پر پورا بھروسہ تھا، اس لئے وہ مطمئن انداز میں قریب ہی کرسی پر بیٹھے دوبارہ مطالعہ میں مصروف ہو گئے تھے۔

شہزاد سے پہلے عارف اپنے کالج سے آیا۔ اور سارے افراد کو یوں منہ لٹکائے دیکھ کر خاموش ہو گیا۔ اس کے سامنے امارہ لحاف اوڑھے خاموش لیٹی تھی۔ اسکا چہرہ ننگا تھا۔ جس پر بخار کی حدت نے ابھی تک سرخیاں بکھیر رکھی تھیں۔ وہ بڑے غور سے اسے دیکھتا رہا۔ اسے خاموش آنکھیں بند کئے لیٹی ہوئی امارہ بڑی ہی پیاری سی دکھائی دینے لگی۔ اس کا دل چاہا۔ کہ وہ اس کے قریب بیٹھ کر اس کے چہرے پر بکھری ہوئی ساری سرخیوں کو اپنی پلکوں سے چن لے۔ یا پھر اس کے کان کے قریب اپنے ہونٹ رکھ کر آہستہ آہستہ ایسی سرگوشیاں کرنے لگے۔ جو پیشتر ازیں اس دنیا کی مخلوق نے نہ سنی ہوں۔ اگر وہ تنہا ہوتا تو ممکن ہے۔ ایسے ہی کرنے لگتا۔ اپنی سوچ کو عملی جامہ پہنا دیتا۔ لیکن یہاں تو اس کی امی۔ ابا۔ چھوٹی بہن سبھی موجود تھے۔ وہ اپنی اس شدید خواہش کو دل ہی میں دبا کر رہ گیا۔ وہ کچھ بھی نہ کر سکا۔ اور پھر خاموش بیٹھ کر اُسے دیکھنے میں مصروف ہو گیا۔

چند لمحوں کے بعد شہزاد بھی دفتر سے واپس آ گیا۔

اوہ۔ کیا بات ہے۔ کیا ہوا امارہ کو۔

بخار ہے بیٹا۔ صبح سے ایسے ہی بے ہوش پڑی ہے۔ جاوید بیٹا آیا تھا۔ اس نے دوا بھیجی ہے۔ ابھی تو دو ہی خوراکیں پلائی ہیں۔

صرف بخار ہے۔ یا ——

صرف بخار ہے۔ بیٹا لیکن اتنا تیز بخار تو میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

شہزادی نے آگے بڑھ کر امارہ کی پیشانی پر ہاتھ رکھا؛ پیشانی ابھی تک تپ رہی تھی؛ لیکن شہزاد کو ایسے محسوس ہوا جیسے اس تپش میں پسینے کی ٹھنڈک بھی شامل ہو؛

پسینہ آ رہا ہے امی جان اسے تو؛ شہزادی نے سلمیٰ خاتون کیجانب دیکھ کر کہا؛

پسینہ ـــــ سلمیٰ خاتون جلدی سے اٹھیں اور امارہ کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر دیکھنے لگیں؛ پھر انہوں نے اپنا ایک ہاتھ لحاف کے اندر داخل کیا؛ اور امارہ کے جسم کو جگہ جگہ سے دیکھ کر کہنے لگیں؛

ہاں بٹیا؛ خدا کا شکر ہے؛ اب بخار ٹوٹ جائے گا؛

لیکن امی جان؛ صبح تو یہ بالکل ٹھیک تھی؛ اتنی جلدی ہی اتنا شدید بخار؛

شام سے پہلے پہلے امارہ کا بخار ہلکا ہو گیا؛ اس نے آنکھیں کھول دیں؛ اور ادہر اُدہر کمرے میں نگاہیں گھما کر دیکھا؛ تو گھر کے سارے افراد اس کے ارد گرد بیٹھے اسے پیار بھری نگاہوں سے دیکھ رہے تھے؛

میں .... مجھے .... اس نے نحیف آواز میں کہا؛ اور پھر اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی؛

بخار ہے؛ بیٹی؛ جلدی آرام آجائے گا؛ پیاس تو محسوس نہیں ہو رہی؛

جی نہیں ـــــ امارہ نے آہستہ سے جواب دیا؛ اور پھر آنکھیں بند کر لیں؛

ایک ہی دن کے بخار نے اس کی ساری توانائیاں چھین لی تھیں؛ اور وہ اس طرح کمزوری محسوس کر رہی تھی؛ جیسے مدتوں سے بیمار ہو؛

شہزاد اٹھا اور ڈاکٹر جاوید کی جانب چل دیا: وہ چاہتا تھا کہ اس سے علیحدگی میں بیماری کی کیفیت دریافت کرے: اور جب وہ جاوید کے دواخانے میں پہنچا تو جاوید انہی کے ہاں جانے کی تیاری کر رہا تھا:

کیوں خیریت تو ہے ـــ مرلیفہ کا کیا حال ہے: اسے پسینہ آیا ہے اور اب ہے اس نے آنکھیں کھول دی تھیں: ٹھیک ہے صبح تک انشاء اللہ بالکل ٹھیک ہو جائے گی:

کیوں جاوید ـــ صرف بخار ہی ہے نا: کوئی اور مرض تو نہیں:

بھئی جس وقت میں گیا تھا: مرلیفہ بیہوش تھی: میں نے معائنہ کیا تو صرف بخار ہی کا پتہ چلا: اب تمہارے ساتھ ہی جا رہا ہوں: اگر کوئی اور بھی تکلیف ہوئی تو دریافت کرونگا

آج صبح تک تو اس نے کسی تکلیف کا ذکر نہیں کیا تھا: اور کیا تکلیف ہو سکتی ہے اسے ـــ شہزاد نے بڑبڑاتے ہوئے اپنے آپ سے کہا: اور جاوید ہنسنے لگا:

زیادہ ہی فکر دکھائی دے رہے ہو یار: یہ مرلیفہ کون ہے: پہلے تو کبھی دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا:

اوہ ـــ آں ـــ اوہ شہزاد مسکرانے لگا: کیا کہا تم نے:

میں نے صرف اس قدر کہا ہے حضور کہ یہ مرلیفہ کون ہے اور آپ اتنے پریشان کیوں ہیں:

مرلیفہ ـــ مرلیفہ سب کچھ ہے یار: اب پریشانی کی وجہ خود ہی سمجھ لو:

اوہ ـــ اتنا حسین انتخاب: تم سے تو مجھے توقع نہیں تھی: بہرحال آنسو

بھانے شروع کر دیا ۔ صبح تک تمہاری سب کچھ بالکل تندرست ہو جائے گی :

بہت کمزور ہو گئی ہے بیمار ۔ ایک دن میں اس کی آواز نہیں پہچانی جاتی :

بخار ٹوٹ جانے دو ۔ پھر طاقت کے ٹیکے بھی لگا دوں گا ۔ اور دنیا بھر کے ٹانک بھی تجویز کر دوں گا :

شہزادہ اپنے چہرے پر دقیق کیا اب دیکھ کر مسکرانے لگا : اور پھر دونوں دوست ہنستے گھر کی طرف چل دیے ۔ بیمار نے آنکھیں کھول رکھی تھیں : اور اب بڑی خفیف آواز میں اپنی حالت اور شکایت بھی کبھی کبھار گفتگو بھی کر رہی تھی :

کیا حال ہے بہن رفیعہ کا خانم جانی :

اب تو اتنا عرصے بیٹا ۔ سلمیٰ خاتون نے جا بجا دعائیں دیتے ہوئے کہا :

جا بجا ہر سے آگے بڑھ کر نبض دیکھی ۔ تو تھرمامیٹر لگایا ۔ اور پھر سٹیتھسکوپ سینہ اور کمر دیکھنے لگے کچھ دیر لگتے رہے :

مسٹر شہزادہ — مجھے تو بخار سر میں ہے ۔ اور کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوتی :

کیوں بیمارو — کوئی اور شکایت تو نہیں تمہیں :

بیماری کی صدمہ بھی باقی ہے ۔ ٹمپریچر بالکل ٹھیک تھا ۔ صرف اس بیدہ حال میں بھی خاموش نہ رہ سکا :

بھائی جان — اس کے تیلی ٹمپریچر بالکل نبض تنفس رکھا ہے ! کاپی پنسل دیدو تاکہ ڈاکٹر صاحب کے سوالوں کا جواب لکھ کر دیتی رہیں :

باقی سب لوگوں کے علاوہ امارہ بھی مسکرانے لگی۔ اس نے نگاہیں گھما کر عارف کی جانب دیکھا۔ عارف کا دل چاہا کہ اس طرح نگاہیں گھما کر دیکھنے کے انداز پر اپنی زندگی بھر کی راحتیں قربان کر دے۔ لیکن وہ صرف مسکراتا رہا۔ جاوید نے جلدی سے تھرمامیٹر منہ سے نکالا اور حرارت دیکھنے لگا۔

صرف سو ہے۔ انشاء اللہ جلد ہی ٹوٹ جائے گا۔

یعنی ایک سنچری پوری ہو گئی عارف نے جلدی سے پوچھا۔

جی ہاں۔ جاوید نے مسکرا کر جواب دیا۔

اور ابھی تک یہ آؤٹ نہیں ہوئی۔

چپ رہو شریر کہیں کا۔ سلمٰی خاتون نے آؤٹ کے لفظ پر عارف کو ڈانٹ پلائی۔

اوہ۔ معاف فرمایئے امی جان۔ یونہی زبان سے نکل گیا۔

ڈاکٹر جاوید نے بیگ سے سرنج نکال کر ٹیکہ لگایا۔ چند ایک گولیاں دیں اور ہدایات دیتا ہوا شہزاد کے ساتھ کمرے سے باہر نکل گیا۔ قیوم صاحب بھی تھوڑی دیر تک بیٹھے رہے اور جب انہیں یقین آ گیا کہ امارہ اب ٹھیک ہو جائے گی۔ معمولی بخار ہے صبح تک بالکل ختم ہو جائے گا۔ تو وہ اُٹھے اور اس کے سر پر شفقت بھرا ہاتھ پھیر کر اپنے کمرے میں چلے گئے۔ البتہ سلمٰی خاتون ساری رات اسی کمرے میں رہیں۔ انہوں نے اپنا کھانا بھی وہیں منگوایا۔ نماز بھی وہیں ادا کی اور پھر کافی رات تک بچوں کے ساتھ بیٹھی ادھر اُدھر کی گفتگو سے امارہ کا دل بہلاتی رہیں۔ اور پھر شاہد

کے ساتھ ہی اس پلنگ پر لیٹ کر سو گئیں ؛

اور دوسرے دن

جب شاہدہ اور عارف کالج چلے گئے تو شہزاد نے دفتر جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا

تم بھی چلے جاؤ دفتر بیٹا : امارہ بیٹی کو تو اب آرام ہے ؛ سلمٰی بیگم نے اسے کہا ؛

آج کا دن احتیاط ضروری ہے ؛ امی جان کہیں دوبارہ بخار نہ ہو جائے : کل چلا

جاؤں گا دفتر ؛

شہزاد نے بہانہ بنایا اور پھر امارہ ہی کمرے میں اس کے قریب کرسی بچھا کر بیٹھ گیا

اور دوپہر کے وقت جب سلمٰی خاتون اور قیوم صاحب اپنے اپنے کمروں میں بیٹھے

تھے : شہزاد نے امارہ کو دوا کی خوراک پلائی اور کہنے لگا :

امارہ ؛

جی ؛

اب طبیعت کیسی ہے ؛ ؟

اب تو صرف کمزوری ہے جی ؛ بخار ٹوٹ گیا ہے :

ہاں ڈاکٹر کہتا تھا کہ میں طاقت کی دوا دوں گا : ایک ہی دن کے بخار نے تمہیں

نڈھال کر دیا ہے :

امارہ خاموش نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی ؛

تمہاری تعلیم کا کیا حال ہے امارہ ؛ شہزاد نے گفتگو جاری رکھنے کے لئے پوچھا

موضوع تلاش کیا۔

جی ٹھیک ہے۔ میں دوسری کتاب ختم کرلی ہے۔ امارہ نے مسکرا کر جواب دیا۔

میں چاہتا ہوں امارہ تم جلد از جلد زیادہ سے زیادہ کتابیں پڑھ لو۔ چچی جان کو اپنی بیٹی کی تعلیم پر بڑا غرور ہے۔ اور تم نے دیکھا ہے ثمینہ اپنی انگریزی پر کتنا فخر کرتی ہے کاش تم اس کی انگریزی کا جواب انگریزی ہی میں دے سکو۔ پھر میرا سران کے سامنے اونچا ہو جائے گا۔

امارہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ اس پرنگاہیں جما کر مسکراتی رہی۔

ہاں امارہ۔ میں چاہتا ہوں کہ ان سردیوں میں تم خوب محنت کرو۔ میں ان کا یہ طعنہ نہیں سننا چاہتا۔ کہ شہزاد نے ایک ایسی لڑکی پسند کیا ہے جو جاہل ہے۔ ان پڑھ ہے۔ جب ثمینہ مجھے تمہارے ان پڑھ ہونے کا طعنہ دیتی ہے۔ تو میں اپنا سر جھکا لیتا ہوں۔ میں اسے کچھ بھی نہیں کہہ سکتا۔ اس کے سامنے میری زبان بند ہو جاتی ہے۔ وعدہ کرو امارہ کہ تم محنت کرو گی۔

جی محنت تو کر رہی ہوں۔ امارہ نے مسکرا کر جواب دیا۔

ہاں۔ میرے مستقبل کا انحصار صرف تمہاری محنت پر ہے۔ میں بہت جلد امارہ امی جان سے کہہ دونگا۔ کہ میں ثمینہ سے شادی نہیں کرنا چاہتا۔ آجتک محض امی جان کے خیال سے خاموش رہا۔

لیکن تمہارے ساتھ اس کا سلوک دیکھ کر مجھے اس سے شدید نفرت ہو گئی ہے

نفرتوں کے اس انبار کو میں اپنے سینے سے کیسے لگا سکتا ہوں: امارہ:

شہزاد جی ــــ امارہ نے مسکرا کر شہزاد کیجانب دیکھا اور شہزاد نے جلدی سے سے اس کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر دبا لیا اور بڑے ہی پیار سے کہنے لگا

جی ــــ

اگر آپ نے ثمینہ کے ساتھ شادی کرنے سے انکار کر دیا: تو اس گھر میں طوفان لہرانے لگیں گے: سارے ہی لوگ میرے دشمن بن جائیں گے: خدا جانے مجھ پر کیسے کیسے الزام لگائے جائیں:

میں جانتا ہوں امارہ: لیکن ہمارے گھر کا کوئی فرد تمہارا دشمن نہیں بنے گا: البتہ ثمینہ اور اس کی امی ضرور تمہارے خلاف ہو جائیں گی: لیکن ان کی کون پرواہ کرتا ہے: امارہ تمہاری خاطر تو ساری دنیا سے ٹکر لینے کی جرأت کر سکتا ہوں:

امارہ اس کیجانب دیکھ کر مسکرانے لگی:

امارہ: جب تم اس طرح مسکرا کر دیکھتی ہو تو مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے سارے جہاں کی کلیاں مسکرانے لگی ہوں: جیسے بہاروں نے اپنی ساری رعنائیاں میرے قدموں پر نچھاور کر دی ہوں: جیسے بلبلوں نے خوشی کے ترانے شروع کر دیئے ہوں: جیسے کائنات جھوم اٹھی ہو:

آپ نے تو شاعری ہی شروع کر دی شہزاد جی:

یہ شاعری کی ابتدا تو اسی وقت ہو گئی تھی: امارہ جب قدرت نے اپنے ہاتھوں سے

تمہیں تخلیق کیا تھا؛ خود قدرت نے تمہیں تخلیق کر کے ایک حسین شعر کہا ہے میں اگر اس شعر کی تعریف نہ کروں تو بڑی بدذوقی ہوگی؛ تم سراپا شعر ہو؛ ایسا پیارا شعر کہ انسانی روح جھوم اٹھتی ہے!

آپ بہک گئے ہیں؛ شہزاد جی امارہ نے مسکرا کر جواب دیا!

جب تک اس دنیا میں عورت، شراب اور پھول موجود ہیں؛ انسان بہکتا رہیگا اور تم جانتی ہو امارہ کہ بہکا ہوا انسان عورت، شراب؛ اور پھول سے زیادہ خوبصورت ہوتا ہے

اچھا امارہ نے عجیب انداز سے شہزاد کیجانب دیکھا اور اپنا چہرہ لحاف ہی چھپا لیا!

اور ابھی شہزاد احتجاج کرنے ہی والا تھا؛ کہ برآمدے میں اس کی چچی فضیلت کی آواز سنائی دی۔ وہ سلمیٰ خاتون سے گفتگو کرتی ہوئی اسی کمرے کیجانب آرہی تھی شہزاد نے اپنی کرسی پلنگ سے ذرا دور کھسکا لی؛ اور شاہدہ کی ایک کتاب اٹھا کر پڑھنے میں مصروف ہوگیا!

بیٹا؛ کیسی طبیعت ہے امارہ کی؛ سلمیٰ خاتون نے کمرے میں قدم رکھتے ہوئے پوچھا

غالباً سو رہی ہے امی جان؛ اب تو بخار ٹوٹ گیا ہے:

فضیلت بی بی چند لمحے لحاف میں لپٹی ہوئی امارہ کیجانب دیکھتی رہی اور پھر شہزاد سے کہنے لگی:

کیا دفتر آج بند ہے؛ بیٹا

جی نہیں چچی جان؛ میں ہی آج دفتر نہیں گیا؛ چھٹی کی درخواست بھیج دی تھی!

اوہ ــــ فضیلت کے تن بدن میں چنگاریاں سلگنے لگیں:

آؤ بہن ــــ میرے کمرے میں بیٹھتے ہیں: یہاں ہماری گفتگو سے امارہ کی نیند اچاٹ ہو جائے گی:

بہت کمزور ہو گئی ہے: میری بچی:

فضیلت کا دل نہیں چاہتا تھا: کہ وہ شہزاد کو تنہا اس کمرے میں چھوڑ کر جائے: لیکن بادل نخواستہ وہ قدم اٹھاتی ہوئی سلمیٰ خاتون کے ساتھ باہر نکل گئی: اور جب ان دونوں بزرگوں عورتوں کے قدموں کی آواز مدہم ہوتے ہوتے ختم ہو گئی تو امارہ نے اپنے چہرے سے لحاف اتار دیا: اور شریر نگاہوں سے شہزاد کیجانب دیکھ کر کہنے لگی:

آپ نے جھوٹ بولنا کب سے سیکھ لیا: شہزاد جی:

جب سے تمہاری دنیا میں قدم رکھا ہے: امارہ

جھوٹے کہیں کے: امارہ نے بڑے ہی شوخ انداز میں کہا اور پھر لحاف اوڑھ لیا

ایک روز سہ پہر کی سنہری دھوپ میں سلمٰی خاتون صحن میں چارپائی بچھائے سبزی کاٹ رہی تھیں؛ امارہ ان کے قریب بیٹھی سوئٹر بُن رہی تھی اسے عرصہ ہوا بخار سے آرام آچکا تھا؛ تاہم گھر کے کام کاج کرنے سے اسے منع کر دیا گیا تھا اور بیماری سے اٹھنے کے بعد وہ یا تو شاہدہ کا دیا ہوا سبق پڑھتی تھی؛ یا پھر سوئٹر بننا شروع کر دیتی تھی؛ سبق کا تو ایک بہانہ تھا؛ تاکہ گھر کے افراد اسی

غلط فہمی میں مبتلا رہیں کہ امارہ محنت کر رہی ہے۔ وہ اکثر کتاب اپنے ہاتھ رکھتی جب کوئی اس کے قریب آ کر بیٹھ جاتا تو وہ کتاب کھول لیتی۔ اور جب وہ تنہا ہوتی تو مسکرا کر کتاب بند کر دیتی۔ شہزاد نے اسے اون لا دی تھی کہ سردیوں کے لئے اپنا سوئٹر خود تیار کرے۔ چونکہ سردیاں بڑی تیزی سے آ رہی تھیں۔ لہٰذا آجکل اس کا زیادہ تر وقت سوئٹر بننے میں صرف ہوتا تھا۔

بیٹی!

جی خالہ جان!

بیٹی! تیرے ہاتھ میں تو بڑی صفائی ہے۔ اپنا سوئٹر ختم کرنے کے بعد اپنے خالو جان کے لئے بھی ایک سوئٹر تیار کر دینا۔ آج صبح انہوں نے تمہارا یہ سوئٹر دیکھا تو بڑی دیر تک تعریف کرتے رہے!

جی بہت اچھا خالہ جان! آپ اگر مجھے آج ہی اون منگوا دیں۔ تو پہلے خالو جان کا سوئٹر تیار کر دوں!

نہیں بیٹی! پہلے اسے ختم کر لو۔ ان کے پاس تو دو تین موجود ہیں۔ اور تمہارے پاس ایک بھی نہیں!

جی بہت اچھا خالہ جان!

امارہ نے سر جھکا کر دوبارہ اپنی توجہ سوئٹر کی سلائیوں پر مبذول کر دی!

اوہ! امی جان! آج آپ پھر پلنگ کاٹ رہی ہیں۔ شاہد نے کالج سے آ کر

اعتراض کیا: اسے پالک قطعاً پسند نہیں تھی : اور جس دن بھی پالک پکتی وہ اکثر کھانا گول کر جاتی :

بیٹی: تمہارے لئے تو دوپہر کا سالن موجود ہے : عارف کا اصرار تھا کہ آج پالک پکائی جائے !

جی ہاں! عارف بھیا تو جان بوجھ کر تنگ کرتے ہیں: وہ جانتے ہیں کہ میں پالک نہیں کھاتی : اسی لئے اصرار کرتے ہیں !

لیکن شاہدہ تم پالک کیوں نہیں کھاتیں : یہ تو بڑی اچھی سبزی ہے ! امارہ نے مسکرا کر پوچھا !

جی ہاں: بڑی اچھی سبزی ہے ! جیسے ہنڈیا میں مہندی گھول رکھی ہے ! ہاتھوں پر لگانے کی بجائے پیٹ میں ڈالتے رہو ! لاحول ولا قوۃ !

تو بھئی تم ہاتھوں پر لگا لیا کرو : سلطنے خاتون نے ہنستے ہوئے کہا :

توبہ توبہ ! بھلا امی جان لوگ مہندی کیوں لگاتے ہیں : مہندی میں اور گوبر میں کیا فرق ہے ! میں نے تو اکثر دیکھا ہے : امی جان کہ بعض بوڑھے اپنے سر اور داڑھی کے بالوں پر بھی لگاتے ہیں ! توبہ توبہ : شکر ہے کہ ہمارے ابو جان نہیں لگاتے ورنہ میں یہ گھر چھوڑ کر بھاگ جاتی !

واہ وا ! سبحان اللہ : آج پالک پک رہی ہے : عارف نے دور ہی سے صحن میں قدم رکھتے ہوئے نعرہ لگایا : وہ جانتا تھا کہ شاہدہ پالک سے نفرت

کرتی ہے! اکثر اسے تنگ کرنے کیخاطر پالک کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملایا کرتا تھا:

جی ہاں! آج تو آپ کی عید ہے۔ بخوب جی بھر کے کھائیے اور جو پیٹ میں نہ جاسکے تو ہاتھوں پر، سر کے بالوں پر اور چہرے پر بھی لگا لیجئے!

بھئی واہ! اب تم میں عقل کے جراثیم پیدا ہو رہے ہیں! میں چہرے پر لگالوں گا! اور تم کھاؤ گی! کیوں!

جی معاف کیجئے! بھلا اس گوبر کو گرم کرنے کی کیا ضرورت ہے! ویسے ہی کھالیا کریں

بالکل درست کہا تم نے! میں نے آج ہی سنا ہے کہ کچی سبزیوں میں وٹامن زیادہ ہوتے ہیں! اور پھر پالک تو تمام وٹامنز کی شہنشاہ ہے اس میں اے سے لے کر زیڈ تک تمام وٹامنز موجود ہیں! امّی جان آپ تو ہر روز یہی پکایا کریں! شاہدہ بہت کمزور ہو گئی ہے! انشاءاللہ اس کی صحت ٹھیک ہو جائے گی!

مجھے بخشئیے بھیا! میں کمزور اچھی! مجھے نہیں چاہئیں ایسے وٹامنز لیجئے! بھائی صاحب آگئے! ان سے فیصلہ کراتے ہیں کہ تمہیں وٹامنز کی ضرورت ہے یا نہیں!

شہزاد صحن میں داخل ہوا اور .... سب کو دھوپ میں بیٹھے دیکھ کر اپنے کمرے کیجانب جانے کی بجائے! انہی کیجانب قدم اٹھانے لگا!

ں نے عارف اور شاہدہ کے مذاق میں کسی قسم کا حصّہ نہیں لیا! بلکہ بڑی سنجیدگی سے

قریب ہی پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھ گیا؛ چند لمحے امارہ کیجانب دیکھتا رہا؛ پھر پوچھنے لگا؛

کیوں امارہ ـــــ تم کراچی میں بھلا کیا کیا کرتی تھیں ؟!

کراچی میں ـــــ کچھ بھی نہیں؛ اپنے گھر میں رہتی تھی؛ کیوں ـــــ ؟ امارہ نے نگاہیں اُٹھا کر پوچھا؛

کیا تم نے کسی کے گھر میں ملازمت بھی کی تھی ؟

امارہ کا دل دھڑکنے لگا؛ کہ یہ کراچی کا ذکر آج کیوں چھڑ گیا ہے؛ کیا اس کے بھیا یا بھاوج کو تو پتہ نہیں چل گیا؛ کہ میں آجکل کہاں ہوں ـــــ لیکن انہیں میرے یہاں رہنے پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے : اور انہیں علم بھی کیسے ہو سکتا ہے؛ کہ میں یہاں ہوں ـــــ

وہ دل ہی دل میں سوچنے لگی؛

تو پھر یہ کیوں پوچھ رہے ہیں !

ملازمت ـــــ نہیں تو : مجھے ملازمت کرنے کی کیا ضرورت تھی ؛

سلمیٰ خاتون سبزی کاٹتے کاٹتے شہزاد کیجانب دیکھنے لگی ؛ عارف اور شاہدہ بھی شہزاد کو سنجیدہ دیکھ کر اسکے چہرے پر نگاہیں جمائے اسے دیکھ رہے تھے !

کیوں بیٹا ؛ یہ تم کراچی کا ذکر کیوں لے بیٹھے ؛ بات کیا ہے آخر ؛

کراچی سے یہ ایک خط آیا ہے امّی جان ! شہزاد نے اپنی جیب سے ایک لفافہ نکال کر سلمیٰ خاتون کے ہاتھ میں دے دیا ؛

کراچی سے خط ؛ میرے نام ـــــ امارہ نے جلدی سے پوچھا ؛

"نہیں، ایڈریس تو میرا ہی ہے، لیکن تحریر ساری تمہارے ہی متعلق ہے۔" شہزادے نے مسکرا کر جواب دیا۔

"تو بیٹا تم پڑھ کر سنا دو، کیا لکھا ہے اس میں۔"

شاہدہ نے جلدی سے لفافہ پکڑا اور اندر سے تحریر نکال کر پڑھنے لگی۔ جیسے جیسے وہ تحریر پڑھتی گئی اس کے چہرے کی رنگت بدلتی گئی، اور جب اس نے تحریر ختم کی تو وہ بڑی افسردہ سی نگاہوں سے امارہ کی جانب دیکھنے لگی۔

"کیا ہوا بیٹی، اور یہ تمہارے چہرے پر زردی کیوں پھر گئی ہے؟" سیلے خاتون نے پریشان ہو کر پوچھا۔

"لاؤ مجھے دو، میں پڑھ کر سناتا ہوں۔"

عارف نے شاہدہ سے لفافہ چھین لیا، اور امارہ کانپتی ہوئی نگاہوں سے عارف کی جانب دیکھنے لگی۔

"خدا خیر کرے۔" اس نے دل ہی دل میں دعا کی، "یہ شاہدہ کی رنگت کیوں پیلی پڑ گئی ہے۔ اس تحریر میں ایسی کونسی بات لکھی ہے، جس سے یہ دونوں بہن بھائی اتنے پریشان ہو رہے ہیں۔" اس کا دل چاہا کہ وہ ان سے لفافہ چھین لے اور خود بلند آواز میں پڑھنا شروع کر دے، لیکن وہ یہاں تو ان پڑھ تھی، وہ کیسے لفافہ چھین کر پڑھنا شروع کر دیتی۔ ویسے اس نے لفافہ کا ایڈریس دیکھ کر دل ہی دل میں اندازہ لگایا تھا کہ ایڈریس

کی تحریر نہ اس کے بھائی کی ہے اور نہ بھاوج کی۔ ان دونوں کی تحریر تو وہ دور ہی سے پہچان لیا کرتی تھی۔ تو پھر کون سا ایسا مہربان ہے۔ جس نے یہ تحریر ارسال کی ہے وہ بڑے غور سے عارف کو پڑھتے ہوئے دیکھتی رہی۔ عارف نے بلند آواز سے پڑھنے کی بجائے صرف نگاہوں سے ساری تحریر پڑھی اور پھر لفافہ کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔ لفافہ پر لگی ہوئی ڈاکخانے کی مہر دیکھ کر وہ مسکرا دیا اور شہزاد سے کہنے لگا۔

بھائی جان۔ کیا یہ لفافہ کراچی سے آیا ہے۔؟

ہاں بھئی۔ تحریر سے تو یہی ثابت ہوتا ہے۔

نہیں بھائی جان۔ یہ لفافہ لاہور کے جی پی او سے پوسٹ کیا گیا ہے۔ لفافہ پر یہ مہر تو دیکھئے۔

شہزاد نے جلدی سے لفافہ پکڑا اور مہر دیکھنے لگا۔

ہاں۔ مہر تو جی پی او ہی کی ہے۔ لیکن تحریر۔

آپ نے غور نہیں کیا بھائی جان۔ ورنہ اس تحریر کو بھی پہچان لیتے۔

کیا مطلب ــــ

بھئی یہ تم لوگ کیسی باتیں کر رہے ہو۔ آخر ہمیں بھی تو پتہ چلے کیا لکھا ہے۔ اس میں۔ یہ کیسا معمہ ہے۔ کچھ مجھے بھی تو بتاؤ۔

امّی جان۔ بھائی جان کے نام یہ لفافہ آیا ہے تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ کراچی سے کسی بیگم حفیظ نے بھائی جان کے نام بھیجا ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ امارہ نامی ایک

لڑکی ہمارے ہاں ملازمت کرتی تھی۔ گذشتہ گرمیوں میں وہ ہمارے گھر کے سارے زیورات اور نقدی چوری کر کے فرار ہو گئی ہے۔ اب پتہ چلا ہے کہ آپ لوگوں کے ہاں مقیم ہے۔ اطلاع دیں تاکہ اُسے پولیس کے حوالے کیا جا سکے۔

اوہ ۔۔۔ امارہ کے ہاتھ سے سلائیاں گر گئیں۔ اور وہ آنسو بہانے لگی۔ پھر وہ اٹھی اور اپنے کمرے میں جا کر رونے لگی۔

خدا نہ کرے۔ کیا میری بیٹی چور ہے۔ یہ کسی دشمن کی شرارت ہے۔ میں تو کبھی یقین نہیں کر سکتی۔ کیوں بیٹا اتنا عرصہ ہو گیا۔ امارہ بیٹی کو یہاں آئے ہوئے کیا اس کی کوئی ایک حرکت بھی مشکوک نظر آئی تمہیں۔

یہی تو حیرت کی بات ہے۔ امی جان اتنی نیک اور شریف لڑکی پر الزام لگانے والا یہ کون ہو سکتا ہے۔ شہزاد نے بڑے ہی افسردہ اور مغموم لہجے میں اپنی امی کی جانب دیکھ کر کہا۔

میں جانتا ہوں بھائی جان ۔۔۔ عارف نے کہا۔

کیا ۔۔۔ ہے

یہی کہ یہ لفافہ کس ذاتِ شریف نے بھیجا ہے آپ کے نام۔

کون ہے وہ۔ شہزاد نے جلدی سے پوچھا۔

ابھی نہیں بھائی جان۔ میں آج رات کو ثابت کر دونگا کہ یہ شرارت کس کی ہے۔

ضرور پتہ چلاؤ عارف۔ میں اس کم بخت کے ٹکڑے اڑا دونگا۔ جس نے امارہ

کو ہماری نظروں سے گرانے کی کوشش کی ہے

شاہدہ اٹھی اور اپنے کمرے میں داخل ہو گئی: جہاں امارہ تکیہ میں منہ دیئے رو رہی تھی: شاہدہ نے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر اسے تسلی دی:

باجی ــــــ آپ خواہ مخواہ آنسو بہا رہی ہیں: یہ تو کسی دشمن کی شرارت ہے۔ اور عارف بھیا آج رات ثابت کر دیں گے کہ شرارت کرنے والا کون ہے: وہ لفافہ لے کر باہر چلے گئے ہیں: میں جانتی ہوں باجی ــــــ وہ ضرور آپ کے دشمن کو تلاش کر لیں گے آپ کیوں فکر کر رہی ہیں:

شاہدہ ــــــ خدا جانے میرا دشمن کون ہے: میں نے تو آج تک کسی کو دکھ پہنچانے کی کوشش نہیں کی: لوگ میری ذات سے حسد کیوں کرتے ہیں: خالہ جان کیا سوچتی ہوں گی کہ میں واقعی چور ہوں: کراچی سے چوری کر کے بھاگی ہوئی لڑکی ہوں

نہیں باجی ــــــ اس تحریر پر کسی نے یقین نہیں کیا: وہ دیکھئے بھائی جان اور امی جان آ رہے ہیں: اگر انہیں آپ کے متعلق کسی قسم کی بدگمانی ہوتی تو وہ یوں اس کمرے کی جانب نہ آتے:

شاہدہ نے ابھی اپنا فقرہ مکمل ہی کیا تھا کہ سلمیٰ خاتون اور شہزاد کمرے میں پہنچ گئے: امارہ کو یوں آنسوؤں کے سیلاب میں دیکھ کر سلمیٰ خاتون بے تاب ہو گئیں اور اس کا سر اپنی گود میں رکھ کر اسے دلاسہ دینے لگیں:

بیٹی: نہ رو: یہ سب کسی دشمن کی شرارت ہے: جس نے تمہیں اس گھر سے

نکالنے کے لئے یہ حرکت کی ہے:

گھبراؤ نہیں بیٹی! عارف ضرور آج رات تک اس دشمن کو بے نقاب کر دے گا:

وہ اسے جانتا ہے، لیکن ابھی ہمیں بتا نہیں رہا! میں آج رات خود اس سے پوچھوں گی کہ یہ کس کی شرارت ہے، تو کیوں غم کرتی ہے بیٹی! کیا ہم اس تحریر پر اعتبار کر لیں گے خالہ جان —— امارہ نے سلمیٰ خاتون کی جانب دیکھ کر کچھ کہنا چاہا! لیکن اس کے سینے میں اُمڈنے والے جذبات نے اسکی زبان بند کر دی: اور وہ پھر آنسو بہانے لگی! اور شہزاد تو قریب ہی کھڑا اس حسین ترین مجسمے کو آنسو بہاتے دیکھتے رہا: سوچنے لگا کہ امارہ آنسو بہاتے وقت پہلے سے زیادہ خوبصورت ہوگئی ہے! اسکا حسن نکھر گیا ہے کیا عورت کے آنسو اسے زیادہ حسین بنا دیتے ہیں!

امی جان —— اس نے سلمیٰ خاتون سے کہا:

جی بیٹا!

امارہ کو باہر اپنے پاس ہی لے جائیں: یہاں اگر یہ بیٹھی رہی تو آنسو بہاتی رہیگی:

ہاں بیٹا! سلمیٰ خاتون نے امارہ کو اپنی گود سے اٹھاتے ہوئے کہا!

چلو بیٹی! اُٹھو میرے ساتھ: کیا بیٹھے بٹھائے مصیبت آگئی ہے خدا کرے دشمن کا کلیجہ جل جائے: جس نے میری بیٹی کو دکھ پہنچایا ہے! خدا جانے لوگ دوسروں کی راحت دیکھ کر کیوں جلتے ہیں! انہوں نے امارہ کو سہارا دیا اور پھر اسی چارپائی پر جا کر بیٹھ گئیں جہاں پہلے بیٹھی تھیں:

اور جب رات کے اندھیروں کو چیر کر مسکراتا ہوا عارف گھر واپس آیا تو گھر کے سارے ہی افراد سلمیٰ خاتون کے کمرے میں جمع تھے: قیوم صاحب کو بھی شاہدہ نے اس تحریر کے متعلق بتا دیا تھا: اور وہ اسی وقت سے برہم تھے کہ ان کی بیٹی پر کس بدبخت نے الزام لگایا ہے: اور جب عارف کمرے میں داخل ہوا تو سب سے پہلے انہوں نے سوال کیا:

کیوں بیٹا، پتہ چلا کچھ:

کس بات کا پتہ ابا جان:

ارے بھئی وہی ـــ اس تحریر کے متعلق کہ کس نے لکھی ہے:

اوہ ـــ وہ تحریر، جی ہاں اس کے متعلق تو پتہ چل گیا:

کس نے لکھی تھی بیٹا ـــ سلمیٰ خاتون نے بڑی بے تابی سے پوچھا:

اگر بھائی جان اجازت دیں تو میں نام ظاہر کر دوں: عارف نے شہزاد کی جانب دیکھ کر پوچھا:

ضرور ـــ میں تو خود اس شر لعینہ ہستی کا نام سننے کے لئے بے تاب ہوں: شہزاد نے کہا:

یہ تحریر ثمینہ باجی کی ہے: بھائی جان:

اوہ ـــ شہزاد کے ذہن میں جیسے اچانک دیپ روشن ہو گئے:

میں بھی سوچ رہا تھا کہ یہ طرزِ تحریر کو تو میں نے کہیں دیکھا ہوا ہے، کہاں دیکھا

ہوا ہے۔ کہاں دیکھا ہے؟ یاد نہیں آرہا تھا۔

اب تم نے نام لیا ہے تو یاد آگیا کہ اس لفافے کی تحریر ثمینہ کی تحریر سے بڑی مشابہت رکھتی ہے۔

اور اگر مزید شک دور کرنا ہو تو لیجئے۔ ثمینہ باجی کی کاپی میں لے آیا ہوں۔ دونوں تحریروں کو ملا لیں۔

قیوم صاحب نے جلدی سے کاپی پکڑ لی۔ اور اس میں درج مختلف تحریروں سے لفافہ کی تحریر کا مقابلہ کرنے لگے۔ پھر جیسے وہ کسی گہری سوچ میں غرق ہو گئے ہوں۔ انہوں نے کاپی اور لفافہ میز پر رکھے اور خود اٹھ کر اپنے کمرے میں چلے گئے۔

یہی نہیں امی جان۔ میں نے سمیلہ سے علیحدگی میں دریافت کیا تھا۔ تو اس نے مجھے بتا دیا تھا۔ کہ دو تین دن پہلے ماں بیٹی کچھ اسی قسم کا مشورہ کر رہی تھیں۔ لیکن وہ یہ نہیں جانتی کہ کب انہوں نے لفافہ لکھا اور کب پوسٹ کر دیا۔ ورنہ وہ لفافہ ملنے سے پہلے ہی اطلاع دے دیتی۔

ہاں۔ اگر سمیلہ کو پتہ چل جاتا۔ تو وہ یقیناً ہمیں اطلاع دے دیتی۔ وہ بڑی اچھی بیٹی ہے۔ لیکن یہ ثمینہ اور فضیلت کو کیا ہو گیا ہے۔ یہ ادارہ سے دشمنی آخر کیوں کر رہی ہیں سلمیٰ خاتون نے کچھ سوچتے ہوئے جیسے اپنے آپ سے سوال کیا۔

میں بتاؤں امی جان۔

ہاں ہاں۔ اگر معلوم ہو تو بتاؤ۔

ان کا خیال ہے۔ امی جان امارہ کے آجانے سے بھائی جان کے خیالات بدل گئے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ بھائی جان ثمینہ کے ساتھ شادی کرنے سے انکار کردیں۔

امارہ کنکھیوں سے شہزاد کیجانب دیکھنے لگی۔ لیکن وہ تو جیسے ان کی گفتگو سُن ہی نہیں رہا تھا۔ وہ آنکھیں بند کیے کرسی کی پشت پر سر ٹکائے اپنی ہی سوچ میں مصروف تھا۔

جاہل ہیں ــــ سلطانہ خاتون نے مسکرا کر جواب دیا۔ بھلا زبان دے کر بھی کوئی انکار کرتا ہے۔ ہم نے ان سے وعدہ کیا ہوا ہے۔ ایسی گری ہوئی حرکتیں کرنے سے کیا فائدہ۔ تم بیٹا کسی طریقے سے انہیں سمجھا دینا۔ کہ ان کی حرکت کا ہمیں پتہ چل گیا ہے۔ وہ اپنی راہ میں کانٹے نہ بکھریں۔ ابھی تک تو شہزاد ان ہی کا ہے۔ لیکن اگر وہ ماں بیٹی اپنی ان حرکتوں سے باز نہ آئیں تو پھر ہمیں اپنے وعدہ پر سوچنا پڑے گا۔

امارہ اٹھی اور خاموشی سے اپنے کمرے میں جا کر لحاف اوڑھ کر لیٹ گئی۔

شاہدہ اس کے پیچھے ہی چلی آئی تھی۔ اس کے قریب بیٹھ کر کہنے لگی۔

باجی ــــ

امارہ نگاہیں اُٹھا کر شاہدہ کیجانب دیکھنے لگی۔

باجی ــــ دیکھ لیا آپ نے۔ یہ ساری شرارت ثمینہ باجی اور اس کی امی کی تھی۔ اب تو پریشانی دور ہوئی آپ کی۔

ہاں شاہدہ۔ ایک پریشانی دور ہو گئی لیکن دوسری۔ ......

دوسری پریشانی کیسی باجی:

تم نہیں سمجھ سکتیں شاہدہ ——— وہ دونوں ماں بیٹی میرے ساتھ کیوں دشمنی کر رہی ہیں؛ پہلے انہوں نے کوشش کی کہ میری شادی اپنے ملازم سے کروا دیں؛ خالہ جان نے جواب دے دیا؛ تو اب انہوں نے یہ دوسری حرکت کی ہے: اور اس کے بعد ان کی تیسری حرکت یقیناً خطرناک ہوگی:

پرواہ نہیں باجی ——— اب تو گھر کے سارے ہی لوگوں کو یقین آگیا ہے کہ وہ حضرات آپ کے دشمن ہیں: اب ان کی باتوں کا اعتبار کون کرے گا:

اعتبار تو کوئی نہیں کرے گا، شاہدہ لیکن میری بدنامی ہو جائے گی:

آپ کو بدنامی کے داغ سے بچانے کا تو اب ایک ہی طریقہ ہے:

عارف نے کمرے میں داخل ہو کر دخل در معقولات کی: اس نے امارہ کی گفتگو کا آخری حصہ سن لیا تھا: اسے دیکھتے ہی امارہ پلنگ پر سے اٹھ کر بیٹھ گئی؛ اور مسکرا کر پوچھنے لگی:

کیا

یہی کہ ان کے ذہن میں جو خدشہ پرورش پا رہا ہے اسے ختم کر دیا جائے:

وہ کیسے: ؟

مادھو بھارا ج نے کہا تھا کہ بٹیا! لوگوں کو مشورے مفت نہ دیا کرنا؛ ہر مشورے کی ایک فیس مقرر کر لو:

اگر فیس وصول کئے بغیر مشورے دو گے تو لوگ تمہارے مشوروں پر عمل نہیں کرینگے

یہ مُوا سادھو آپ کو کہاں سے مل گیا تھا بھیا ــــ شاہدہ نے ہنستے ہوئے پوچھا:

شاہدہ: تم بڑی بدقسمت ہو: اگر تم سادھو مہاراج کے تحفے قبول کر لیتیں تو آج میری بجائے تم مشورہ دے سکتی تھیں: لیکن قسمت ہے اپنی اپنی: اگر میرے پاس سادھو جی مہاراج کی مالا نہ ہوتی تو میں یہ پیچیدہ مسئلہ کیسے حل کر دیتا:

اوہ! تو یہ سب اسی مالا کی برکت ہے: شاہدہ نے مسکرا کر پوچھا:

ہاں ہاں: اس میں کیا شک ہے: اگر تم کہو تو اب بھی وہ مالا میں تمہیں دے سکتا ہوں

مجھے تو معاف ہی فرمائیں بھیا: خدا جانے کس ڈھیر سے وہ اٹھا لائے ہیں آپ کیا ابھی تک وہ آپ کے پاس موجود ہے: بھیا:

ہاں: اس کی حفاظت تو میں اپنی جان سے بھی زیادہ کرتا ہوں: اگر وہ مالا نہ ہوتی: تو میں آج یہ تحریر کیسے پہچان لیتا:

آپ تو کوئی مشورہ دے رہے تھے: ہیں:

ہاں مشورہ ہی تو دے رہا تھا: لیکن پہلے فیس وصول کروں گا:

کیا فیس ہے آپ کی ــــ امارہ نے مسکرا کر دریافت کیا:

کل صبح اتوار ہے نا ــــ کل بتاؤں گا: اتوار یا منگل کے علاوہ میں نہ مشورہ دے سکتا ہوں: اور نہ فیس وصول کر سکتا ہوں: عارف نے مسکرا کر امارہ کی جانب دیکھا: اور پھر اپنے کمرے کی جانب چلا گیا:

جی ـــــ!

امارہ امارہ اپنے کمرے میں صبح سویرے
بیٹھی سویٹر بُن رہی تھی؛ شاہدہ حسبِ معمول ناشتہ
کر کے اپنی امّی کے کمرے میں پہنچ چکی تھی؛ کہ
امارہ کو تنہا دیکھ کر عارف اس کے کمرے میں
پہنچ گیا!

یہ میرے نام کے ساتھ جی کی دم کب سے
لگ گئی ـــــ امارہ نے نگاہیں اٹھا کر مسکراتے
ہوئے عارف کی جانب دیکھا؛ اور پھر سوئٹر بُننے

میں مصروف ہو گئی:

جب سے آپ نے مسکرا کر دیکھنا شروع کیا ہے: عارف نے قریب ہی ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا:

کیا مطلب ــ ؟

امارہ کا دل دھڑکنے لگا: وہ گزشتہ کئی روز سے محسوس کر رہی تھی، کہ عارف کی نگاہوں میں پہلے جیسی معصومیت اور شوخی نہیں رہی: وہ ان نگاہوں میں ایک ایسا پیغام دیکھ رہی تھی: جسے کوشش کے باوجود نہ پڑھ سکی: اور پھر اس نے اپنے دل کو سمجھا لیا کہ یہ بھی عارف کی کوئی شرارت ہی ہوگی: شریر تو وہ فطرتاً تھا: ہر بات بے دھڑک کہہ دینے کے عادی: لیکن اسے یہ توقع ہرگز نہیں تھی کہ عارف اس کے ساتھ اس قسم کی گفتگو بھی کرے گا:

مطلب تو بڑا آسان ہے امارہ جی:

میں تو ایک جاہل عورت ہوں: عارف:

آپ کو یاد ہوگا: امارہ جی کہ رات آپ نے ایک مشورہ طلب کیا تھا: اور شاہدہ کے سامنے میں نے وہ مشورہ دینا مناسب نہ سمجھا:

اوہ! تو اب جناب مشورہ دینے آئے ہیں:

ہاں! لیکن فیس پہلے وصول کروں گا: ورنہ سادھو مہاراج ناراض ہو جائیں گے

خیر ـــ سادھو جی مہاراج کی ناراضگی کی تو ہمیں پرواہ نہیں: لیکن آپ کی

فیس کیا ہے:

ایک پیاری سی مسکراہٹ:

مارہ مسکرانے کی بجائے کھلکھلا کر ہنس دی اور پھر عارف سے کہنے لگی:

ایسا محسوس ہوتا ہے: کہ آجکل جناب کسی غلط فہمی میں مبتلا ہیں:

ہاں: عارف نے مسکراتے ہوئے اس کی نگاہوں میں نگاہیں ڈال کر جواب دیا:

ہاں: ایک بڑی ہی حسین غلط فہمی میں: اور میں چاہتا ہوں ماره جی کہ ساری زندگی

اسی غلط فہمی میں مبتلا رہوں:

ایک مشورہ پیش کروں: جناب کی خدمت میں:

اوہ: تو آپ بھی مشورے دیتی ہیں: کیا فیس ہے آپ کی:

میں کوئی فیس وصول نہیں کرتی: میرے مشورے مفت ہوتے ہیں: مارہ نے

مسکرا کر کہا:

اسی لئے ان کی کوئی قدر نہیں کرتا: تاہم کہیئے میں انشاء اللہ قدر کروں گا عارف

نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھا اور سر جھکا کر بڑے ہی مودبانہ انداز میں کہا:

آپ ہر قسم کی غلط فہمیاں اپنے دل سے نکال دیں: اسی میں آپ کا اور ساری

دنیا کا بھلا ہے

ناقابل عمل: ناقابل قبول: اور ناقابل یقین مشورہ ہے آپ کا:

قابل غور تو ہے:

غور کرنے کی کسے فرصت ہے یہاں : میں تو آجکل ایسی دنیا میں سانس لے رہا ہوں امارہ جی جہاں ہر طرف بھینی بھینی خوشبوئیں پھیلی ہوئی ہیں : اور ان خوشبوؤں سے میری سانس مہک رہی ہے : میری دنیا میں ہر سو بہاریں جلوہ گر ہیں اور ان بہاروں کی رانی میری جانب دیکھ دیکھ کر مسکرا رہی ہے : اور ...... اور ...... عارف نے کچھ سوچتے ہوئے کہنا چاہا : لیکن امارہ نے روک دیا :

اور یہ کہ آپ کو کسی قابل ڈاکٹر کے مشورے کی ضرورت ہے

میرا ڈاکٹر تو میرے سامنے بیٹھا ہے : میرے اس ڈاکٹر کو میرے مرض کا علم ہے : لیکن کیا کروں یہ ڈاکٹر اتنا سنگدل ہے کہ اپنے مریض کی جانب توجہ ہی نہیں دیتا

کیا یہ بہتر نہیں کہ آپ ڈاکٹر ہی بدل دیں : ایسے سنگدل ڈاکٹر سے علاج کرانے کا فائدہ ہی کیا ہے :

نہیں میں ڈاکٹر نہیں بدل سکتا : میں ہنستے مسکراتے موت کو سینے سے لگا لوں گا : لیکن اپنے ڈاکٹر کو نہیں بدلوں گا : اسی ڈاکٹر کو دیکھنے سے تو میری سانس چل رہی میری آنکھوں میں چمک اور میری نبض میں تازگی ہے : اگر میں نے ڈاکٹر بدل دیا تو میں ایک پل بھی زندہ نہیں رہ سکوں گا :

...... تو مرض یہاں تک بڑھ گیا ہے : امارہ نے بڑی تشویش سے پوچھا

بلکہ اس سے بھی زیادہ : عارف نے جواب دیا :

میرا خیال ہے کہ میں آپ کے بھائی جان کو آپ کے مرض سے آگاہ کر دوں :

ممکن ہے وہ کوئی علاج تجویز کر سکیں ۔

بھائی جان تو کیا علاج تجویز کریں گے ۔ البتہ میرا ارادہ ہے کہ آج امی جان سے اپنے مرض کا ذکر کر دوں ۔ وہ یقیناً علاج تجویز فرما دیں گی ۔

کیا ـــــ مطلب ۔ ماہرہ کے ہاتھ سے سوئٹر بننے والی سلائیاں گر گئیں ۔ اور وہ گھبرائی ہوئی نظروں سے عارف کی جانب دیکھنے لگی ۔ وہ جانتی تھی کہ جو کچھ عارف کی زبان پر ہوتا ہے ۔ وہی اس کے دل میں ہوتا ہے ۔ تو کیا یہ شریر نوجوان خالہ جان سے کہہ دیگا کہ میں ماہرہ سے پیار کرتا ہوں ۔ وہ دل میں سوچنے لگی ۔ ہاں اس سے بعید نہیں ۔ یہ یقیناً کہہ دے گا ۔ اگر اس نے یہ نیا بکھیڑا شروع کر دیا ۔ تو کیا ہو گا ۔ کیا خالہ جان کے دل میں میرے خلاف طوفان نہیں برپا ہو جائیں گے ۔ کیا وہ سوچیں گی نہیں کہ جب سے یہ لڑکی اس گھر میں آئی ہے ہر روز ایک نیا فتنہ جنم لیتا ہے ۔ میری کیا وقعت رہے گی ۔ ان کی نظروں میں ۔ یہ سب لوگ مل کر مجھے کیوں بدنام کر رہے ہیں ۔ وہ سوچنے لگی اور کتنی ہی دیر تک انہی خیالات میں مستغرق رہی تو عارف نے مسکرا کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا ۔

ماہرہ جی ۔ ـــــ

ماہرہ اپنے خیالات سے چونک گئی ۔ اس نے بڑی نرمی سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا اور عارف سے کہنے لگی ۔

آپ کیا کہیں گے امی جان سے ۔

یہی ...... یہ ان کی خدمت میں درخواست کروں گا کہ امی جان بھائی جان

کی شادی تو ثمینہ سے ہوگی، میری دلہن کی فکر بھی کریں، اور پھر میں انہیں کہہ دوں گا: کہ باہر تلاش کرنے کی ضرورت نہیں۔

قدرت نے دلہن کو یہاں بھیج دیا ہے۔

اوہ۔۔۔ تو آپ شادی کرنا چاہتے ہیں۔

جی ہاں، بالکل۔۔۔ عارف نے مسکراتے ہوئے کہا۔

کس کے ساتھ شادی کریں گے آپ۔

اپنی ڈالکسٹہ کے ساتھ، اپنی روح کے ساتھ، اپنی زندگی کے ساتھ، اپنی آشاؤں، اپنی تمناؤں اور اپنی آرزوؤں کے ساتھ، اپنی امارہ کے ساتھ۔

امارہ اٹھی اور جواب دیئے بغیر باہر نکل گئی۔ وہ عارف کے پاس زیادہ دیر تک تنہا نہیں بیٹھنا چاہتی تھی۔ کمرے سے نکل کر وہ سلمیٰ خاتون کے کمرے میں پہنچ گئی، وہاں قیوم صاحب حسب عادت اخبار کے مطالعہ میں مصروف تھے، شاہدہ اور شہزاد اپنی امی کے قریب بیٹھے آہستہ آہستہ گفتگو کر رہے تھے۔

آؤ بیٹی، میرا تو خیال تھا کہ تم آج لحاف ہی سے نہیں نکلو گی، سردی کافی ہے۔

جی ہاں خالہ جان، لیکن وہاں عارف صاحب پہنچ گئے اور اپنے سادھو جی مہاراج کی تعریفوں کے پل باندھنے لگے تو میں یہاں چلی آئی۔

اوہ، تو سادھو نے آپ کو بھی بھگا دیا باجی، شاہدہ نے مسکرا کر کہا۔

یہاں آجاؤ بیٹی، میرے قریب لحاف میں، سلمیٰ خاتون نے امارہ کو بھی

لحاف اوڑھ لینے کا مشورہ دیا۔ شاہدہ پہلے ہی اسی لحاف میں بیٹھی تھی۔ امارہ بھی امی کے قریب ہی بیٹھ گئی۔

امّی جان ــــ عارف مسکراتا ہوا کمرے میں داخل ہوا اور قریب ہی ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

جی بیٹا۔

امّی جان آپ بھائی جان کی شادی کر دیں۔

امارہ کا دل دھڑکنے لگا۔ تو اس نے اپنا مطالبہ پیش کر ہی دیا۔ وہ دل ہی دل میں خوف کھانے لگی۔ سردیوں کے اس موسم میں اس کی پیشانی پر پسینے کے ننھے ننھے قطرے چمکنے لگے۔ شاہدہ نے اس کی جانب دیکھا۔ اور لحاف کے اندر ہی اس کا ایک ہاتھ پکڑ کر اپنی گود میں رکھ لیا اور سرگوشی کرنے لگی۔

باجی ــــ آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے۔ آپ کانپ کیوں رہی ہیں

سردی لگ رہی ہے شاہدہ۔ امارہ نے بہانہ بنایا اور شاہدہ اس کے قریب لگ کر بیٹھ گئی۔

کیوں بیٹا۔ تمہیں شہزاد کی شادی کی فکر کیوں ستا رہی ہے۔ سلمیٰ خاتون نے ہنستے ہوئے عارف سے پوچھا۔

امّی جان آپ بھائی جان کی شادی کر دیں گی تو اس گھر کے کئی لوگوں کی پریشانیاں دور ہو جائیں گی۔

بیوی: کون لوگ پریشان ہیں:

ہم سب ہی پریشان ہیں: امی جان۔ چچی فضیلت سب سے زیادہ پریشان ہے

اوہ! تو تم فضیلت بی بی کی وکالت کر رہے ہو:

چچی جان کی وکالت کرنے کی مجھے کیا ضرورت ہے: عارف نے ادھر ادھر دیکھا قیوم صاحب انگریزی اخبار کے مطالعہ میں محو تھے! شہزاد مسکرا مسکرا کر عارف کی جانب دیکھ رہا تھا، شاہدہ بھی بڑی دلچسپ نگاہوں سے اپنے بھیا کی شرارت کا انتظار کر رہی تھی! اور ماہ رہ لحاف میں منہ چھپائے شاہدہ کے ساتھ بیٹھی تھر تھر کانپ رہی تھی: عارف نے جب دیکھا کہ اس کے ابا جان کی توجہ اس کی باتوں کی جانب نہیں! تو اس نے سرگوشی کے انداز میں اپنی امی سے کہا:

امی جان: میں تو اپنی وکالت کر رہا ہوں:

اپنی وکالت — کیوں تمہیں کیا پریشانی ہے:

پریشانی نمبر ایک تو یہ ہے امی جان کہ بھائی جان کی شادی ابھی تک نہیں ہوئی حالانکہ ماؤں کو سب سے زیادہ فکر جوان اولاد کی شادی کی ہوتی ہے اگر بھائی جان کی شادی ہو چکی ہوتی تو آج اس گھر میں ایک ننھا منا چیاؤں چیاؤں کیا کرتا! ہم سب اسے دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے! اس کے لئے نئے نئے کھلونے لاتے نئے نئے تحفے لاتے! کبھی وہ ابا جان کی داڑھی کے بال اکھاڑتا! کبھی آپ کے چاندی جیسے سفید بالوں میں اپنے ننھے ننھے پنجے گاڑ دیتا اور جب آپ اسے ڈانٹ

پلاتیں تو وہ بڑی معصوم ہنسی ہنس دیا اور آپ سارا غصہ بھول کر اس کا منہ چومنے لگیں:

واہ بیٹا! تو نے تو ننھے کا پورا نقشہ کھینچ دیا ہے: اب تو میرا دل بھی چاہتا ہے کہ شہزاد بیٹے کی جلدی سے شادی کر دوں، تاکہ اس گھر میں ننھے کی جو کمی ہے وہ دور ہو جائے۔

دیکھا امی جان! میں جھوٹ تو نہیں کہہ رہا تھا، میری پریشانی بجا تھی یا غلط!

بالکل بجا ہے: بیٹا! میں انشاء اللہ بہت جلد کوشش کروں گی۔ اور ہاں بیٹا! یہ تو تھی: پریشانی نمبر ایک۔ اور پریشانی نمبر دو کیا تھی:

پریشانی نمبر دو تو میری اپنی ہے امی جان۔ جب بھائی جان کی شادی ہو جائے گی تو پھر میری باری آئے گی! کم از کم امیدواروں کی فہرست میں نام تو شامل ہونا چاہیئے امی جان!

اوہ! تو یوں کہو: اصل پریشانی تمہیں یہی ہے، سلمیٰ خاتون نے ہنستے ہوئے عارف کے رخسار پر ایک ہلکی سی چپت لگائی: اور اپنے خاوند سے کہنے لگی،

سن لیجئے! کیا کہہ رہا ہے آپ کا جوان بیٹا!

قیوم صاحب نے اخبار صوفے پر رکھا! اور عینک اتار کر اسے صاف کرتے ہوئے پوچھنے لگا:

کیا کہہ رہا ہے:

آجکل عارف بیٹے کو بڑی پریشانیاں لاحق ہیں:

"کیوں کیسی پریشانیاں بیٹا ــــــ قیوم صاحب نے متفکر ہو کر پوچھا:
عارف شرمندہ سا ہو کر ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ شہزاد اور شاہد دونوں اس کی پریشانی دیکھ کر ہنسنے لگے! سلمٰی خاتون نے مسکرا کر کہا،

اب چپ کیوں سادھ لی ہے! بتاؤ اپنے ابا حضور کو:

ہاں ہاں! بتاؤ بیٹا! کیا بات ہے!

عارف بیٹا کہہ رہا ہے! کہ اس گھر میں ایک ایسے ننھے کی کمی ہے! جو آپ کی داڑھی کے بال اور میرے سر کے سفید بال اپنے ننھے منے ہاتھوں سے اکھیڑے جس کے لیے ہم ہر روز نئے نئے کھلونے لایا کریں! اور کیا کہا تھا بیٹا ــــــ سلمٰی خاتون نے عارف کی جانب دیکھ کر پوچھا!

اور یہ کہا تھا امّی جان کہ وہ ننھا جب آپ کے پاک صاف کپڑوں پہ بیٹھ کر پیشاب کر دیا کرے تو آپ ننھے کی امّی اور ابا کو ناراض ہونے لگیں! جب وہ ننھا اس حالت میں جب ابا حضور سجدہ کر رہے ہوں! ان کی پشت پہ سوار ہو جایا کرے! تو ابا حضور سلام پھیرنے کے بعد آپ کو بڑے غصے میں بلایا کریں اور ....

سُن لیا آپ نے! سلمٰی خاتون نے قیوم صاحب سے کہا! اور قیوم صاحب کے ذہن میں اس زمانے کی یادیں تازہ ہو گئیں! جب ان کی اپنی اولاد بالکل ایسے ہی اپنی معصوم شرارتوں سے انہیں تنگ کیا کرتی تھی! کتنی ہی دیر تک وہ یادوں کے ان آوارہ گرد بگولوں میں الجھے رہے! اور پھر اپنی بیوی سے مسکرا کر کہنے لگے!

سلمیٰ —— عارف کی شرارتوں نے ہمیں ایک بھولا ہوا فرض یاد دلا دیا ہے واقعی اب اس گھر میں ایک ننھے کی ضرورت ہے:

سلمیٰ خاتون شہزاد کی جانب دیکھ کر مسکرانے لگیں)

تو پھر اپنے بیٹے سے دریافت کر لیجئے: پہلے تو یہ بہانہ بنایا کرتا تھا کہ فرم کا منیجر بن جاؤں گا، تو شادی کراؤں گا: اب تو منیجر بنے ہوئے چھ ماہ ہو گئے ہیں: اب کیا بہانہ ہے:

لڑکے تو بہانے بنایا ہی کرتے ہیں: امّی جان! آپ بس جلدی سے کر ہی دیں بھائی جان کی شادی: عارف نے جلدی سے مشورہ دیا:

ابھی کیا جلدی ہے امّی جان! ابھی کم از کم ایک سال مزید انتظار فرمائیں:

ایک سال —— عارف نے بڑی مسکین سی صورت بنا کر شہزاد کی جانب دیکھا:

بھئی اگر تمہیں جلدی ہو تو پہلے تم کروا لو شادی! شہزاد نے عارف سے کہا:

نہیں بھائی جان! پہلے آپ!

نیّر صاحب مسکرانے لگے: اور پھر سلمیٰ خاتون سے کہنے لگے:

ان دونوں کی بات پر غور کرنا پڑے گا: سلمیٰ! پھر ان کی نگاہیں امارہ کی جانب اٹھیں جو صوفے میں دبکی خاموش بیٹھی تھی:

ارے بیٹی امارہ! تم نے لحاف میں کیوں منہ دے رکھا ہے:

شرما رہی ہیں! اوجان شادی کے نام سے: عارف نے جلدی سے جواب دیا

اور سب لوگ کھلکھلا کر ہنس دیئے۔ امارہ نے اپنا چہرہ لحاف سے نکالا۔ اس کے چہرے پر ابھی شرم و حیا کی ساری سرخیاں جلوہ گر تھیں۔ شہزاد اسے بڑی پیاری نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ اس کا جی چاہا کہ ساری عمر امارہ اسی طرح شرمائی لجائی اس کے سامنے بیٹھی رہے۔ اور وہ اسے یونہی دیکھتا رہے۔ اور جب امارہ کی نگاہیں شہزاد کی نگاہوں سے ٹکرائیں تو ان سرخیوں میں مزید اضافہ ہو گیا۔ عارف بڑے غور سے امارہ کی جانب دیکھ رہا تھا۔ وہ مسکرا کر کہنے لگا۔ بھئی اتنا بھی شرمانے کی ضرورت نہیں۔ آپ کی باری تو ابھی نہیں آ رہی۔

خاموش رہو۔ شریر کہیں کا۔ جوان بہنوں سے ایسا نہیں کہا کرتے۔ سلمیٰ خاتون نے عارف کو ڈانٹ پلا دی۔

اوہ ـــــ تو یہ جوان ہے۔ میں اسے ابھی ایک ننھی ہی سمجھا تھا۔ امی جان! ایسی ننھی جو بات بات پر روٹھ جاتی ہے۔ منہ بسورتی رہتی ہے۔ آنسو بہاتی رہتی ہے۔ ہر وقت چہکتی پھدکتی رہتی ہے۔ اور اپنی ٹاؤں ٹاؤں سے گھر والوں کو ہر وقت پریشان کرتی رہتی ہے۔

شہزاد اور شاہد کھلکھلا کر ہنسنے لگے۔ امارہ پہلے تو شرمائی۔ پھر لحاف سے نکلی۔ اور جلدی جلدی اپنے کمرے کی جانب قدم اٹھانے لگی۔

دیکھا! تم نے ناراض کر دیا میری بچی کو۔ سلمیٰ خاتون نے غصے سے عارف کی جانب دیکھ کر کہا۔

ناراض کہاں کیا ہے امی جان! میں نے تو تعریف کی تھی! نفی کی دیکھئے میں ابھی منا کر لاتا ہوں:

امارہ اپنے کمرے میں پہنچ کر ابھی لحاف اپنے اوپر اوڑھ ہی رہی تھی! کہ عارف وہاں پہنچ گیا!

امارہ جی ---- اس نے بڑے پیار سے آواز دی! لیکن امارہ نے جلدی جلدی لحاف اپنے گرد لپیٹ لیا! اور عارف نے بڑی مشکل سے لحاف کے اندر اپنا ایک ہاتھ داخل کر کے اس کا بازو پکڑ لیا!

چھوڑ دیں میرا بازو ---- امارہ نے اپنا بازو آزاد کرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا

بازو پکڑ کر نہیں چھوڑا جاتا امارہ جی! سادھو مہاراج نے کہا تھا کہ جو مرد کسی عورت کا بازو پکڑ کر چھوڑ دیتا ہے وہ مرد نہیں ہوتا! پتہ نہیں کیا ہوتا ہے:

میں شور مچا دوں گی "

اوں! ہوں! شور تو باجا بجانے والے مچائیں گے! آپ کو شور مچانے کی کیا ضرورت ہے! اٹھیے امی جان بُلا رہی ہیں!

امارہ نے اپنا بازو چھڑا کر پھر لحاف میں دے لیا!

اگر آپ دو منٹ کے اندر اندر نہ اٹھیں! تو میں امی جان سے کہہ دوں گا! کہ آپ کی امارہ بیٹی ناراض ہو گئی ہے:

ہاں ہاں کہہ دیں آپ جا کر:

اور آپ وجہ جانتی ہیں کہ کیا بتاؤں گا؟

جو جی میں آئے بتا دینا!

ٹھیک ہے؛ عارف نے چند قدم دروازے کیجانب اٹھائے اور بلند آواز سے کہنے لگا:

میں امّی جان اور ابا حضور سے کہہ دوں گا کہ آپ کی امارہ بیٹی محض اس لئے روٹھ گئی ہے کہ آپ نے ان کی شادی کا ذکر کیوں نہیں کیا!

کیا کہا ـــــ ہے

امارہ نے جلدی سے لحاف اتارا اور اُٹھ کر بیٹھ گئی: وہ جس انداز سے عارف کیجانب دیکھ رہی تھی اس میں غصہ، نفرت، پریشانی، گھبراہٹ اور پیار سبھی کچھ شامل تھا۔ عارف اس کا یہ نیا انداز دیکھ کر پھر ٹھٹک اٹھا اور وہیں رکوع کے بل جھک کر بار بار اپنا ہاتھ پیشانی تک اٹھاتا کر سلام کرنے لگا: اور بلند آواز سے پکارنے لگا:

باادب: باملاحظہ ہوشیار کلیوں کو مسکراہٹیں! گلوں کو تبسم! بہاروں کو رعنائیاں بلبلوں کو نغمے بادِ نسیم کو اٹکھیلیاں عطا کرنے والی بہار اندر بہار؛ ملکۂ کائنات جلوہ گر ہو رہی ہیں!

امارہ چند لمحے اس مسخرے کی حرکتیں دیکھتی رہی! پھر مسکرا کر اٹھی: اور عارف ابھی تک اسی طرح رکوع کے بل جھکا سلام ہی کر رہا تھا کہ اس کے قریب

سے گزر کر پھر اسی کمرے میں پہنچ گئی جہاں سب لوگ اس کا انتظار کر رہے تھے۔
بیٹی ـــــ اس مسخرے کی باتوں کا بُرا نہ منایا کرو۔ اس کی تو عادت ہی رونے والوں کو ہنسانا اور ہنسنے والوں کو رلانا ہے۔

نہیں خالہ جان! میں نے غصہ تو نہیں منایا!

عارف مسکراتا ہوا کمرے میں داخل ہوا اور اپنی کرسی پر بیٹھ کر کہنے لگا۔

لیجئے امّی جان! آگئی آپ کی بیٹی!

بیٹا! تم اپنی شرارتیں صرف دوسرے لوگوں تک محدود رکھو۔ اسے تنگ نہ کیا کرو!

بہت اچھا امّی جان! اب میں ان کے سامنے ہمیشہ سنجیدہ رہا کروں گا!

بھیا آپ سنجیدہ کیسے ہو سکتے ہیں! پتہ بھی ہے سنجیدگی کسے کہتے ہیں! شاہدہ نے مسکرا کر پوچھا!

ہاں ہاں! پتہ کیوں نہیں!

تو بتایئے! سنجیدگی کیسے اختیار کی جاتی ہے!

عارف نے اپنی پیشانی پر سینکڑوں سلوٹیں پیدا کر لیں! ناک چڑھالی! آنکھیں بند کر لیں! گال پھلا لئے! اور چہرہ اوپر اٹھا لیا!

ایسے ...... اس نے ایک آنکھ کھول کر شاہدہ کی جانب دیکھ کر کہا!

عارف کا یہ بناوٹ دیکھ کر سارے ہی لوگ ہنسنے لگے ان سب کی ہنسی میں ماہرہ کے نقرئی قہقہے بھی کمرے کی فضاؤں میں گونجنے لگے۔

صبح سے ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں!
گزشتہ دو دن سے آسمان پر اڑنے
والے بادلوں نے فضاؤں میں مستقل ڈیرے
ڈال دیئے تھے! اور دوپہر سے ہلکی ہلکی بوندا
باندی شروع ہو گئی تھی! موسم سرما انگڑائی لے
کر بیدار ہو رہا تھا!

سہ پہر کے وقت شاہدہ کالج سے واپس
گھر پہنچی تو اس کا کوٹ ہلکی ہلکی بوندوں سے
بھیگ چکا تھا! اور سردی سے اس کے دانت

بج رہے تھے۔ اس نے کمرے میں داخل ہوتے ہی کوٹ اتار کر دور پھینک دیا۔ کتابیں میز پر رکھیں اور لباس تبدیل کئے بغیر اپنے لحاف میں گھس گئی۔ امارہ اپنے پلنگ پر بیٹھی انگریزی کے اخبار کا مطالعہ کر رہی تھی۔ شاہدہ نے اسے انگریزی اخبار سامنے پھیلائے دیکھا تو بڑی حیرت سے دیکھتی رہی۔ اور پھر سردی سے سی سی کرتی ہوئی پوچھنے لگی:

باجی ــــ آپ اخبار پڑھ رہی ہیں! کیا؟

امرہ نے اخبار بند کیا اور مسکرا کر کہنے لگی:

اخبار کا مطالعہ اپنی قسمت میں کہاں ہے شاہدہ! میں تو تصویریں دیکھ رہی تھی۔ خدا جانے یہ کون لوگ ہیں، جن کی تصویریں اخباروں میں چھپتی ہیں؟

ہوں گے کوئی لیڈر قسم کے لوگ! شاہدہ نے لاپرواہی سے کہا! اور پھر لحاف کو اپنے گرد لپیٹ کر کہنے لگی:

سردی بہت ہو گئی ہے باجی! آج تو دل چاہتا ہے۔ کوئی گرما گرم چیز کھائی جائے!

ہاں! آج صحیح معنوں میں سردیوں کا آغاز ہوا ہے! اور تمہیں تو زیادہ محسوس ہو رہی ہے۔ ٹھہرو! میں چائے لاتی ہوں، تمہارے لئے!

واہ واہ! کتنی اچھی باجی ہیں! آپ! شاہدہ نے خوش ہو کر کہا! اور لحاف میں منہ چھپا کر سی سی کرنے لگی

امارہ اٹھی اور باورچی خانے کیجانب قدم بڑھانے لگی۔ اور جب وہ چائے کا کپ لئے اپنے کمرے کیجانب بڑھ رہی تھی، صحن میں شہزاد بھی ٹھٹھرتا ہوا داخل ہوا۔ وہ ابھی ابھی دفتر سے آیا تھا۔ اور سردی نے اسے بھی کپکپانے پر مجبور کر دیا تھا۔

ارے بھئی میرا کمرہ تو ادھر ہے۔ آپ چائے کہاں لیئے جا رہی ہیں۔ شہزاد نے امارہ کے ہاتھ میں بھاپ نکلتی ہوئی چائے دیکھ کر کہا۔ اور امارہ ہنسنے لگی۔

شاہدہ کی حالت بھی ویسی ہے۔ جیسی کہ آپ کی۔ میرا خیال ہے کہ آپ بھی ہمارے کمرے میں ہی آجائیں۔ آپ کو بھی چائے مل جائے گی۔

شہزاد چند قدم بڑھ کر امارہ کے قریب پہنچ گیا۔ اس کے ہاتھ سے پیالی پکڑی اور پھر اس کی نگاہوں میں نگاہیں ڈال کر کہنے لگا۔

شاہدہ کی سردی تو چائے کا کپ دور کر سکتا ہے امارہ۔ لیکن میری کپکپاہٹ دور کرنے کے لئے تو چائے کافی نہیں ہے۔

اچھا ــــ آپ کے لئے کس چیز کا انتظام کیا جائے حضور ــــ امارہ نے شوخی سے پوچھا۔

مجھے صرف پیار کی گرمی چاہیئے۔ امارہ۔

ہنوز دلی دور است۔ امارہ نے مسکرا کر اس کے کوٹ کے کالر سے بندیں چھلویں

کیوں ــــ ہے شہزاد نے اس کا ہاتھ پکڑ کر سرگوشی کے لہجے میں پوچھا۔

ایک سال کی مہلت تو کل آپ ہی نے مانگی تھی۔

شہزاد مسکرانے لگا! اور پھر شاہدہ کے کمرے کی جانب قدم اٹھاتے ہوئے کہنے لگا!

ہاں بھئی؛ خود کردہ را علاج نیست۔ ایک سال تک چائے ہی پینا ہو گی۔

اور شاہدہ جب کیتلی میں چائے اور کپ لے کر اپنے کمرے میں داخل ہوئی تو اس کے پلنگ پر ٹانگیں نیچے لٹکائے اور لحاف اوڑھے شہزاد بیٹھا چائے پی رہا تھا! اور شاہدہ اس کے سامنے اپنے پلنگ پر بیٹھی لحاف کے اندر گھسی سردی کا مقابلہ کرنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی! اور جب ان دونوں نے یکے بعد دیگرے دو دو کپ چائے پی لی! اور سردی کی شدت ذرا کم ہوئی تو شہزاد نے تجویز پیش کی!

آؤ بھئی کیرم کی ایک بازی لگائیں! ایسے خوشگوار موسم میں تنہا کمرے میں بند ہو جانا تو سراسر بدذوقی ہے!

ضرور بھائی جان! لیکن ہمارا چوتھا ساتھی کون ہوگا؟

کیا عارف نہیں آیا ابھی ——— شہزاد نے شاہدہ سے پوچھا!

جی نہیں! بھیا تو ابھی نہیں آئے!

تو شاہدہ ایک کام کرو! ثمینہ یا سجیلہ کو بلا لو! سجیلہ کو بلانا! ثمینہ تو موسم کی ساری رنگینیاں تباہ کر دے گی!

اور بھائی جان اگر ثمینہ باجی ہی آ گئیں تو ——— شاہدہ نے پلنگ سے اٹھتے

ہوئے مسکرا کر پوچھا:

کڑوی دوا سمجھ کر قبول کرلیں گے: صحت کی خوشیوں میں کڑوی دوا بھی تو پی ہی جاتی ہے شاہدہ:

شاہدہ چھلانگیں مارتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی: اور جب دوسرے ہی لمحے واپس آئی تو اس کے ساتھ ثمینہ بھی موجود تھی:

آؤ بھئی ثمینہ: کیرم کی بازی جمائے گی: کیوں کیا خیال ہے ہے

کیرم تو بچوں کا کھیل ہے۔ کیوں نہ تاش کی بازی لگائی جائے: ثمینہ نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے اپنی رائے کا اظہار کیا:

تاش ـــــ لیکن تاش کے لئے ہمیں چوتھا ساتھی پھر تلاش کرنا پڑے گا:

کیوں امارہ ـــــ کیا آپ تاش کھیلنا جانتی ہیں۔

جی ہاں: معمولی ـــــ امارہ نے نگاہیں جھکا کر جواب دیا اور ثمینہ انگریزی میں شہزاد سے کہنے لگی:

آپ کیا سمجھتے ہیں اسے: یہ جنت سے تو نہیں آئی: اسی دنیا میں پرورش پا کر جوان ہوئی ہے!

شاہد نے میز کے دراز سے تاش نکال کر تپائی پر رکھی: اور پوچھنے لگی:

ساتھی کون کون بنے گا: بھائی جان: میں تو ثمینہ باجی کے سامنے بیٹھوں گی بس ٹھیک ہے: الم اور ثمینہ ایک طرف: میں اور امارہ ایک طرف:

آپ ہار جائیں گے، میں ایک اچھی کھلاڑی نہیں ہوں "امارہ نے مسکرا کر شہزاد سے کہا۔

اچھی کھلاڑی نہیں تو اچھی ساتھی تو ہو" بے ساختہ شہزاد کے منہ سے نکل گیا۔ امارہ نے بڑی شوخ نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا لیکن ثمینہ جملے کی باریکیوں تک نہ پہنچ سکی۔ وہ تاش ہاتھ میں لئے اس کے پتے دیکھنے میں مصروف تھی۔

پہلی بازی میں امارہ نے جان بوجھ کر اناڑیوں جیسا کھیل کھیلا۔ جب بھی وہ غلط پتہ پھینکتی شہزاد اس کی جانب دیکھنے لگتا۔ لیکن امارہ کی شوخ نگاہیں دیکھ کر خاموش ہو جاتا۔ ثمینہ اور شاہدہ بڑی خوش تھیں کہ وہ جیت رہی ہیں۔ اور شہزاد دل ہی دل میں محض اس لئے خوش تھا کہ وہ محض امارہ کی وجہ سے ہار رہا ہے۔ دوسری بازی میں امارہ نے اپنا اناڑی پن ختم کر دیا۔ اور اس نے ایسا انداز اختیار کر لیا۔ جیسے بڑی مشتاق کھلاڑی ہو۔ ثمینہ اور شاہدہ سٹپٹا گئیں۔

اور ایک دوسرے پر الزام تراشی کرنے لگیں۔

باجی، یہ پتہ کیوں پھینک دیا۔ شاہدہ اسے کہتی۔

اور تم نے فلاں پتہ رکھ کر دوسرا پتہ کیوں پھینک دیا۔ ثمینہ نے اسے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

بھئی کھیل میں لڑائی جھگڑا منع ہوتا ہے، اگر تم دونوں کھیلنا نہیں جانتی ہو تو آپس میں کیوں جھگڑا کر رہی ہو ___ شہزاد ان کی تکرار سے لطف اندوز ہو کر

انہیں سمجھانے کی کوشش کرتا جوں جوں بازی کا اختتام قریب آتا ثمینہ کا پارہ چڑھنا شروع ہو جاتا۔ اور جب یہ دونوں لڑکیاں بازی ہار جاتیں۔ تو ایک دوسرے کو الزام دینے لگتیں۔

آہا —— یہاں تو مجاہدین اسلام صف آرا ہیں۔ نعرۂ تکبیر

عارف نے کمرے میں داخل ہو کر نعرہ بلند کیا۔ اور پھر وہ اپنا فیلٹ اور اوورکوٹ اتار کر شاہدہ سے کہنے لگا۔

میں خوب جانتا ہے۔ سادھو جی مہاراج نے بھی فرمایا تھا کہ جس معرکے میں صرف عورتیں ہی شامل ہوں۔ وہ معرکہ کبھی جیتا نہیں جا سکتا۔ کیا یہ دونوں ہار رہی ہیں۔

ہاں —— شہزاد نے مسکرا کر عارف کی جانب دیکھا۔

عارف نے شاہدہ کا کان پکڑا اور اسے کرسی سے اٹھاتے ہوئے کہنے لگا مرد کا مقابلہ مرد ہی کر سکتا ہے۔ اور عورت کا عورت۔ اٹھو شاہدہ۔ بڑے بھائی کے لیے جگہ خالی کرو۔ دیکھو سادھو مہاراج کیا فرماتے ہیں۔

شاہدہ تو پہلے ہی ثمینہ کے کھیل سے تنگ آ چکی تھی۔ وہ خاموشی سے اٹھی اور عارف کے لیے جگہ خالی کر دی۔

اب ہو گا مقابلہ —— ثمینہ نے خوش ہو کر شہزاد سے کہا۔

بھئی عارف۔ ذرا محتاط ہو کر کھیلنا۔ تمہارا ساتھی تو انگارہ ہے۔ انگارہ۔ بڑی گرم ہے۔

جی ہاں بھائی جان آپ اپنی شبنم کو سنبھال کر رکھیئے: عارف نے امارہ کیجانب اشارہ کیا! اور کمرے قہقہوں سے گونج اٹھا! عارف نے تاش لے کر پتے بانٹنے شروع کر دیئے!

امارہ خیال رکھنا! عارف پتے بانٹتے وقت بڑی گڑ بڑ کیا کرتا ہے! اسے کھیل وغیرہ نہیں آتا! بس ہاتھ کی صفائی سے جیت جایا کرتا ہے!

چلو شکر ہے! آپ نے ہمارے جیتنے کا اعتراف تو کیا! خواہ وہ ہاتھ کی صفائی سے ہی جیتا ہوں! ہارتا تو نہیں

کھیل شروع ہو گیا! چاروں کھلاڑی بڑے محتاط انداز میں کھیل رہے تھے اور ابھی تک شہزاد اور امارہ کا پلہ بھاری تھا! اچانک شاہدہ کھلکھلا کر ہنسنے لگی!

نہیں کیا ہو گیا ہے شاہدہ --- شہزاد نے مسکرا کر شاہدہ کیجانب دیکھا!

بھائی جان --- وہ کچھ کہنا چاہتی تھی کہ عارف نے بولنا شروع کر دیا!

او مجھے یاد آیا! شاہدہ بہن کے لئے میں آج ایک تحفہ لایا ہوں! بڑا ہی خوبصورت تحفہ!

شہزاد چند لمحے عارف کے سنجیدہ چہرے کیجانب دیکھتا رہا! پھر شاہدہ سے پوچھنے لگا!

کیوں شاہدہ --- یہ تمہیں رشوت کیوں دے رہا ہے! کیا شرارت کی ہے اس نے!

بھائی جان ـــــ شاہدہ نے ہنستے ہوئے کچھ کہنا چاہا، کہ عارف نے پھر اسی سنجیدگی سے کہا:

ساد ہوجی مہاراج نے کہا تھا کہ گناہ گاروں کے عیب پر پردہ ڈالنا بہت بڑی نیکی ہے۔

شہزاد کے علاوہ ثمینہ اور امارہ بھی ہنسنے لگے: لیکن عارف بدستور سنجیدگی طاری کئے بیٹھا اپنے پتوں کو دیکھتا رہا:

کوئی بات نہیں برخوردار، کھیل جاری رکھو: ابھی پتہ چل جائے گا:

کھیل دوبارہ جاری ہو گیا: امارہ نے اینٹ کی بیگم پھینکی: اس کے بعد ثمینہ کی باری تھی: اس کے پاس بیگم سے بھاری کوئی پتہ نہیں تھا: اس نے اینٹ کا آٹھ پھینک دیا: اینٹ کا بادشاہ اور یکہ دونوں شہزاد کے پاس تھے: اس نے اینٹ کا تین پھینک دیا: اور یقین کر لیا کہ پتے ہمارے ہیں: رنگ چڑیا تھا: عارف نے چڑیا کا چار پھینکا: اور جلدی سے پتے اکٹھے کرنے لگا:

کیا تمہارے پاس اینٹ کا پتہ نہیں ہے:

نہیں بھائی جان: شریف لوگ اینٹ پتھر نہیں رکھا کرتے:

لیکن ...... امارہ نے کچھ کہنا چاہا: اور عارف جلدی سے بول پڑا:

لیکن ویکن کچھ نہیں: ہماری زبان پر اعتبار کرنا چاہیئے: ساد ہوجی مہاراج نے فرمایا تھا: کہ انسان کو انسان کی زبان پر اعتبار کرنا چاہیئے:

زبان پر تو اعتبار ہے! لیکن ہاتھوں پہ اعتبار کرنے کا حکم تو سادہو جی مہاراج نے نہیں دیا تھا؛

کیا مطلب ـــــ عارف نے امارہ کیجانب دیکھ کر پوچھا؛

چڑیے کا یہ چار تو پتہ آپ نے پھینکا تھا؛ اور ثمینہ باجی نے یکہ پھینک کر پتے اٹھالئے تھے؛

اوہ؛ ہاں یاد آیا؛ یہ چوکا تم نے پتوں سے کھسکایا تھا؛ کیوں؟ شہزاد مسکرا کر عارف کیجانب دیکھنے لگا؛ اور شاہدہ پھر ہنسنے لگی:

بھائی جان ایک ہی پتہ تو نہیں اٹھایا تھا؛ بھیا نے چاروں اٹھالئے تھے اگر امارہ باجی چند لمحے اور انتظار فرمائیں؛ تو یہ چاروں پتے باری باری آپ کے سامنے اٹھاتے؛

سادہو جی مہاراج نے سچ فرمایا تھا؛ کہ گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے؛ عورت ذات پہ کبھی اعتبار نہیں کرنا چاہیئے؛ عارف نے شاہدہ کیجانب دیکھ کر کہا؛

بھئی تم کم از کم ایک بازی تو ایمانداری سے کھیلو؛

بھائی جان ـــــ بات دراصل یہ ہے کہ آپ کی شبنم اچھی کھلاڑی ہے؛ اور میری انگارہ تو کھیل کی ابجد بھی نہیں جانتی؛

جی ہاں؛ بے ایمانی آپ کرتے ہیں اور الزام مجھے دیتے ہیں؛ کیوں یہ بھی بے ایمانی کی کوئی قسم ہے؛ ثمینہ نے ہنستے ہوئے پوچھا؛

ساد ہو مہاراج نے فرمایا تھا کہ جب انگارے ہنسنے لگیں؛ تو چنگاریاں نکلتی ہیں اور جب چنگاریاں نکلیں تو شعلے بھڑکتے ہیں اور جب شعلے بھڑکیں تو ہر چیز بھسم ہو جاتی ہے:

خدا غارت کرے تمہارے اس ساد ہو جی مہاراج کو؛ جس نے دنیا کے ہر مسئلہ پر اپنا فتوے صادر کر دیا ہے:

بھئی ایک بازی کم از کم ایمانداری سے کھیلو: شہزاد نے سنجیدگی سے کہا:

جی ہاں بالکل؛ ایمان میرا؛ داری ثمینہ کی:

یعنی آپ کا ایمان ثمینہ باجی کے پاس محفوظ ہے؛ امارہ نے ہنستے ہوتے کہا؛

اے بھائی جان؛ آپ کی شبنم تو فارسی بھی جانتی ہے؛ اچھا بھئی بتاؤ گلستان مرد تھا یا عورت عارف نے امارہ سے پوچھا؛ اور پھر کمرہ قہقہوں سے گونجنے لگا:

اب آپ اپنی خفت مٹا رہے ہیں؛ امارہ نے عارف کیجانب دیکھ کر کہا؛ اور کھیل پھر شروع ہو گیا؛

کھیل شروع ہوئے ابھی چند ہی لمحے ہوئے تھے؛ کہ عارف نے پھر ہاتھ کی صفائی پیش کر دی؛ لیکن اس مرتبہ شاہدہ کی بجائے شہزاد نے دیکھ لیا؛ اور اپنے پتے پھینک دیئے:

کیوں — اب کیا ہوا ہے؛ ثمینہ نے حیرت سے شہزاد کیجانب دیکھا؛

ساد ہو جی مہاراج نے فرمایا تھا؛ کہ جب ہار کے عنوان نظر آئیں؛ تو پتے

پھینک دیا کرو! عارف نے ثمینہ کیجانب دیکھ کر کہا!

جی نہیں! آپ نے اس مرتبہ پھر اپنی ایمانداری کا ثبوت دیا ہے!

نہیں بھائی جان! میں تو صرف ایمان کا ثبوت دے سکتا ہوں! داری کا ثبوت تو میری پارٹنر ہی دے سکتی ہے!

خیر — ایمان ہی کا سہی! ذرا اپنے ہاتھ میں پتے تو گنیئے کتنے ہیں!

سبھی کے پاس آٹھ آٹھ پتے تھے! لیکن عارف کے پاس نو تھے!

یہ فالتو پتہ کہاں سے آیا! شہزاد نے مسکراتے ہوئے پوچھا!

میں خود حیران ہوں بھائی جان کہ یہ پتہ کہاں سے آ گیا! عارف نے معصومیت سے جواب دیا!

ہاتھ کی صفائی — امارہ نے ہنستے ہوئے کہا!

جی ہاں! آپکی نظروں میں ہر شخص بے ایمان ہے! ثمینہ نے غصے سے تاش پھینک دی!

آج پتہ چلا کہ گدھے پر سے گر کر کمہار پر غصہ اتارنے کی مثال بالکل سچی ہے شہزاد نے ہنستے ہوئے ثمینہ کیجانب دیکھ کر کہا!

جی ہاں! اس کی طرف داری آپ نہیں گے تو اور کون کرے گا۔ ثمینہ نے انگریزی میں شہزاد سے کہا!

اپنے ساتھی سے کسے ہمدردی نہیں ہوتی! شہزاد نے بدستور مسکراتے ہوئے

ثمینہ کو انگریزی میں جواب دیا:

زندگی کی ساتھی تو نہیں بن گئی: صرف تاش تک ہی یہ ساتھ محدود تھا: ثمینہ نے جل بھن کر جواب دیا: اور میز پر بکھرے ہوئے تاش کو اکٹھا کرنے لگی:

سادھو جی مہاراج نے فرمایا تھا: کہ غلط انگریزی بولنے والے کبھی جنت میں نہیں جائیں گے:

عارف نے ثمینہ کیجانب انگلی اٹھا کر جواب دیا:

کیوں غلط کیوں — ثمینہ نے عارف کو گھورتے ہوئے کہا:

آپ جب انگریزی بولتی ہیں تو مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے: جیسے کسی مسجد کے گنبد میں منہ دیئے موذن اذان دے رہا ہو: تو یہ لاحول و لا قوۃ: عجب تک انسان کسی لہجے پر قادر نہ ہو جائے: اسے بولنے سے کیا فائدہ: انگریزی کو انگریزی لہجے میں بولنا چاہیئے: اردو یا پنجابی میں نہیں: اور آپ تو بالکل باورچی خانے جیسا لہجہ اختیار کر لیتی ہیں:

باورچی خانے جیسا لہجہ

شہزاد کھلکھلا کر ہنس دیا: یہ گفتگو انگریزی ہی میں ہو رہی تھی: اور اماں بڑی دلچسپی سے سن رہی تھی: اس کا بھی جی چاہا کہ اس تشبیہ پر دل کھول کر ہنسے: لیکن وہ مجبور تھی:

یہ باورچی خانے کا لہجہ کیسا ہوتا ہے: شہزاد نے عارف سے پوچھا:

بھائی جان! باورچی خانے کی زبان دیگر سب زبانوں سے علیحدہ ہوتی ہے! میں اس کی مثال تو نہیں دے سکتا! ہاں جب ثمینہ کی انگریزی سنتا ہوں تو ایسے محسوس کرتا ہوں، جیسے باورچی خانے کے باہر دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا ہوں اندر سے مختلف کھانوں کی بھینی بھینی خوشبو آرہی ہے کبھی دیگچی میں چمچہ ہلانے کی آواز، کبھی توے پہ روٹی ڈالنے کی آواز، کبھی چولہے میں پھونکیں مارنے کی آواز، غرضیکہ میرا تصور مجھے کہیں سے کہیں لے جاتا ہے!

خوب! یہ آج ہی پتہ چلا کہ محض آواز سن کر آپ تصورات کی دنیا میں پہنچ جاتے ہیں!

آپ حضرات اردو میں گفتگو کیوں نہیں کرتے تاکہ ہم بھی سمجھ سکیں! امارہ نے عارف سے کہا!

اوہ ــــ میں کہتی ہوں آپ ایسی جاہل لڑکیوں کو اپنی صحبت میں بٹھاتے ہی کیوں ہیں! ثمینہ نے امارہ کیجانب اشارہ کر کے شہزاد سے کہا!

مساد ہو جی مہاراج نے کہا تھا کہ تعلیم یافتہ بے وقوف سے غیر تعلیم یافتہ عقلمند اچھا ہوتا ہے! کیوں بھائی جان! یہی کہا تھا، نا

ہاں غالباً یہی کہا تھا ــــ شہزاد نے مسکراتے ہوئے عارف کو جواب دیا تو میں بے وقوف ہوں! اور یہ چھوکری عقلمند ہے! ثمینہ نے غصہ ضبط کرتے ہوئے عارف سے پوچھا!

یہ تو خیر میں نہیں کہہ سکتا؛ ممکن ہے آپ بے وقوفوں کی بھی سردار ہوں، لیکن یہ لڑکی ضرور عقلمند ہے!

کیوں — اس میں عقلمندی کی کون سی علامت دیکھ لی آپ نے؟

پہلی علامت تو یہ ہے کہ وہ تم سے زیادہ خوبصورت ہے؛ دوسری یہ کہ وہ سلیقہ شعار ہے؛ تیسری یہ کہ خاموش طبع ہے؛ چوتھی یہ کہ وہ ہمیشہ تمہاری تعریف کرتی ہے، اور تم ہمیشہ اس کی برائی کرتی ہو، اور پانچویں اور سب سے بڑی علامت یہ کہ وہ غلط انگریزی نہیں بولتی!

آپ سب لوگ تو ویسے ہی اس کی تعریف میں رطب اللسان رہتے ہیں حالانکہ اس میں اور ایک عام گھریلو ملازمہ میں کوئی فرق نہیں!

سادھو جی مہاراج نے فرمایا تھا کہ جب محفل میں تلخی پیدا ہو جائے، تو محفل برخاست کر دینی چاہیئے!

عارف اٹھا اور اپنا اوورکوٹ اور فلیٹ اٹھا کر اپنے کمرے کی جانب چل دیا!

باہر موسم کی ہلکی ہلکی بوندا باندی اب بارش کی صورت اختیار کر چکی تھی جیسے شہزاد؛ عارف؛ امارہ اور شاہدہ کے علاوہ فضائیں بھی ثمینہ کی عقل پہ آنسو بہا رہی ہوں!

رات بھر مسلسل بادلوں میں منہ چھپانے کے بعد
صبح سورج کی کانپتی ہوئی زرد شعاعیں
صحن کی مغربی دیوار پر چمک رہی تھیں۔ شاہدہ
اور عارف ناشتہ کرنے کے بعد کالج جا چکے
تھے! قیوم صاحب ابھی تک اپنی بیوی کے
کمرے میں بیٹھے اخبار کے مطالعہ میں مصروف
تھے! امّاں اپنے کمرے میں بیٹھی شاہدہ کی
کتابیں درست کر رہی تھی، جنہیں وہ اپنی عادت
کے مطابق الماری سے باہر نکال نکال کر ادھر

اُدھر پھینک گئی تھی، اور شہزاد اپنے کمرے میں دفتر کی تیاری کر رہا تھا۔
آج کیا تاریخ ہے؛ جی ـــــــ سلمیٰ خاتون نے اپنے شاوند سے دریافت کیا۔
آج نئے سال کی پہلی تاریخ ہے۔ یعنی یکم جنوری، قیوم صاحب نے اخبار پر نگاہیں جماتے جواب دیا۔

شہزاد بیٹے کو آج تنخواہ مل جائے گی۔ سلمیٰ خاتون نے اپنے آپ سے کہا۔ لیکن قیوم صاحب نے ان کی بڑبڑاہٹ سن لی اور اخبار صوفے پر پھینک کر پوچھنے لگے۔

ہاں، تنخواہ تو اسے مل جائے گی، کیوں؟

شاہدہ بیٹی کتنے دنوں سے گرم کپڑے کے لئے کہہ رہی ہے۔

شہزاد تو ابھی دفتر نہیں گیا ہوگا۔ اسے کہہ دیں کہ اگر تنخواہ مل جائے تو دفتر سے آتے وقت لیتا آئے گا۔ قیوم صاحب نے دوبارہ اخبار پکڑا، اور کسی کالم کا مطالعہ کرنے میں مصروف ہو گئے۔ لیکن دوسرے ہی لمحے انہوں نے اخبار رکھ دیا۔ اور عینک اتار کر اپنی بیوی سے کہنے لگے۔

میرا خیال ہے سلمیٰ کہ شاہدہ کے ساتھ ہی ماجدہ کے لئے بھی گرم سوٹ کا کپڑا منگا لو، ورنہ وہ بے چاری اپنے بے کسی کو محسوس کرنے لگے گی۔

ہاں، میں بھی یہی سوچ رہی تھی، کہ شہزاد کو دو سوٹوں کا کپڑا لانے کا کہہ دوں

دونوں بہنیں ایک ایک لے لیں گی؛ سلمٰی خاتون نے ٹھنڈی سانس لیکر اپنے خاوند کیجانب دیکھا؛ اسے جب بھی امارہ کی تیبی کا خیال آتا تو وہ ٹھنڈی سانس ضرور لیتی تھیں؛

شہزاد بیٹا ــــ شہزاد اپنے کمرے سے نکل کر برآمدے میں جا رہا تھا، کہ سلمٰی خاتون نے اسے آواز دی؛

جی امّی جان ــــ شہزاد نے کمرے میں داخل ہو کر جواب دیا؛

بیٹا؛ آج تمہیں تنخواہ ملے گی؛ نا

ہاں امّی جان؛ آج یکم ہے؛

بیٹا؛ آتے وقت بازار سے ہوتے آنا، دو گرم سوٹوں کا کپڑا خریدنا ہے شاہدہ اور امارہ کے پاس گرم کپڑے کافی نہیں ہیں بیٹا؛

امّی جان ــــ ہم مردوں کی خریدی چیزیں کم اکثر پسند نہیں آیا کرتی ہیں دفتر سے آجاؤں گا؛ تو ان دونوں کو میرے ساتھ یا علامت کے ساتھ بازار بھیج دیجئے اپنی پسند کا لے آئیں گی؛

نہیں بیٹا؛ بازاروں میں تو کیچڑ ہے تم خود ہی لے آنا اپنی پسند کا؛

بہت اچھا امّی جان؛ لیکن اگر شاہدہ نے پسند نہ کیا؛ تو آپ کی ذمہ داری ہو گی؛ شہزاد نے مسکرا کر جواب دیا؛ اور اپنے دفتر کیجانب قدم اٹھانے لگا۔ سلمٰی خاتون چند لمحے کسی معاملہ پر غور کرتی رہیں؛ اور پھر اپنے خاوند سے کہنے لگی؛

کل فضیلت بی بی پھر آئی تھیں ۔

کیسں ـــــ اب کیا کہتی ہیں ؛ قیوم صاحب نے دریافت فرمایا !

شہزاد ہی کے متعلق کہہ رہی تھیں ؛ اگر اپریل کے آخر میں شادی ہو جائے تو اچھا ہے ! انہیں بھی تو اپنی لڑکی کی فکر رہتی ہے ؛ ہر دم :

تو کیا ثمینہ کے امتحانات اپریل کے آخر تک ختم ہو جائیں گے !

ہاں سلمیٰ خاتون نے آہستہ سے جواب دیا !

کسی دن شکور بھائی سے مل کر تاریخ طے کرلینی چاہیئے ؛ قیوم صاحب نے کچھ سوچتے ہوئے جواب دیا :

تاریخ تو آپ طے کرلیں گے ؛ لیکن میں تو دن رات کچھ اور ہی سوچتی رہتی ہوں ـــــ۔

شہزاد اور ثمینہ کی طبیعتوں میں زمین آسمان کا فرق ہے ؛ ہمارا بیٹا جس قدر خاموش متین ؛ سنجیدہ اور شریف ہے ؛ ثمینہ اسی قدر شوخ ؛ باتونی ؛ فیشن پرست اور مغرور ہے ؛ ہم نے بچپن میں زبان تو دے دی تھی ؛ لیکن ان کے مستقبل پر بھی کبھی غور فرمایا آپ نے :

میں تو اکثر غور کرتا ہوں ؛ سلمیٰ ! اور جتنا زیادہ غور کرتا ہوں ؛ اتنا ہی الجھن میں گرفتار ہوتا ہوں ۔ مجھے یقین نہیں کہ شہزاد اور ثمینہ خوشگوار زندگی گذار سکیں ؛ اگر تو صرف فضیلت کا معاملہ ہوتا تو میں مدتوں پہلے جواب دے چکی ہوتی

مجھے تو بھائی جان کی شرافت کا رہ رہ کر خیال آتا ہے

میں بھی تو اسی الجھن میں گرفتار ہوں۔ اگر جواب دیتا ہوں تو بھائی ناراض ہوتا ہے۔ اگر جواب نہیں دیتا تو بیٹے کی زندگی تباہ ہوتی ہے۔ خدا جانے بھائی شکور نے اپنی اولاد کی طرف سے کیوں آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔ بچوں نے ساری تربیت اپنی ماں ہی سے لی ہے۔ کاش باپ کی شرافت سے بھی کچھ حصہ انہوں نے لیا ہوتا!

سجیلہ تو بڑی سمجھدار بیٹی ہے۔ سارا فتور تو اسی ثمینہ میں ہے سلمیٰ خاتون نے بڑے ہی افسردہ لہجے میں کہا۔

میرا تو خیال ہے سیلئے کہ فضیلت یا شکور بھائی سے بات کرنے سے پہلے شہزاد بیٹے کی رائے دریافت کر لو۔ اگر وہ خوشی سے اجازت دیدے تو تاریخ مقرر کر دینا۔ ورنہ کچھ اور سوچیں گے۔

شہزاد بے چارہ کیا کہے گا۔ وہ جانتا ہے۔ کہ ثمینہ اس سے منسوب ہے وہ ثمینہ کو قطعاً پسند نہیں کرتا۔ بلکہ میں تو کہوں گی کہ اس کی عادات سے نفرت کرتا ہے۔ لیکن آج تک خاموش محض اسلئے ہے کہ ہم لوگ زبان دے چکے ہیں

بھئی ہم اپنے بیٹے کے دشمن تو نہیں۔ کم از کم میں تو اس کی مرضی کیخلاف کوئی قدم نہیں اٹھانا چاہتا!

کسی دن بات کرنا اس سے۔

کوشش کروں گی! سلمیٰ خاتون نے اپنے تفکرات کے ہجوم کو ذہن سے جھٹکتے ہوئے کہا! اور امارہ کی جانب دیکھنے لگیں جو اپنی خالہ اور خالو کے لیئے گرم گرم چائے لے کر آ رہی تھی!

بیٹی! چائے تو ہم نے پی لی تھی! دوبارہ کس لیئے لے آئیں!

خالہ جان سردی زیادہ تھی! اس لیئے میں بنا لائی!

قیوم صاحب امارہ کی جانب دیکھ کر مسکرانے لگے! اور صوفے پر سیدھے ہو کر بیٹھ گئے!

بھئی اس وقت تو واقعی چائے کا ایک ایک کپ پینے کے لیئے طبیعت مچل رہی تھی! تم نے بہت اچھا کیا بیٹی! لاؤ! پہلے مجھے ایک کپ دے دو!

امارہ نے مسکرا کر ایک کپ میں چائے انڈیلی اور قیوم صاحب کی خدمت میں پیش کر دی! پھر دوسرا کپ تیار کر کے سلمیٰ خاتون کی خدمت میں پیش کیا! اور چائے دانی اٹھا کر اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی! دراصل اسے اپنے کمرے میں تنہا بیٹھے سردی محسوس ہونے لگی تھی! باورچی خانے میں گئی تو چولہے میں آگ ابھی تک روشن تھی! اس نے تھوڑا سا پانی ابالا اور چائے تیار کر لی! پھر تنہا پینے کو دل نہ چاہا! تو پہلے بزرگوں کی خدمت میں پیش کر دی! اور پھر اپنے کمرے میں بیٹھ کر پینے لگی!

قیوم صاحب نے چائے گھونٹ لے کر اپنی بیوی کی جانب دیکھا اور فرمانے لگے "ادارہ بیٹی کے متعلق میں اکثر سوچتا ہوں، یہ جوان ہے۔ ہمیں اس کی فکر بھی تو کرنی چاہیئے"

"ہاں جی، کیوں نہیں، اگر ہم اس کے بغیر ماں باپ کی بیٹی کی فکر نہیں کریں گے، تو اور کون کرے گا، شہزاد بیٹے کی شادی سے فارغ ہو جائیں، تو پھر اس کی فکر کریں گے"

"کاش یہ کچھ پڑھی لکھی ہوتی" قیوم صاحب نے افسردہ سے لہجے میں کہا۔

"پڑھی لکھی لڑکیوں سے تو اب بھی ہزار درجے اچھی ہے۔ عقل ہے تمیز ہے، شعور ہے، اخلاق ہے، کیا چیز نہیں ہے اس میں جو پڑھی لکھی لڑکیوں میں ہوتی ہیں"

"یہ تو سب درست ہے سلمیٰ، پھر بھی آجکل کے نوجوان صرف ڈگریاں دیکھتے ہیں، عقل، شعور کو نہیں دیکھتے"

"محنت تو کر رہی ہے، بے چاری، میرا خیال ہے کہ اگر ایک سال یونہی محنت کرتی رہی تو معمولی کتابیں تو ضرور پڑھ لیا کرے گی، شاہدہ کہتی تھی کہ بس ایک مرتبہ سبق کے چند الفاظ بتانے پڑتے ہیں، باقی سب خود ہی پڑھ لیتی ہے"

"خدا جانے اس کی امّی نے اسے تعلیم کیوں نہیں دی"

"ممکن ہے حالات ہی نہ اچھے ہوں" سلمیٰ خاتون نے ادارہ کی امّی کی یاد میں

ایک ٹھنڈی سانس لی اور خلاؤں میں گھورنے لگیں! قیوم صاحب اٹھے! اخبار کے اوراق انہوں نے میز پر پھینک دیئے اور عینک اٹھا کر اپنے کمرے میں چلے گئے!

اور اسی دن

سہ پہر کے وقت جب شہزاد دفتر سے واپس آیا! تو شاہدہ اس کی بغل میں ایک بنڈل دیکھ کر سمجھ گئی کہ بھائی جان آج یقیناً کوئی چیز لائے ہیں! وہ ابھی ابھی کالج سے آئی تھی! بھائی جان پر نگاہ پڑتے ہی وہ اپنی امی کے کمرے کی جانب بھاگنے لگی!

امی جان! امی جان!

جی بیٹی:

امی جان! آپ نے بھائی جان کو کپڑا لانے کے لیئے کہا تھا!

ہاں بیٹی! میں نے صبح کہہ دیا تھا!

غالباً وہ لے آئے ہیں امی جان! ان کی بغل میں ایک بنڈل ہے! کپڑا ہی ہو گا! امی جان شاہدہ نے خوش ہوتے ہوئے کہا!

ارے تو پاگل کیوں ہو رہی ہے! اگر کپڑا لائے ہیں تو تجھے دے ہی دیں گے! خود تو نہیں پہن لے گا وہ!

لو دیکھو! وہ بھی آ گیا! سلمیٰ خاتون نے برآمدے میں قدموں کی آواز سن

گر شاہدہ سے کہا! اور شاہدہ دروازے کی جانب دیکھنے لگی! لیکن داخل ہونیوالا شہزاد نہیں تھا! یہ تو عارف تھا!

اوہ! یہ تو بھیا ہیں امی جان! شاہدہ نے مایوس ہو کر جواب دیا!

تو تمہیں کس کا انتظار ہے! عارف نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا!

میں تو بھائی جان کا انتظار کر رہی ہوں!

کیوں ــــــ؟

[illegible] کچھ الجھے سے ہیں آج!

ہاں ہاں! ہمیں کیوں ہے کا انتظار ہے! بھائی جان کا انتظار کیوں ہوا!

ایک ہی بات ہے بھیا! شاہدہ نے خفگی سے جواب دیا!

امی جان! بھائی جان تو شاید لباس تبدیل کر رہے ہیں! میں لے آؤں نبیل بھاگ کر!

بیٹی ـــ سلمیٰ خاتون نے اپنی بے قرار بیٹی کی جانب دیکھ کر کہا!

تو اتنی بے صبر کیوں ہے! شاہدہ!

کون سے نبیل کی بات کر رہی شاہدہ! وہ ہی تو ابھی بھائی جان لا رہے ہیں!

عارف کی رگ ظرافت ابھر کر اٹھی اور وہ بڑی سنجیدگی سے شاہدہ کی جانب دیکھنے لگا!

تو پھر صبر ہی کرو شاہدہ! اس تنخواہ میں تمہارے لئے کپڑا نہیں تھا! اس میں تو بھائی جان کی دو عدد پتلونیں تھیں! ابھی چند لمحے پیشتر ہی تو باہر میں نے دیکھی تھیں پتلونیں

شاہدہ نے مرجھائے ہوئے لہجے میں کہا اور خاموش ہو کر کرسی پر بیٹھ گئی:

ہاں! بھائی جان نے آج دو پتلونیں خرید کی تھیں! بہت عمدہ ہیں! اگلی میرے لئے بھی لائیں گے!

لیکن میں نے تو اسے شاہدہ کے لئے گرم کپڑا لانے کا کہا تھا! سلمیٰ خاتون نے اپنی مرجھائی ہوئی بیٹی کی جانب دیکھ کر کہا!

کپڑا وہ نہیں لائیں گے! امی جان! وہ کہہ رہے تھے کہ شاہدہ کی بچی کو کپڑا پہننے کا سلیقہ ہی نہیں!

کیا فائدہ گرم کپڑے پر پیسے برباد کرنے کا!

جی ہاں! مجھے کپڑا پہننے کا سلیقہ ہی نہیں! اور آپ دونوں بھائیوں کو تو بڑا سلیقہ ہے! شاہدہ نے زخمی مسکراہٹ سے جواب دیا!

الحمد اللہ! عارف نے ٹائی کی گرہ درست کرتے ہوئے اپنے سراپا پر نگاہ دوڑائی اور شاہدہ کی جانب دیکھ کر مسکرانے لگا!

جی ہاں! کیا کہنے آپ کی الحمد اللہ کے! سچ پوچھئے تو بھیا جب آپ کوٹ پتلون پہن کر باہر نکلتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے کوٹ پتلون نہیں

پہن رکھا! بلکہ کوٹ تپلون نے آپ کو پہن رکھا ہے!

عارف تو بڑا ڈھیٹ تھا! قہقہے لگا کر ہنسنے لگا! اور شاہدہ شرمندہ سی ہو کر اپنی امی کی جانب دیکھنے لگی! بیچاری دونوں بہن بھائیوں کی ان دلچسپ چوٹوں پر مسکرا رہی تھیں!

شہزاد مسکراتا ہوا کمرے میں داخل ہوا! اس کے ہاتھ میں وہی بنڈل تھا!

ارے بھائی جان ۔۔۔ یہ پتلونیں لانے کی کیا ضرورت تھی! شاہدہ تو ویسے ہی ناراض ہو رہی ہے! کہ بھائی جان اپنی پتلونیں لے آتے! اس کے لئے گرم کپڑا نہیں لائے!

عارف نے جلدی سے اشاروں میں شہزاد کو یہاں کی کیفیت سمجھا دی! شہزاد نے شاہدہ کی طرف دیکھا جو منہ پھلائے بیٹھی تھی!

نہیں بھائی! شاہدہ کے لئے کپڑا پہلے اور اپنی پتلونیں بعد میں!

سچ بھائی جان ۔۔۔ شاہدہ نے جلدی سے اٹھی اور اس نے بنڈل پکڑ لیا!

لیکن بھائی جان ۔۔۔ شاہدہ تو ابھی کہہ رہی تھی کہ ہم لوگ پتلونیں نہیں پہنتے بلکہ پتلونیں ہمیں پہنتی ہیں!

وہ تو صرف آپ کی خدمت میں عرض کیا تھا! بھیا! شاہدہ نے ہنس کر جواب دیا! اور بنڈل کا کاغذ پھاڑنے لگی!

ارے! دو سوٹوں کا کپڑا ـــــ شاہدہ نے خوش ہو کر امی کی جانب دیکھا!

ہاں بیٹی! ایک تمہارے لئے اور ایک امارہ بیٹی کے لئے!

اوہ ـــــ شاہدہ نے خوش ہو کر سلمیٰ خاتون کے گلے میں اپنے دونوں بازو ڈال دیئے! اور پھر دونوں سوٹ لے کر امارہ کی جانب بھاگ گئی!

باجی! باجی!

کیا بات ہے شاہدہ

باجی! بھائی جان ہمارے لئے کپڑا لائے ہیں! یہ دیکھئے! ایک سوٹ آپ کا اور ایک میرا!

امارہ کپڑا دیکھنے لگی! کپڑا عمدہ تھا اور رنگ تو بہت ہی عمدہ تھا!

خالہ جان نے دیکھ لیا شاہدہ!

ہاں باجی! انہوں نے بہت پسند کیا ہے! کیا آپ کو پسند ہے۔

پسند کیوں نہیں ہو گا! شاہدہ! خلوص سے جو چیز دی جائے اسے کون پسند نہیں کرتا!

جی ہاں بالکل! عارف نے دروازے کے اندر قدم رکھتے ہوئے کہا!

میں بھی ایک چیز بڑے ہی خلوص سے لے کر حاضر ہوا ہوں! خدا جانے اسے بھی پسند کیا جائے گا! یا نہیں!

دونوں لڑکیوں نے گھوم کر دیکھا! عارف کے ہاتھ میں بھی ایک بنارسی

تھا اور وہ ان دونوں کیجانب دیکھ دیکھ کر مسکرا رہا تھا:
آپ کس کے لئے تحفہ لائے ہیں بھیا ___ شاہدہ نے مسکراتے ہوئے پوچھا
تم دونوں کے لئے: عارف نے بڑے خلوص سے بنڈل آگے بڑھا دیا:
اور شاہدہ جلدی جلدی اسے کھولنے لگی: عارف کرسی پر ایک جانب بیٹھ کر بڑی دلچسپ نگاہوں سے ان دونوں کی اشتیاق کو دیکھنے لگا: اور جب شاہدہ نے جلدی سے بنڈل کا کاغذ پھاڑا تو اس کے اندر عارف کی دو عدد پرانی پتلونیں تہہ کر کے رکھی ہوئی تھیں: شاہدہ دیکھتے ہی بڑبڑانے لگی:
کیوں بھئی: میرا تحفہ پسند نہیں آیا: آپ لوگوں کو:
شاہدہ پتلونیں دیکھ کر ہنسنے لگی: اور شاہدہ عارف کو دیکھ کر ہنسنے لگی:
ٹھہریئے بھیا: میں ابھی جا کر امی جان کو دکھلاتی ہوں آپ کا تحفہ:
ضرور شاہدہ: اور کہہ دینا کہ عارف بھیا نے یہ تحفہ بڑے خلوص سے پیش کیا تھا:
جی ہاں: اس خلوص کی قدر تو امی جان ہی کریں گی: شاہدہ نے دروازے کیجانب قدم اٹھاتے ہوئے کہا:
اور سنو شاہدہ: ان پتلونوں کو باہر صحن میں پھینکنے کی بجائے میرے کمرے میں تہہ کر کے رکھ دینا:
جی ہاں: اپنے سر پہ رکھوں گی: اونہیں:

شاباش، بڑی اچھی بہن ہے، ہماری شاہدہ

شاہدہ غصے میں بھرہ سر جھٹکتے اپنی امی کے کمرے کیجانب بھاگ گئی، اور عارف کرسی سے اٹھ کر امارہ کے سامنے پہنچ گیا۔

امارہ جی ——

امارہ عارف کیجانب دیکھ کر مسکرانے لگی،

خلوص سے جو چیز دیجاتی ہے اسے سبھی پسند کرتے ہیں نا، عارف نے اس کی نگاہوں میں نگاہیں ڈال کر سوال کیا،

ہاں، امارہ نے مختصر سا جواب دیا،

میں نے بھی ایک تحفہ بڑے خلوص سے پیش کیا تھا،

پتلون —— امارہ نے مسکرا کر پوچھا،

نہیں، عارف نے نفی میں سر ہلا دیا،

تو اور کون سا تحفہ تھا جناب کا، امارہ نے اس کیجانب دیکھا،

دل، عارف نے اپنے دل پہ ہاتھ رکھا اور سر جھکا دیا،

امارہ —— میں نے اپنا دل بڑے ہی خلوص سے پیش کیا تھا، ایسا دل جس میں صرف پیار ہے، محبت ہے، چاہت ہے، اُنس ہے، آنسو ہیں اور آہیں ہیں،

اوہ، تو یہ سبھی کچھ ایک ہی دل میں جمع ہیں، امارہ نے پلکیں جھپکائیں،

ہاں : پیار : محبت : چاہت : انس : غم : آنسو اور آہوں کے مجموعے کا نام ہی تو دل ہے : میرے پاس یہی سرمایہ تھا : امارہ جو مدت ہوئی میں نے حسن کے حضور پیش کر دیا تھا : میرے پاس تنخواہ ہی نہیں : میرے پاس سرمایہ نہیں میرے پاس اس کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں : امارہ جی : جو میں آپ کی خدمت میں پیش کر سکوں :

لیکن آپ ایسا تکلف ہی کیوں کرتے ہیں :

تکلف میں نہیں کرتا امارہ : میرے سینے میں اُمڈنے والے طوفان کرتے ہیں : وہ جذبات کرتے ہیں : جو آپ کو دیکھ کر میرے قابو میں نہیں رہتے : وہ تصورات کرتے ہیں : جن میں ہر وقت آپ کی تصویر گھومتی ہے : اور میرے وہ لمحات کرتے ہیں : جو صرف آپ کی یاد سے معمور ہیں :

عارف صاحب : امارہ نے بڑی سنجیدگی سے عارف کیجانب دیکھا :

جی ــ عارف نے بھی بڑی ہی سنجیدگی سے جواب دیا :

آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں : اس پر کبھی غور بھی کیا آپ نے

ہاں امارہ : میری تنہائیاں غور کرنے میں بسر ہوتی ہیں : میں ساری ساری رات سوچتا رہتا ہوں : میں تو غور کرتے کرتے عاجز آ گیا ہوں : امارہ

نہیں عارف صاحب : آپ نے سنجیدگی سے غور نہیں کیا : کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں : ایک بار پھر غور کیجیے :

گذشتہ دو روز سے زکام اور بخار میں مبتلا

عارف تھا؛ اس لئے کالج نہیں جا رہا تھا؛ اور آج تو ویسے بھی اتوار تھا؛ گھر کے سارے افراد حسبِ عادت سلمیٰ خاتون کے کمرے میں بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے؛ لیکن عارف اپنے کمرے میں پلنگ پر لحاف اوڑھے دراز تھا؛

عارف بیٹا دکھائی نہیں دے رہا؛ اس کی طبیعت کیسی ہے؛ قیوم صاحب نے

نے اپنی بیوی سلمیٰ خاتون کی جانب مسکراتی نگاہوں سے دیکھ کر پوچھا:
سردی لگ گئی تھی اسے! زکام ہو گیا! اور اس کے ساتھ ہی معمولی حرارت بھی:
غالباً کمرے میں ہی لیٹ رہا ہو گا! کیوں بیٹی! اس نے ناشتہ بھی کیا ہے یا نہیں:
سلمیٰ خاتون نے شاہدہ کی جانب دیکھ کر پوچھا!
ناشتہ تو امّی جان بھیا کبھی نہیں چھوڑتے! آج میں نے انہیں کہا تھا! کہ زکام میں انسان کو فاقہ کرنا چاہیئے! تو کہنے لگے! سادھو جی مہاراج نے فرمایا تھا کہ زکام اور بخار میں ڈبل ناشتہ کرو! لہذا انہوں نے آج ناشتہ بھی ڈبل کیا ہے:
امّی جان:

قیوم صاحب مسکرانے لگے:

بھئی یہ سادھو جی مہاراج کون ہیں — جن کا ہر موقعے پر حوالہ دیتا ہے انہوں
انہوں نے اپنی بیوی کی جانب دیکھ کر پوچھا:
خدا جانے یہ کون ہے تو سادھو اس نے تو ناک میں دم کر دیا ہے! بات بات پر سادھو جی مہاراج! جب سے پہاڑوں سے واپس آیا ہے! بات بات پر اسی کا حوالہ دیتا ہے! غالباً وہاں کسی پہاڑی میں اس نے کسی سادھو کو دیکھ لیا ہو گا!
خوب! لیکن یہ بات ضرور ہے کہ ہر عقل مندی کی بات اسی سے منسوب کرتا ہے!

نہیں ابا جان! بعض اوقات اپنے دل کی خواہش کا اظہار بھی سادھو جی مہاراج ہی سے منسوب کرتا ہے! اب بھلا زکام میں لوگ فاقہ کرتے ہیں! اور سادھو جی ڈبل ناشتہ کا حکم صادر فرما رہے ہیں! یہ کہاں کی حکمت ہے! شاہدہ نے قیوم صاحب کیجانب دیکھ کر کہا!

تم نہیں جانتیں بیٹی! رات اس نے کھانا نہیں کھایا تھا! اب اسے بھوک لگ رہی ہوگی! اس لئے اس نے حسب عادت سادھو جی مہاراج کا حوالہ دیدیا سلمیٰ خاتون نے مسکرا کر شاہدہ سے کہا!

بھئی یہ تو بڑی بات ہے کہ ہم سب یہاں بیٹھے ہیں اور وہ تنہا لیٹا ہے! یا تو اسے یہاں لے آؤ یا ہم سب وہیں چلتے ہیں! قیوم صاحب نے پدرانہ شفقت کے جذبے سے کہا!

ہمیں ہی وہاں جانا چاہیئے! وہ گرم بستر میں لیٹا ہے! ایسا نہ ہو کہ اسے ہوا لگ جائے! سلمیٰ خاتون نے اپنے لحاف سے نکلتے ہوئے کہا! اور سب لوگ عارف کے کمرے کیجانب قدم اٹھانے لگے اور جب گھر کے ان سب افراد کا قافلہ عارف کے کمرے میں پہنچا! تو وہ پہلے تو سب کو دیکھ کر حیران ہوا! پھر پلنگ پر اٹھ کر بیٹھ گیا! کبھی اپنی نبض دیکھنے لگتا! کبھی اپنی پیشانی پر ہاتھ لگاتا!

بیٹا! تم میرے کمرے میں نہیں آتے تھے! اس لئے ہم سب یہاں آ گئے سلمیٰ خاتون نے مسکرا کر اس کے پلنگ پر بیٹھتے ہوئے کہا!

جی ہاں؛ ساد ہو جی مہاراج نے بھی یہی فرمایا تھا کہ جب گھر کے سارے افراد عیادت کو آئیں تو سمجھ لو کہ تم بیمار ہو؛ گیا میں بیمار ہوں؛ امّی جان؛

جی ہاں؛ لیکن ڈبل ناشتہ کرنے والے بیمار؛ شاہدہ نے مسکرا کر جواب دیا اور سب لوگ کھلکھلا کر ہنس دیئے؛

اب طبیعت کیسی ہے؛ بیٹا؛ قیوم صاحب نے پلنگ کے قریب کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا؛

الحمد اللہ؛ اب تو ٹھیک ہوں؛ ابو جان عارف نے بڑی سعادت مندی سے جواب دیا؛ اور پھر شہزاد اور امارہ کیجانب دیکھ کر کہنے لگا؛

آپ بھی بیٹھ جایئے لیڈیز اینڈ جنٹلمین؛

اور جب سب لوگ بیٹھ گئے تو عارف کھنکار کر کہنے لگا؛

میرا خیال ہے کہ حاضری پوری ہو گئی ہے؛ اب جلسے کی کارروائی شروع ہونی چاہیئے؛

جلسہ ___ کیسا جلسہ؛ سلمیٰ خاتون نے ہنستے ہوئے عارف کی جانب دیکھ کر کہا؛

امّی جان؛ یہ ہر اتوار کو ہمارے ہاں جلسہ ہی تو ہوتا ہے؛ دیسے میں اپنے دوستوں کے ساتھ بڑے فخر سے ذکر کیا کرتا ہوں؛ کہ ہر اتوار کو صبح سے دوپہر تک ہم گھر کے سارے افراد امّی جان کے کمرے میں رہتے ہیں؛ اور میرے

دوست ہمارے اس جدت کو سن کر بڑے حیران ہوتے ہیں۔ اب میں انہیں بتاؤں گا کہ اس اتوار کو اپنی علالت کی وجہ سے جب میں امی جان کے کمرے میں نہ جاسکا تو سب لوگ میرے کمرے میں جمع ہو گئے۔ ہمارے گھر کی یہ رسم تو بعض دوستوں نے بھی اپنائی ہے۔ امی جان!

ویسے رسم بڑی اچھی ہے امی جان! شہزاد نے مسکرا کر کہا! میں بھی اکثر دوستوں سے اس کا ذکر کیا کرتا ہوں! تو وہ بھی بڑے حیران ہوتے ہیں!

اچھی رسم کی سب ہی تعریف کریں گے بیٹا! قیوم صاحب نے مسکرا کر اپنے دونوں بیٹوں کی جانب دیکھا!

عموماً دیکھا گیا ہے کہ اتوار کے روز بعض گھرانوں میں لوگ دیر تک سوتے رہتے ہیں! یا اپنے اپنے پروگرام بنا کر باہر نکل جاتے ہیں! اور سارا سارا دن غائب رہتے ہیں! ہفتے کے سات دنوں میں چھٹی کا دن ہی تو ایسا ہوتا ہے کہ گھر کے افراد مل کر بیٹھیں ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہوں! ایک دوسرے کے احساسات کا خیال کریں! آپس میں صلاح مشورے کریں! اگر چھٹی کے دن بھی ہر ایک نے اپنی ہی راہ اختیار کرنا ہے! تو پھر چھٹی کا فائدہ! آپس میں مل بیٹھنے سے پیار محبت بڑھتا ہے! بیٹا! بلکہ میں تو تمہیں کہوں گا کو اپنے دوستوں سے اکثر تذکرہ کیا کرو! اور اس رسم کی خوبیاں بتایا کرو! تاکہ وہ بھی اپنے اپنے گھروں میں اس رسم کو رواج دیں! ایک تو نوجوانوں کی آوارہ گردی ختم ہو گی! ان کے والدین خوش

ہو گئے: اور دوسرے ان کے خانگی معاملات بڑی آسانی سے طے پا جایا کریں گے
میرے اکثر دوست اس رسم کو اپنا چکے ہیں: امید ہے کہ تمہارے دوست بھی
آہستہ آہستہ تمہاری تقلید کرنا پسند کریں گے:

قیوم صاحب نے دونوں بیٹوں سے کہا: اور پھر اخبار کھولنے لگے:

خیر، یہ باتیں تو ہوتی ہی رہیں گی: آج تو میں شہزاد بیٹے سے ایک مشورہ
لینا چاہتی ہوں۔ سلمیٰ خاتون نے کہا: اور شہزاد کی جانب دیکھا:

فرمائیے امی جان:

بیٹا: تمہاری چچی چند روز ہوئے آئی تھیں: تم نہیں جانتے بیٹا: جن کے گھر جوان
بیٹی بیٹھی ہو ان کی راتوں کی نیندیں حرام ہو جایا کرتی ہیں: ان کی سب سے
بڑی خواہش یہی ہوتی ہے: کہ کسی طرح اپنی بیٹی کی ڈولی اپنے گھر سے
اٹھا دیں: ثمینہ بیٹی اب خدا کے فضل سے جوان ہے: اور تم جانتے ہی ہو کہ وہ
بچپن سے تمہارے ساتھ منسوب ہے: تمہاری چچی کا خیال ہے: کہ اپریل کے
آخر میں شادی کر دی جائے: لیکن ہم نے ابھی تک انہیں کوئی جواب نہیں دیا:
جواب بھی کیسے دے سکتے ہیں، جب تک تمہارا مشورہ نہ لے لیں: اب بتاؤ
بیٹا میں انہیں کیا جواب دوں:

واہ امی جان: اتنی سی بات کی اتنی لمبی چوڑی تمہید، جواب دینے کی
کیا ضرورت ہے: میں قاضی جی کو لے آتا ہوں: آپ ان دونوں کا نکاح پڑھوا دیں

صبح سے تو یہیں ہوں: امارہ کی مسکراہٹوں میں اضافہ ہو گیا:

اس وقت: آپ کی مسکراہٹیں سب کے لئے تھیں: اب صرف میرے لئے ہیں:

آپ کے لئے نہیں آپ کی شرارتوں کے لئے:

کیا میری شرارتیں آپ کو عزیز ہیں:

سبھی پسند کرتے ہیں:

اپنی بات بتایئے: سب لوگوں کا بیان کیا تو کیا:

میں بھی تو آخر سب کے ساتھ ہی ہوں: ان سے علیحدہ تو نہیں ہوں:

مطلب یہ کہ آپ کو بھی پسند ہیں:

ہاں:

کس قدر افسوس ہے: آپ میری شرارتیں تو پسند کرتی ہیں: ان پر ہنستی ہیں مسکراتی ہیں: لیکن میری ایک بات سننے کے لئے بھی تیار نہیں: کیا یہ میری بدنصیبی نہیں:

بحث میں تو آپ سے کوئی نہیں جیت سکتا: امارہ نے گفتگو کو ختم کرنے کا بہانہ تلاش کیا: اور پھر کمرے سے باہر نکل گئی: لیکن باہر چند قدموں کے فاصلہ پر خنجر لو کھڑا اس کی جانب دیکھ کر مسکرا رہا تھا:

آپ:

ہاں میں عارف کے کمرے میں جا رہا تھا کہ آپ لوگوں کی گفتگو سن کر رک گیا۔

اوہ! تو آپ نے سن لی ساری گفتگو۔

ہاں شہزاد نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

کیا آپ اپنے بھائی کو سمجھانے کی کوشش نہیں کریں گے؟

ضرور کروں گا بشرطیکہ وہ سمجھ گیا۔

اور اگر اس نے سمجھنے کی کوشش نہ کی تو — امارہ نے شوخ نگاہوں سے شہزاد کی جانب دیکھ کر پوچھا۔

نہیں! اس نے آج تک میری کوئی بات رد نہیں کی۔ وہ میری بات ضرور مان جائے گا۔

شہزاد نے مسکرا کر جواب دیا۔ اور پھر عارف کے کمرے کی بجائے صحن کے بیرونی دروازے کی جانب قدم اٹھانے لگا۔

عارف ــــــ !

جی بھائی جان

شام کے وقت لباس تبدیل کر کے عارف کہیں باہر جا رہا تھا، کہ شہزاد نے اپنے کمرے سے اسے آواز دی، اور عارف اپنے بڑے بھائی کے کمرے میں داخل ہو گیا۔

کہاں جا رہے ہو عارف، شہزاد نے مسکراتے ہوئے پوچھا!

کہیں نہیں بھائی جان، سارا دن لحاف میں لیٹ

کہ طبیعت سست ہو گئی ہے، سوچا تھا کہ باہر دو چار دوستوں کے ساتھ گپ لڑاؤں گا۔

تھوڑی دیر کے لئے بیٹھ جاؤ عارف، شہزاد نے بڑی سنجیدگی سے کہا اور عارف اپنے بھائی جان کی اس سنجیدگی کو حیرت سے دیکھنے لگا، اس کی نگاہیں اپنے بھائی کے چہرے پر مرکوز تھیں، وہ کرسی پر بیٹھ گیا۔

آج صبح عارف، میں نے تمہاری ایک چوری کی ہے، جس کے لئے میں معافی چاہتا ہوں۔

میری چوری ــــ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں، بھائی جان، میرے پاس کونسے ہیرے تھے جن کی چوری آپ کو ضرورت محسوس ہوئی، ویسے بھی میری چند چیزیں آپ ہی کی ہیں، آپ مذاق کر رہے ہیں، بھائی جان۔

نہیں عارف مذاق نہیں، میں سنجیدہ ہوں۔

آپ کی سنجیدگی تو میں بھی دیکھ رہا ہوں، لیکن چوری سے میں مطلب نہیں سمجھا

آج صبح میں نے تمہاری گفتگو سنی ہے عارف، تم امارہ سے کچھ کہہ رہے تھے نا۔

اوہ ــــ عارف نے مسکرا کر اپنے بھائی جان کی جانب دیکھا۔

اوہ، تو یہ تھی وہ چوری، آپ نے تو مجھے ڈرا ہی دیا تھا بھائی جان۔

ہاں، یہی تھی، وہ چوری، میں باہر جانے سے پہلے تمہارے کمرے کی

جانب کسی کام سے جارہا تھا، کہ باہر سے مجھے تمہاری اور امارہ کی گفتگو سنائی دی۔ اخلاقاً مجھے واپس لوٹ آنا چاہیئے تھا۔ یا اپنی موجودگی سے تمہیں باخبر کر دینا چاہیئے۔ لیکن میں ایسا نہ کر سکا۔ اور خاموشی سے تم دونوں کی گفتگو سنتا رہا۔

ہماری گفتگو سے آپ نے کیا نتیجہ نکالا بھائی جان۔ عارف نے مسکرا کر پوچھا۔

پہلے تو تم یہ بتاؤ عارف کہ اس وقت تم سنجیدہ ہو۔

قطعاً بھائی جان

اور صبح گفتگو کرتے وقت بھی سنجیدہ تھے۔

جی ہاں۔

کیا تم واقعی امارہ سے پیار کرتے ہو۔

عارف نے سر جھکا لیا۔

تم دونوں کی گفتگو سن کر میں نے یہ نتیجہ نکالا ہے عارف کہ تم اس سے پیار کرتے ہو۔ تمہارے پیار میں بڑی شدت ہے۔ لیکن امارہ تمہارے جذبات کی قدر نہیں کر رہی۔

ہاں بھائی جان۔ یہی معاملہ ہے۔ پیشتر ازیں بھی دو چار مرتبہ میں اسے اپنے جذبات سے آگاہ کر چکا ہوں۔ لیکن اس نے ہمیشہ مذاق میں ٹال دیا۔ تین چار دن پہلے جب آپ گرم کپڑا لائے تھے۔ اور میں اس کے کمرے میں تینوں کا بنڈل بنا کر لے گیا تھا۔ اس دن بھی میں نے اس کے سامنے اپنے جذبات

دکھ دیئے لیکن وہ ہنستی رہی؛ اور جب میں نے سنجیدگی سے کہا؛ تو اس نے مجھے مشورہ دیا، کہ میں اپنے اس ارادے پر از سرِ نو غور کروں۔"

"ہوں؛ تو تم نے غور کیا؟"

"ہاں بھائی جان! میں نے بہت غور کیا ہے؛ اور جیسے جیسے غور کرتا ہوں؛ یہ حقیقت مجھ پر عیاں ہوتی ہے کہ میں شاید اس کے بغیر زندگی بسر نہیں کر سکتا؛ مجھے ایسے محسوس ہوتا ہے، بھائی جان؛ جیسے اگر امارہ میری زندگی کی ساتھی نہ بن سکی تو میری زندگی کھوکھلی رہ جائے گی۔"

"اور کچھ ——" شہزاد نے بدستور سنجیدہ لہجے سے پوچھا۔

"اور بھائی جان! سمجھ نہیں آتا، آپ کو کیسے بتاؤں، ممکن ہے! آپ اسے محض میرا پاگل پن قرار دے دیں؛ لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس گھر سے امارہ کہیں اور چلی گئی۔ اگر اس نے کسی دوسرے مرد سے شادی کر لی تو میں اس کے شوہر کو زندہ نہیں رہنے دوں گا! اپنی اس حماقت پر میں اکثر سوچتا ہوں؛ بھائی جان! لیکن ہر بار میرا دل یہی کہتا ہے کہ تو کسی رقیب کو برداشت نہیں کر سکتا؛ امارہ صرف تیرے لئے بنی ہے؛ وہ کسی اور کی نہیں ہو سکتی؛ اور اگر وہ کسی اور کی ہو گئی تو اسے زندہ نہیں چھوڑے گا؛ تو قاتل بن جائے گا؛ تیرے ہاتھ خون میں ڈوب جائیں گے۔"

"لیکن عارف! اس بات پر بھی کبھی غور کیا ہے کہ امارہ کا رویہ تمہارے

متعلق کیا ہے!

اس کا دیر بڑا سرد ہے بھائی جان! آج میں نے اس سے پوچھا تھا کہ وہ زندگی کیسے بسر کرے گی! کیا اسے کسی ساتھی کی ضرورت نہیں! کیا ساری عمر شادی نہیں کرائے گی! لیکن اس نے ٹال دیا! کوئی واضح جواب نہیں دیا! اور نہ میرے جذبات کی قدر کی! وہ یقیناً کسی اور سے پیار کرتی ہے! بھائی جان!

اچھا۔۔۔ شہزاد نے حیرت سے عارف کی طرف دیکھا!

ہاں بھائی جان! میں ان لڑکیوں کی فطرت سے واقف ہوں! جب یہ کسی سے پیار کرتی ہیں تو دنیا کی ہر نعمت کو ٹھکرا دیتی ہیں! یہ اپنے پیار میں اس قدر اندھی ہو جاتی ہیں کہ مستقبل کی کرنوں یا اندھیروں میں تمیز نہیں کر سکتیں! لیکن بھائی جان! میں صبح سے اسی سوچ میں مستغرق ہوں کہ وہ کون ہے! جس کے ساتھ امارہ پیار کرتی ہے! اسے کافی عرصہ ہو گیا ہے یہاں آئے ہوئے! اس دوران یہ ایک مرتبہ بھی تو باہر نہیں گئی! اسے کہیں سے خط بھی کبھی نہیں آیا! نہ اسے کبھی کوئی ملنے آتا ہے! اس طویل عرصے میں تو پرانی یادیں! ویسے ہی زنگ آلود ہو جاتی ہیں! لیکن اس کے دل میں جو یادیں پوشیدہ ہیں تو ان پر تو زنگ کا نام و نشان بھی دکھائی نہیں دیتا! ان کی چمک تو بڑی تیز ہے! بھائی جان! اور مجھے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہر دن گذرنے کے ساتھ ان یادوں کی چمک میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے! وہ کون ہو سکتا ہے!

غمگین ہے کوئی ہو — شہزاد نے مسکرا کر کہا:

یقیناً کوئی ہوگا، بھائی جان: ورنہ ایک بے سہارا نوجوان لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر جب زندگی کی راہوں پر چلانے کی کوشش کیجائے: تو وہ لڑکی آنکھیں بند کر کے سہارا قبول کر لیا کرتی ہے: میں نے بڑی کوشش کی کہ امارہ کو سہارا دوں: اسے مستقبل کے حسین خوابوں کی جھلک دکھائی: اسے زمانے میں زندگی بسر کرنے کے طریقوں سے آگاہ کیا: زندگی کی آخری سانس تک اس کا ہاتھ پکڑنے کے وعدے کئے: لیکن بھائی جان: وہ تو جیسے میری ہر بات کو مذاق سمجھتی ہے غور ہی کرتی نہیں: اور جب غور کرتی ہے: تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس کے سینے میں چھپی ہوئی کسی کی یاد نشتر چبھونے لگتی ہے اس کی روح اس وقت لہو لہان ہو جاتی ہے: اور وہ زخمی سی مسکراہٹوں سے میری جانب دیکھ کر میری درخواست کو ٹال دیتی ہے:

یقیناً اس کے سینے میں کسی کی یاد پوشیدہ ہے: عارف

ہاں بھائی جان: اگر اس کے سینے میں یادوں کے چراغ روشن نہ ہوتے تو زندگی کے ان اندھیاروں میں وہ میرے سہارے کو ٹھکرا نہ دیتی: لیکن بھائی جان: میں نے تہیہ کر لیا ہے: کہ ایک ایک کر کے اس کے سینے میں یادوں کے یہ روشن چراغ بجھا دوں گا: میں جانتا ہوں وہ کہیں جا نہیں سکتی: اس کے پاس کوئی آ نہیں سکتا: اس نے اسی چار دیواری میں زندگی بسر کرنا ہے: لیکن

عارف نے بستر سے اٹھتے ہوئے کہا!

اور جب وہ سلیپر پہن کر باہر جانے لگا، تو سلمیٰ خاتون نے حیرت سے کہا!

ارے تو کیا ابھی قاضی کو بلانے جارہے ہو۔

قیوم صاحب کے علاوہ باقی سب لوگ بھی اس کیجانب حیرت سے دیکھنے لگے! کہ عارف یہ کیسی حرکت کر رہا ہے!

لیکن عارف نے بڑی معصومیت سے جواب دیا!

اب تو میں صرف غسل خانے تک جارہا ہوں! امی جان

سارے ہی لوگ ہنسنے لگے! اور سلمیٰ خاتون بڑے پیار سے اسے ایک چپت رسید کر کے کہنے لگی تمہاری ہر حرکت نرالی ہوتی ہے میں تو ڈر ہی گئی تھی کہ شاید قاضی کو بلانے جارہے ہو!

واہ امی جان! قاضی جی سے ڈرنے کی کیا وجہ ہے! قاضی تو ہر انسان کی زندگی میں آتا ہے، پھر اس نے ایک بڑی ہی سانس لی اور کہنے لگا!

خدا جانے ہماری زندگی میں بھی قاضی کا وارد بھی لکھا ہے یا نہیں۔

قیوم صاحب صرف مسکرا دیئے اور شہزاد! امارہ اور شاہدہ کھلکھلا کر ہنس دیئے

امی جان! شہزاد نے ہنستے ہوئے کہا! پہلے آپ عارف کے لئے کسی قاضی کا انتظام فرما دیں! اسے بڑی حسرت ہے قاضی صاحب سے ملنے کی!

عارف مسکراتا ہوا کمرے سے ملحق غسل خانے میں گھس گیا؛ اور سلمیٰ خاتون پھر شہزاد سے کہنے لگیں!

نہیں بیٹا، سنجیدگی سے غور کرو، میری بات پر؛ مذاق میں ٹالنے کی کوشش نہ کرو!

امارہ بڑی معنی خیز نگاہوں سے شہزاد کی جانب دیکھ رہی تھی؛ اور شہزاد عجیب کشمکش و پیچ میں مبتلا ہو گیا تھا؛ وہ ثمینہ سے نفرت کرتا تھا، گو وہ بچپن ہی سے منسوب تھا؛ لیکن اس کی اور ثمینہ کی طبیعت میں زمین آسمان کا فرق تھا؛ وہ کسی حالت میں بھی ثمینہ کے ساتھ شادی کرنے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا تھا؛ اس نے تو امارہ کے آتے ہی فیصلہ کر لیا تھا، کہ اس کی شریک حیات صرف یہی یتیم و لاوارث لڑکی بن سکتی ہے؛ اس لئے اس نے امارہ کو اپنی محبت کا یقین دلایا تھا اس لئے اس نے اس لاوارث لڑکی سے ساری زندگی کی رفاقت کی بھیک مانگی تھی! اس لئے اس نے امارہ کے ساتھ مستقبل کے حسین خواب دیکھے تھے لیکن اب اس کی امی تقاضا فرما رہی تھیں کہ ثمینہ جوان ہو گئی ہے؛ وہ اپنی امی کو کیا جواب دے؛ وہ دل ہی دل میں سوچنے لگا؛ اگر وہ امی جان کے سامنے صاف انکار کر دیتا ہے؛ تو انہیں رنج ہو گا؛ ان کے وعدے جھوٹے ہو جائیں گے وہ چچا شکور اور چچی فضیلت کے سامنے شرمندہ ہوں گی؛ ان کا دل ٹوٹ جائے گا؛ اگر وہ جواب نہیں دیتا! انہیں تاریخ مقرر کرنے کا اختیار دے دیتا ہے

تو امارہ اپنے دل میں کیا خیال کرے گی: وہ یتیم لڑکی جس کا ہاتھ پکڑ کر زندگی کی منازل طے کرنے کا دعا رہ کیا تھا! اس کے متعلق دل میں کیا سوچے گی: کیا وہ یہ خیال نہیں کرے گی کہ اس نوجوان نے شاید مجھے ایک کھلونا سمجھ کر دل بہلانے کی کوشش کی تھی میری غربت، مفلسی، لاوارثی اور بے بسیمی کا مذاق اڑایا تھا ـــــ وہ کیا کرے امی جان کو کیا جواب دے؛

سب کی نگاہیں اس پر مرکوز تھیں اور وہ سر جھکائے سوچ رہا تھا: امارہ کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا: اور وہ دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ سوچ رہی تھی کہ آج اس کی زندگی کا فیصلہ ہو جائے گا: آج اس کے حسین خوابوں کی تعبیر سامنے آجائے گی: آج شہزاد کی محبت کا امتحان ہو جائے گا: آج آنسوؤں یا قہقہوں میں سے ایک چیز قدرت اس کے لیے منتخب کرے گی: پہلے اس کا دل چاہا کہ وہ اٹھ کر کسی بہانے سے باہر چلی جائے: تاکہ اس کی غیر موجودگی میں شہزاد آزادی سے فیصلہ کر سکے: اس ارادے کے تحت وہ کرسی سے تھوڑا سا اٹھی بھی: لیکن پھر وہ بیٹھ گئی: اس نے سوچا کہ کیوں نہ اپنی قسمت کا فیصلہ خود اپنے کانوں سے سن لے: کشمکش و پیچ میں مبتلا رہنے سے فائدہ: وہ پھر بیٹھی ہی بیٹھ گئی: اور دزدیدہ نگاہوں سے شہزاد کی جانب دیکھنے لگی:

بیٹا! خاموش کیوں ہو گئے: سلمیٰ خاتون نے شہزاد کو سر جھکاتے دیکھ کر پوچھا

سوچ رہا ہوں: امی جان۔

خوب غور کرو، بیٹا، جواب کی جلدی نہیں ہے، جب کسی فیصلہ پر پہنچ جاؤ تو اپنی امی کو بتا دینا۔ قیوم صاحب نے شہزاد کیجانب دیکھ کر کہا، اور پھر اخبار پڑھنے میں مصروف ہو گئے۔ اور اپنے والد کے ان الفاظ سے گویا شہزاد کی تڑپتی ہوئی روح کو قرار آ گیا۔ اسے قیامت کے ان لمحات کو ٹالنے کا ایک موقع مل گیا۔ اس نے سر اٹھایا اور مسکرا کر اپنی امی کیجانب دیکھنے لگا۔

ہاں بیٹا، تمہارے ابو ٹھیک کہہ رہے ہیں، غور کرنے کے بعد مجھے بتلا دینا

بہت اچھا امی جان، شہزاد نے آہستہ سے کہا اور کنکھیوں سے امارہ کیجانب دیکھنے لگا۔ اسے ایسے محسوس ہوا جیسے امارہ کی نگاہیں اس کے سینے میں اتر کر محبت کے ان دیپوں کو تلاش کر رہی ہیں جو اس نے روشن کر رکھے تھے۔

ہو گیا فیصلہ — عارف نے دوبارہ کمرے میں آ کر پوچھا۔

ہاں بھیا، بھائی جان کا خیال ہے کہ ماد ہو جی مہاراج ضرور رہنمائی کریں گے شاہدہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

ماد ہو جی مہاراج نے تو پہلے ہی فیصلہ فرما دیا ہے کہ بیٹا آج کا کام کل پر نہ ٹال، شادی کل کرانا ہے تو آج ہی کر دلے۔ عارف نے آنکھیں بند کر کے جواب دیا۔

تمہارا ماد ہو بھی تمہاری طرح بے صبرا انسان ہے شاہدہ، شہزاد نے مسکرا کر عارف سے کہا۔

ہاں بھائی جان! سادھو مہاراج کا مقولہ ہے کہ صبر صرف بزدل ہی کیا کرتے ہیں: جن کے بازوؤں میں قوت ہوتی ہے: انہیں صبر کی کیا ضرورت ہے: صبر کر کے بیٹھ رہنے کی بجائے سادھو جی مہاراج کا فرمان ہے کہ اپنے قوت بازو سے اپنی خوشیاں چھین لو اور عیش کرو: کیوں کہ بابر ساری عمر عیش ہی کرتا رہا ہے:

چند لمحے اِدھر اُدھر کی گفتگو میں گذر گئے: اور سلمیٰ خاتون شاہدہ سے کہنے لگی بیٹی! ایک بج گیا ہے: پتہ کرو کھانا تیار ہوا ہے یا نہیں:

شاہدہ اٹھی تو اس کے ساتھ ہی امارہ بھی باورچی خانے کیجانب قدم بڑھانے لگی: ملازمہ نے کھانا تیار کر لیا تھا: وہیں عارف کے کمرے میں سب لوگوں نے بیٹھ کر کھانا کھایا: اور پھر اپنے اپنے کمروں کیطرف حسب عادت قیلولہ کرنے کے لئے چلے گئے: شہزاد نے کہیں باہر جانا تھا: وہ اپنے کمرے میں جا کر لباس تبدیل کرنے لگا: شاہدہ کھانا کھاتے ہی اپنے کمرے میں جا کر لیٹ گئی تھی: امارہ حسب عادت سب کے بعد باورچی خانے میں ملازمہ کو کھانا کھلا کر اور اسے رخصت کر کے جب اپنے کمرے کیجانب جانے لگی تو عارف نے اپنے کمرے سے اسے آواز دی: اور جب امارہ انجانے خدشات کو سینے میں چھپائے عارف کے کمرے میں پہنچی تو عارف پلنگ پر بیٹھ گیا: اور بڑی ہی سنجیدگی سے کہنے لگا:

امارہ! کیا آپ چند لمحے مجھے دے سکتی ہیں!

امارہ اس کی سنجیدگی پر غور کرتے ہوئے اس کی جانب دیکھنے لگی!

میں نے بہت غور کیا ہے امارہ! گذشتہ دو تین دن مسلسل غور کرتا رہا ہوں۔ میں نے ہر پہلو پر غور کیا ہے اور اب صرف ایک ہی نتیجے پر پہنچا ہوں!

کیا نتیجہ نکالا ہے آپ نے؟

یہی ایک نتیجہ کہ میں نے تمہارا قرب حاصل کیے بغیر زندگی کی مسرتوں سے ہمکنار نہیں ہو سکتا!

کیا اب میرا قرب حاصل نہیں ہے؟

ایسے قرب کا کیا فائدہ امارہ کہ میں کھل کر آپ سے بات بھی نہیں کر سکتا۔

یہ تو بالکل غلط ہے! میرا خیال ہے اس گھر میں سب سے زیادہ گفتگو تو جناب ہی کرتے ہیں! امارہ نے مسکرا کر اسے جواب دیا! اور قدم اٹھا کر باہر جانا چاہتی تھی کہ عارف نے روک لیا!

نہیں امارہ! خدا کے لئے چند لمحے اور میرے کمرے میں ٹھہر جائیے!

امارہ رک گئی اور دروازے کے قریب ایک کرسی پر بیٹھ گئی! اور اس کی جانب دیکھنے لگی!

میں جانتا ہوں امارہ کہ آپ کے دل میں میرے لئے کوئی جگہ نہیں، خدا جانے آپ اپنے دل میں میرے لئے کیا سوچ رہی ہوں گی! لیکن خدا شاہد ہے امارہ کہ میں دل کی عمیق ترین گہرائیوں سے آپ کو پیار کرتا ہوں! بعض اوقات محسوس

کرتا ہوں کہ اپنا سینہ چیر کر آپ کے قدموں میں رکھ دوں، تاکہ آپ کو یقین آ سکے، کہ میں مذاق نہیں کر رہا، میں سنجیدہ ہوں امارہ!

عارف صاحب ـــــ قدرت نے میرے ساتھ اتنے مذاق کئے ہیں، کہ میں اب کسی مزید مذاق کی متحمل نہیں ہو سکتی! اگر آپ مذاق کر رہے ہیں بس اسے ختم کر دیں۔ اور اگر آپ واقعی سنجیدہ ہیں، تو میں اس قابل نہیں نہیں ہوں کہ آپ کے جذبات کی قدر کر سکوں!

کیوں ـــ آخر کیوں امارہ! کیا آپ کو زندگی گذارنے کے لیے کسی ساتھی کی ضرورت نہیں ہے! کیا آپ زندگی کی تمام راہیں تنہا طے کرنے کا ارادہ کر چکی ہیں! یا میں یہ سمجھنے پر مجبور ہو جاؤں کہ آپ نے کسی دوسری ہستی کو اپنی زندگی کا ساتھی منتخب کر لیا ہے! لیکن گذشتہ چھ سات ماہ سے تو میں یہی دیکھ رہا ہوں کہ آپ نے اس گھر سے کبھی باہر قدم نہیں رکھا! اور یہی سب کچھ دیکھ کر تو میں نے اپنے سینے میں آپ کے پیار کی پرورش کی ہے! میرا تو خیال تھا کہ مجھے اپنی زندگی کا ساتھی بنانے میں آپ کو ہچکچاہٹ نہیں ہو گی! آخر مجھ میں کون سی خامی ہے! کیا میں جواری ہوں! شرابی ہوں! اندھا ہوں! کانا ہوں! کالا ہوں! کیا ہوں!

آپ میں کوئی خامی نہیں عارف صاحب! بلکہ سب خوبیاں موجود ہیں! لیکن میں اس قابل نہیں کہ آپ کا ساتھ دے سکوں!

آپ غلط کہہ رہی ہیں امارہ، آپ اپنے اندرونی جذبات پر لفاظی کا جامہ پہنانے کی ناکام کوشش کر رہی ہیں۔ میں جانتا ہوں جو کچھ آپ کے دل میں ہے، وہ آپ کی زبان پر نہیں آ رہا۔ آخر آپ نے اپنے مستقبل کے متعلق کیا سوچ رکھا ہے کیا میں ابھی جان سے بات کر دوں۔

کیسی بات ـــــ امارہ نے گھبرا کر عارف کی جانب دیکھا۔

یہی کہ میں امارہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔

جو چیز ہو نہیں سکتی اس کے متعلق سوچنے سے کیا فائدہ عارف صاحب

ہو کیوں نہیں سکتی، دنیا میں کونسا مقصد ایسا ہے جس کے لئے انسان کوشش کرے اور اسے حاصل نہ کر سکے۔

ہزارہا مثالیں ایسی ہیں، انسان کوشش کرتا ہے، سر توڑ کوشش کرتا ہے، لیکن مقصد کے حصول میں ناکام رہتا ہے۔

میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں۔ امارہ میں نے آج تک جس مقصد کیلئے کوشش کی، اسے حاصل کر لیا۔ اب مجھے کوشش ہی کرنی پڑے گی۔ امارہ اب میں آپ سے نہیں پوچھونگا، صرف اپنے طور پر کوشش کروں گا۔

محض وقت ضائع کریں گے آپ! امارہ نے مسکرا کر جواب دیا، اور اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

کیا آپ چند لمحے بھی یہاں نہیں ٹھہر سکتیں۔

ہے اس کے لئے مجھے طویل انتظار کرنا پڑے، ممکن ہے میں امّی جان سے درخواست کر کے جلد ہی اسے اپنی زندگی کی ساتھی بنا لوں، بہر حال، یہ سارے دیپ میں بجھا دوں گا، اور اگر اس دوران مجھے کوئی ایسا شخص نظر آ گیا، جس کے متعلق مجھے شبہ بھی ہوا کہ میری تمناؤں کا ڈاکو یہی ہے، تو میں بے دریغ اس ڈاکو کے سینے میں خنجر گھونپ دوں گا!

اس حالت میں کیا تم امارہ پر زیادتی نہیں کرو گے؟

نہیں بھائی جان — میں اپنی آرزوؤں کا گلا گھونٹ کر کسی کو مسکراہٹیں عطا کرنے کا قائل نہیں، خوشیاں وہی ہیں بھائی جان جو اپنی جھولی میں ہوں، کسی کے ہونٹوں پر تبسم دیکھ کر میرے آنسو تو خشک نہیں ہو سکتے؟

کیا تم امارہ کو اس کی خوشیاں حاصل نہیں کرنے دو گے؟

امارہ یقیناً زمانے بھر کی خوشیاں حاصل کر سکتی ہے، لیکن صرف میرے دامن سے وابستہ رہ کر؟

بڑا خود غرض ہے تمہارا پیار، شہزادہ نے رحمی سی مسکراہٹوں سے عارف کی جانب دیکھ کر کہا!

ہاں بھائی جان، لیکن کیا کروں فطرت ہی ایسی ہے۔

اچھا عارف! جاؤ اب تم جا سکتے ہو!

لیکن بھائی جان! کیا آپ میری مدد نہیں کریں گے؟

میں ـــــ میں تمہاری مدد کیسے کر سکتا ہوں عارف ـــــ شہزاد نے ٹھنڈی سانس لے کر پوچھا!

آپ امارہ کو سمجھائیں بھائی جان! اسے کہیں کہ پرانے پیار کی یادوں کو دل سے نوچ کر پھینک دے!

میں کوشش کروں گا عارف ـــــ شہزاد نے اندرونی کرب سے اپنی آنکھیں بند کر لیں! اور پشت سے اپنا سر لگا لیا!

اور بھائی جان آپ اسے مجبور کریں کہ وہ میرے ساتھ شادی کر لے! میں ساری زندگی اس کے لئے راحتیں جنتا رہوں گا!

اچھا عارف! ـــــ

اور بھائی جان ـــــ عارف کچھ کہتے کہتے رک گیا!

اور کیا عارف! شہزاد نے آنکھیں کھول کر اس سے پوچھا!

اور بھائی جان آپ نے آج تک میری ہر جائز اور ناجائز خواہش کو پورا کرنے کی کوشش کی ہے! امی جان اور ابا حضور کی مخالفت کے باوجود آپ نے انہیں ہمیشہ میرے لئے ہموار کیا ہے! آپ نے آج تک بھائی جان اپنی ساری خوشیاں میری ذات پر نچھاور کر دی ہیں! اور اب بھائی جان ـــــ یہ تو میری زندگی کی آخری بازی ہے! کیا آپ اس آخری بازی میں میری مدد نہیں کریں گے آپ اسے ضرور سمجھائیں بھائی جان! وہ جس کے پیار میں آنکھیں بند کئے قدم اٹھا

یہی ہے اسے سمجھائیں بھائی جان کہ اس کا پیار جھوٹا ہے۔ اگر اس کا پیار سچا ہوتا تو اس طویل عرصہ میں وہ ایک بار تو اس کی خبر لیتا!

ممکن ہے اس کا پیار سچا ہو: عارف! شہزاد نے افسردہ سے لہجے میں کہا!

نہیں بھائی جان اس کا پیار سچا نہیں ہو سکتا: میرا پیار سچا ہے: میرا پیار اس کے پیار سے زیادہ قوی ہے! اس میں زیادہ شدت ہے! اس میں زیادہ پیاس ہے! اس میں زیادہ مٹھاس ہے! آپ امادہ کو میرے پیار کی شدت سے آگاہ کریں بھائی جان! کیا آپ کریں گے؟ ــــ؟

ہاں، عارف! میں ضرور کروں گا! میں نے آج تک تمہاری کون سی بات کی ہے! کیا میں نے تمہیں کبھی مایوس کیا ہے!

نہیں بھائی جان! اور حقیقت بھی یہی ہے بھائی جان کہ مجھے زندگی کے ہر معاملے میں اپنے آپ سے زیادہ آپ کی ذات پر بھروسہ ہے!

شہزاد نے دوبارہ آنکھیں بند کر لیں، اپنا سر کرسی کی پشت سے ٹکا دیا اور بڑے ہی مجروح انداز میں آہستہ آہستہ کہنے لگا: جیسے اگر اس نے بلند آواز سے گفتگو کی تو اس کی روح کے سارے زخم کھل جائیں گے!

ہاں عارف ــــ تم نے آج تک میری ہی ذات پر بھروسہ کیا ہے! تمہارے اس بھروسے کو ٹھیس نہیں پہنچاؤں گا!

عارف! میں بھی تمہاری طرح زندگی کی آخری بازی لگا دوں گا! تمہیں خوش،

دیکھنے کے لئے میں دنیا کے ہر غم کو اپنے سینے میں چھپا سکتا ہوں: عارف تمہاری
خوشیوں کی تلاش میں دکھ درد اور غم کے سارے نوکیلے کانٹے میں اپنی
پلکوں سے چنوں گا۔ تم جاؤ عارف، تم مطمئن ہو کر جاؤ۔ اور دعا کرو کہ تمہارا بڑا
بھائی زندگی کے اس سب سے بڑے امتحان میں کامیاب ہو جائے!

عارف اپنی کرسی سے اٹھا۔ اس کے لئے بڑے بھائی کا وعدہ آسمانی صحیفہ
سے کم نہیں تھا۔ اس بڑے بھائی نے ہمیشہ اپنی ذات پر عارف کی ذات کو ترجیح
دی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ شہزاد بھائی دنیا بھر کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ لیکن اس
کی آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتا۔ وہ اٹھا اور خوشیوں کے بوجھ سے جھومتا ہوا
اپنے بھائی پر جھک گیا۔ اس نے اپنے دو سال بڑے بھائی کی پیشانی پر ایک
طویل بوسہ دیا۔ اور پھر کمرے سے باہر نکل گیا!

اور شہزاد

وہ کتنی ہی دیر تک یونہی آنکھیں بند کئے، کرسی کی پشت سے سر ٹکائے
بیٹھا رہا! اور جب باہر شام کے اندھیرے پھیل گئے اور امارہ نے اس کے
کمرے میں آ کر بجلی کا سوئچ آن کیا تو شہزاد نے اپنے تفکرات کی دنیا سے گھبرا
کر آنکھیں کھول دیں!

اور

اس کی پلکوں سے آنسوؤں کے دو موتی اس کے رخساروں پر ٹپک کر چمکنے لگے

تپ ــــــ آپ کی پلکوں میں آنسو!

امارہ نے گھبرائے ہوئے لہجے میں اس کیجانب قدم بڑھا کر کہا اور قریب ہی

فرش کی دری پر بیٹھ کر اس کیجانب دیکھنے لگی: شہزاد نے دونوں آنسو خشک کئے

اور پھیکی سی مسکراہٹ سے امارہ کیجانب دیکھ کر کہنے لگا:

امارہ ــــــ تم آ گئیں ہاں! لیکن آپ رو کیوں رہے تھے؟

میں نہیں رو رہا تھا امارہ: میری خوشیاں رو رہی تھیں! میری دم توڑتی ہوئی

آرزوئیں آنسو بہا رہی تھیں:

کیا کہہ رہے ہیں آپ میں سمجھی نہیں:

تم نہ ہی سمجھو تو اچھا ہے: امارہ ورنہ ممکن ہے میری طرح تمہاری پلکیں بھی

بھیگ جائیں:

میری پلکیں خشک ہی کب ہوتی ہیں شہزاد کہ اب بھیگ جائیں گی! لیکن

آپ کی پلکوں میں تو آنسو تو آج پہلی مرتبہ آئے ہیں:

ہاں! آج پہلی مرتبہ ہی آئے ہیں اور ممکن ہے! اب میری پلکیں بھی تمہاری

طرح ہمیشہ بھیگی ہی رہا کریں:

لیکن کیوں آخر ــــــ امارہ نے بیتاب ہو کر پوچھا:

امارہ: ابھی چند لمحے پیشتر عارف یہاں سے اٹھ کر گیا ہے

تو کیا! اس نے کچھ کہا ہے آپ سے!

نہیں! میں نے ہی اسے بلایا تھا!

کیوں؟

تم نے ہی تو صبح کہا تھا کہ میں اپنے بھائی سے بات کروں۔

اوہ! تو اس نے آپ کی بات ماننے سے انکار کر دیا!

نہیں! اس نے آج تک میرے سامنے کبھی انکار نہیں کیا امارہ! لیکن میں تو اسے کچھ بھی نہ کہہ سکا! سب کچھ وہی کہتا رہا!

کیا کہا تھا! اس نے!

اس نے اپنے سینے کے اندر پوشیدہ سارے جذبات میرے قدموں میں بکھیر دیئے تھے امارہ! وہ تم سے والہانہ انداز میں پیار کرتا ہے! وہ تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا! وہ ہر حالت میں تمہیں اپنی زندگی کی ساتھی بنانے کا فیصلہ کر چکا ہے! اس نے مجھے کہا تھا امارہ کہ........

کیا کہا تھا ـــــ امارہ نے تعجب سے شہزاد کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا!

اس نے کہا تھا کہ میں تمہارے سامنے اس کی سفارش کروں! کہ تم نے اپنے سینے میں جس کی یادوں کے چراغ روشن رکھے ہیں! اس یاد کو سینے سے نکال دو ان چراغوں کو ایک ایک کر کے بجھا دو! ورنہ وہ اسی ہستی کی زندگی کا چراغ گل کرنے سے بھی نہیں ہچکچائے گا جس ہستی کی یادیں عارف کے پیار کی راہ میں رکاوٹ ڈال رہی ہیں!

اور کیا کہا تھا، اس نے ——

اور —— اور اس نے کہا تھا امارہ کہ میں تمہیں یقین دلا دوں کہ میرا بھائی ساری عمر تمہارے لئے خوشیاں تلاش کرتا رہے گا۔ زمانے بھر کی راحتوں سے تمہاری جھولی بھر دے گا۔ اور تمہارے سارے دکھوں کو اپنے سینے میں جذب کر لے گا۔

کیا آپ نے اُسے ......

نہیں امارہ۔ وہ نہیں جانتا کہ تم کس کے پیار کی قندیلیں اپنے سینے میں جلائے بیٹھی ہو۔ وہ نہیں جانتا کہ جسے وہ قتل کرنے کے منصوبے بنا رہا ہے۔ جسے وہ اپنا رقیب سمجھتا ہے جسے اپنی راہ کا کانٹا تصور کر رہا ہے۔ وہ کون ہے۔

آپ نے اسے بتایا کیوں نہیں!

میں اسے کیسے بتا دیتا امارہ۔ کہ تم جس ہستی سے نفرت کرتے ہو۔ وہ میں ہوں میں اسے کیسے بتا دیتا کہ امارہ جس کی یاد کو سینے سے لگائے بیٹھی ہے وہ تمہارا بڑا بھائی ہے۔ تمہاری راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ میں ہوں۔ میں اسے نہیں بتا سکا امارہ۔ وہ تو مجھ سے مدد مانگتا رہا۔ تاکہ میں تمہیں سمجھاؤں۔ اس نے تو مجھ سے میرے پیار کے واسطے دیئے امارہ۔ میری شفقتوں پر اسے بڑا بھروسہ ہے۔ وہ تو اپنی زندگی کی باگ ڈور میرے حوالے کر کے مطمئن ہو گیا ہے کہ اس کا بڑا بھائی زندگی کی ہر قربانی دے کر اپنے چھوٹے بھائی کے لئے راحتیں تلاش کرے گا۔

اور آپ قربانی کے لئے آمادہ ہو گئے :

یہ میرے چھوٹے بھائی کا معاملہ ہے امارہ ! میں تمہاری خاطر زمینہ سے نفرت کرنے لگا ہوں، میں تمہاری خاطر دنیا کی ہر قوت سے ٹکرا سکتا ہوں، لیکن اپنے چھوٹے بھائی کو کیسے مایوس کر دوں امارہ ! اس کا دل توڑنے کا حوصلہ کہاں سے لاؤں۔ اسے مایوس کیونکر کروں ! میں کس زبان سے اسے کہوں، کہ عارث تم اپنے پیار کو بھول جاؤ، تم اپنی خوشیاں بکھیر دو، اپنی راحتوں سے آنکھیں بند کر لو، نہیں امارہ ! میں اپنے چھوٹے بھائی کی آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتا ! میں اس کے چہرے پر اداسیوں کے سائے لہراتے ہوئے دیکھنے کی ہمت نہیں رکھتا امارہ ! میں اسے درد و غم کے حوالے کر کے خود زندہ کیسے رہ سکتا ہوں اب بتاؤ امارہ ! میں کیا کروں ! میں کیا کروں ! امارہ

شہزاد بدستور کرسی کی پشت سے سر لگائے آنکھیں بند کئے بیٹھا تھا ! اور امارہ اس کے سامنے دری کے فرش پر چند لمحے بیٹھی اسے دیکھتی رہی ! خود اس کی پلکیں بھیگ گئی تھیں ! اور ان کی بھیگی ہوئی پلکوں سے وہ شہزاد کی مایوسیوں اور محرومیوں کا نظارہ کر رہی تھی ! وہ چند لمحے اسے بڑے غور سے دیکھتی رہی اور پھر اٹھے قدموں آہستہ آہستہ اس سے دور ہوتی گئی اور کمرے سے باہر نکل گئی !

اور جب وہ اپنے کمرے میں پہنچی ! تو پھر اپنے تکیہ پر سر رکھ کر رونے لگی :

کتنی ہی دیر تک وہ اپنے مستقبل کے سنہرے خوابوں پر آنسو بہاتی رہی آنسو — جو اس کا مقدر بن چکے تھے۔ تقدیر کے قاضی نے آج پھر اس کی روح میں ایک نشتر اتار دیا تھا۔ اور اس کی پہلے ہی زخموں سے نڈھال روح تڑپ اٹھی تھی۔

زندگی میں پیار صرف ایک ہی بار کیا جاتا ہے۔ پیار کی راہیں بدلنے والی عورتیں عورتیں نہیں ہوتی۔ فاحشہ ہوتی ہیں۔ میرے سینے میں دل کی دھڑکنیں بھی ایک بار تیز ہوئی ہیں۔ میں ان دھڑکنوں کا رخ کبھی نہیں بدل سکتی۔ میں اپنے پیار کی منزل کبھی تبدیل نہیں کروں گی۔ اگر شہزاد اپنے بھائی کے لئے قربانی دے سکتا ہے۔ تو میں اپنا پیار کیوں قربان کروں۔ میں اپنے پیار کے لئے زندگی قربان کر سکتی ہوں۔ ساری عمر کی خوشیاں قربان کر سکتی۔ لیکن پیار کی راہیں تبدیل نہیں کر سکتی۔ میں عاوت سے پیار کر سکتی ہوں۔ اب بھی کرتی ہوں۔ — اس نے دل میں سوچا — لیکن ایسا ہی پیار جیسے بہنیں اپنے بھائیوں سے کیا کرتی ہیں۔ اس سے زیادہ کا تصور میرے لئے گناہ ہے۔

باجی — باجی

شاہدہ نے کمرے میں داخل ہو کر آواز لگائی۔ اور اسے زارو قطار آنسو بہاتے دیکھ کر اس سے لپٹ گئی۔

کیا ہوا باجی۔ آپ رو کیوں رہی ہیں۔

ہارہ نے تکیہ سے سر اٹھایا: اپنے آنسو خشک کیے اور گلوگیر آواز میں کہنے لگی:

چلو شاہدہ:

لیکن باجی ـــــ یہ آنسو: شاہدہ نے حیرت سے ہارہ کی جانب دیکھا:
یہ آنسو تو میری زندگی کے ساتھی ہیں شاہدہ! جب دل چاہتا ہے: اُمڈ آتے ہیں:

قیوم صاحب ظہر کی نماز کے بعد اپنے
کمرے میں بیٹھے وظیفہ کر رہے
تھے۔ بچے ابھی تک کالج یا دفتر سے
واپس نہیں آئے تھے۔ امارہ باورچی خانے
کے سامنے دھوپ میں چارپائی بچھائے
مٹروں کے دانے نکال رہی تھی۔ ملازمہ
سہ پہر کی چائے کی تیاریوں میں مصروف
تھی۔ سلمیٰ خاتون نے دھوپ میں بچھے ہوئے

تخت پوش پر نماز ادا کی، اور خدا جانے ان کے ذہن میں نماز پڑھتے پڑھتے ہی کوئی خیال پیدا ہوا، کہ انارہ کا معصوم چہرہ دیکھ کر انہیں کوئی بھولی ہوئی بات یاد آگئی تھی، کہ وہ حسبِ عادت انارہ کے قریب چارپائی پر بیٹھنے کی بجائے اندر قیوم صاحب کے کمرے کی جانب قدم اٹھانے لگیں، قیوم صاحب ابھی تک درود تاج پڑھنے میں مصروف تھے، وہ ہر نماز کے بعد گیارہ مرتبہ درود تاج ضرور پڑھا کرتے، ان کا خیال تھا کہ اس درود سے انسان کو فرحت ذہنی سکون حاصل رہتا ہے، چنانچہ وہ اپنا یہ درود نو مرتبہ ختم کر چکے تھے، اور دسویں مرتبہ پڑھ رہے تھے، کہ سلمیٰ خاتون ہاتھ میں تسبیح لئے ان کے کمرے میں داخل ہوئیں، قیوم صاحب نے انہیں ہاتھ سے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا، اور پھر پڑھنے میں مصروف ہو گئے، گیارہ مرتبہ درود شریف ختم کرنے کے بعد انہوں نے اپنے دونوں ہاتھوں پر پھونک مار اپنے دونوں ہاتھ چہرے، سینے اور جسم پر پھیرے، اور پھر دعا مانگنے لگے، اور جب دعا سے فارغ ہو گئے، تو اٹھ کر پلنگ پر بیٹھ گئے، اور سلمیٰ خاتون کی جانب دیکھنے لگے، جیسے خاموش نگاہوں سے دریافت کر رہے ہوں کہ آج نماز پڑھتے ہی میرے کمرے میں آنے کا خاص سبب کیا ہے؟

کیا آپ فارغ ہو گئے؟

ہاں، فی الحال تو فارغ ہی ہیں!

عارف آج کالج جاتے جاتے کچھ کہہ گیا تھا!

کیا ــــــ ؟

میں سوچ رہی ہوں وہ سنجیدہ تھا یا مذاق کر رہا ہے! سلمیٰ خاتون نے مسکراتے ہوئے کہا!

قیوم صاحب مسکرانے لگے! اور پھر اپنی بیوی کی جانب دیکھ کر کہنے لگے

ہاں! عارف بیٹے کے سلسلے میں ہمیں یہ بھی سوچنا پڑتا ہے کہ وہ سنجیدگی سے کچھ کہہ رہا ہے! یا محض مذاق کر رہا ہے! کیا کہا تھا! اس نے ؟

اس نے آج صبح جاتے جاتے مجھے کہا تھا! کہ اس کے لئے کہیں باہر دلہن نہ تلاش کیا جائے!

قیوم صاحب مسکرانے لگے!

یقیناً وہ مذاق کر رہا ہوگا! اس کے لئے فی الحال دلہن تلاش کون کر رہا ہے! ابھی تو ہمیں شہزاد بیٹے کی شادی سے فارغ ہونا ہے بعد میں دیکھا جائے گا! اس کے متعلق! ابھی تو وہ پڑھ رہا ہے!

ہاں! یہی باتیں میں نے بھی اسے کہی تھیں! لیکن اس کے باوجود اس کا اصرار تھا کہ دلہن خواہ دس سال کے بعد تلاش کی جائے! لیکن باہر تلاش کی ضرورت نہیں!

اگر باہر نہیں تو اور کہاں سے تلاش کی جائے گی! ثمینہ کے متعلق ہی وعدہ

کر کے پچھتا رہے ہیں؛ اور چھوٹی بیٹی تو پہلے ہی فضیلت نے اپنے بھائی کے لڑکے سے منسوب کر رکھی ہے؛ حالانکہ آج سے دس بارہ سال پہلے اس کا بھائی اپنی موت سے پہلے صرف ایک بار آیا تھا؛ اس کی موت کے بعد کبھی اس کا لڑکا آیا ہے؛ اور نہ لڑکے کی والدہ؛ خدا جانے وہ کیسے لوگ ہیں کیا کرتے ہیں؛ اور یہ کبھی تو کبھی نہیں گئی؛ ان کے پاس؛

ہاں فضیلت بھائی کی شادی ہی کی وجہ سے تو اس کے ساتھ ناراض تھی؛ ضد کی اتنی پکی ہے کہ اس نے آج تک اپنی بھاوج کا چہرہ تک نہیں دیکھا بھائی بھی تو آخری اسی کا بھائی تھا؛ شادی کے بعد ایسا کراچی گیا؛ کہ ان سب کو بھول گیا؛ موت سے پہلے بھی خدا جانے وہ دو دن کے لیے یہاں کیوں آیا تھا اس وقت اس کا لڑکا ایف اے سی میں پڑھتا تھا؛ اب تو ماشاء اللہ پڑھ لکھ کر کما رہا ہوگا؛

لیکن سوال تو یہ ہے، سلمیٰ کہ جب اس نے اپنے بھائی کے لڑکے کو دیکھا ہی نہیں کبھی؛ نہ اس سے کبھی خط وکتابت کرنے کی ضرورت محسوس کی ہے تو پھر فضیلت اس سے کیا امید رکھ سکتی ہے؛

اسے ہے؛ بھائی کا لڑکا دیکھا کیوں نہیں؛ اپنے باپ کے ساتھ یہاں آیا تو تھا؛ بڑا پیارا بچہ تھا؛ اب تو ماشاء اللہ خوب جوان نکلا ہوگا؛ ہاں یہ پتہ نہیں چل سکا کہ وہ کیا کرتا ہے؛ کبھی انہیں خط بھی اس نے لکھا ہے یا نہیں؛

خیر یہی کیا۔ چھوڑو۔ اس قصے کو۔ ہاں تو عارف بیٹا کیا کہہ رہا تھا۔

عارف بیٹا سجیلہ کے متعلق تو نہیں کہہ رہا تھا جی۔

اوہ! میں سمجھا وہ سجیلہ سے شادی کروانا چاہتا ہے۔ اسی لئے رشتہ باہر نہ تلاش کرنے کی تاکید کر رہا ہے۔

تو تم نے اس سے دریافت نہیں کیا کہ اگر باہر تلاش نہ کریں گے تو پھر کہاں سے لائیں گے۔ اس کے لئے دلہن۔

جی ہاں۔ پوچھا کیوں نہیں۔ میں نے پوچھا تھا اس سے

کیا جواب دیا اس نے۔

اس نے امارہ کو پسند کیا ہے اپنے لئے۔

امارہ کو ۔۔۔ قیوم صاحب پلنگ پر سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور چند لمحے اپنی بیوی کی جانب دیکھتے رہے۔

جی ہاں۔ کہہ رہا تھا کہ ساد ہو جی ہمارا آج کا فرض ہے کہ بے کس اور بے سہارا لڑکیوں کو سہارا دینا سب سے بڑی نیکی ہے۔ اس لئے میں امارہ کو سہارا دینا چاہتا ہوں۔

بڑا اچھا خیال ہے سلمٰی۔ بہت ہی مبارک خیال ہے۔ میں عارف کے اس رجحان سے بہت خوش ہوں۔ خدا کا شکر ہے کہ ہماری تربیت رائیگاں نہیں گئی اور کالج کی سوسائٹی نے اسے خراب نہیں کیا۔

جی ہاں! یہ تو درست ہے! لیکن صرف ایک قباحت ہے!

کیا!

امارہ عارف سے کم از کم دو تین سال بڑی ہے! اور دوسری چیز یہ کہ پڑھی لکھی بھی نہیں!

یہ دونوں خامیاں میری نگاہ میں ایسی نہیں کہ ان پر توجہ دی جائے۔ عمر میں دو چار سال کا فرق کوئی فرق نہیں ہوتا! اور باقی رہ گیا تعلیم کا مسئلہ! میرا خیال ہے کہ امارہ بیٹی شادی سے پہلے اتنا ضرور پڑھ لے گی کہ خط و کتابت کر سکے یا عام کتب کا مطالعہ کر سکے!

ہاں جی! اب تو وہ اردو اخبار کی سرخیاں پڑھ لیتی ہے! بڑی محنتی ہے میری بچی!

ٹھیک ہے سلمیٰ! میں عارف سے سو فیصد متفق ہوں! تمہارا کیا خیال ہے!

اسے ہے! تو کیا میں امارہ بیٹی کی دشمن ہوں! مجھے امارہ بیٹی سے اچھی دلہن کہاں مل سکے گی! اگر شہزاد بیٹے کی ثمینہ سے بات پکی نہ ہو چکی ہوتی! تو میں آج تک اس کی شادی بھی کر دیتی امارہ سے!

لیکن سلمیٰ! امارہ کی رائے لینا بھی تو ضروری ہے!

لو جی! کبھی لڑکیوں سے بھی کسی نے مشورہ لیا ہے! ہماری شادی کے وقت تو کسی نے ہم سے پوچھا نہیں تھا! دو بول پڑھا دیئے اور ہاتھ پکڑ

کرمیاں کے حوالے کر دیا، لڑکیاں تو صرف شرمایا کرتی ہیں بنا پنی شادی کے مشورے نہیں دیا کرتی، یہ فضیلت تو صرف لڑکوں ہی کو حاصل ہے۔ وہ بھی عارف جیسے شریر لڑکوں کو، شہزاد بیٹے نے آجتک اپنی زبان سے شادی کے متعلق ایک لفظ نہیں کہا، یہاں لڑکوں کی یہ حالت ہے، اور آپ کہہ رہے ہیں کہ امارہ بیٹی کی رائے معلوم کی جائے!

بھئی شریعت کا یہی حکم ہے نیک بخت شادی بیاہ کے معاملے میں لڑکے اور لڑکی دونوں کی رائے لینا ضروری ہے، چودہویں صدی میں آپ شریعت کی باتیں کر رہے ہیں، یہ سب کتابوں تک محدود ہیں، ان پر عمل کون کرتا ہے!

خیر! جو بھی ہو، ہمیں کوشش کرنی چاہیئے عمل کرنے کی!

لیکن میں اس سے کیا پوچھوں کہ عارف سے شادی کرو گی یا نہیں؟

قیوم صاحب اپنی بیوی کی سادگی پر دیر تک ہنستے رہے اور پھر کہنے لگے ارے بھائی یہ پوچھنے کی کیا ضرورت ہے، اگر اس قسم کا سوال کرو گی تو قیامت تک جواب نہیں ملے گا، میں جانتا ہوں، امارہ بیٹی ایک شریف لڑکی ہے اور شریف لڑکیاں ایسے سوالوں کا جواب نہیں دیا کرتیں،

تو اور کیسے معلوم کروں اس کی رائے، بسم اللہ خانون نے پوچھا،

شاہدہ بیٹی سے ذکر کر دینا، شاہدہ یقیناً امارہ سے ذکر کرے گی، اگر امارہ کی مرضی عارف سے شادی کرنے کی نہ ہوئی تو وہ کوئی معقول بہانہ بنا دے گی اگر اس

نے کوئی بہانہ نہ بنایا تو سمجھ لیا جائے گا کہ اس نے انکار نہیں :

ہاں یہ طریقہ مناسب رہے گا : سلمیٰ خاتون نے اطمینان کا سانس لیا اور چند لمحے بیٹھ کر صحن میں چلی گئی جہاں امارہ مٹروں کے دانے نکال کر ملازمہ کے حوالہ کر رہی تھی :

بیٹی چائے تیار ہو گئی یا نہیں : سلمیٰ خاتون نے چارپائی پر بیٹھتے ہوئے امارہ سے پوچھا :

چائے تو تیار ہے خالہ جان : لیکن ابھی تک نہ شاہدہ آئی ہے ، اور نہ کوئی اور

بیٹی تم ہم بوڑھوں کو تو ایک ایک کپ پلا دو : مجھے یہیں دے دو اور اپنے خالو کو ان کے کمرے ہی میں دے آؤ : وہ بھی وظیفے سے فارغ ہو گئے ہیں :

جی بہت اچھا :

امارہ اٹھی ، اور سلمیٰ خاتون کو چائے کا کپ دے کر قیوم صاحب کے کمرے کی جانب بڑھنے لگی : اور جب وہ اپنے خالو کے کمرے میں تپائی پر رکھ کر باہر نکلی تو شہزاد اپنے دفتر سے واپس آ گیا : امارہ کی نگاہیں جب شہزاد کی نگاہوں سے ٹکرائیں تو اسے ایک دھچکا سا لگا :

اوہ ــــ ان کی حالت کیا بن گئی ہے : ایک ہی دن میں ان کے چہرے کی رونقیں عنقا ہو گئی ہیں : سرخیاں کہاں چلی گئیں : ان کے حسین اور جوان

چہرے کی رنگت پر زردی کیوں چھا گئی ہے؛ اور ان کا ہر وقت پھول کی طرح شگفتہ چہرہ مرجھا کیوں گیا ہے؛ وہ بڑی دیر تک شہزاد کی جانب دیکھتی رہی شہزاد بھی نگاہیں اٹھائے اس کی جانب دیکھتا رہا! جیسے خاموش نگاہوں میں اپنی شکست کا اعتراف کر رہا ہو! جیسے اپنی ذات سے اپنی کمزوریوں کا شکوہ کر رہا ہو جیسے امارہ سے التجائیں کر رہا ہو؛ کہ امارہ مجھے معاف کر دو؛ میرے سارے دعوے غلط ثابت ہوئے؛ میں اپنے چھوٹے بھائی کی محبت میں تمہارے پیار کی قربانی دینے پر مجبور ہو گیا؛ مجھے معاف کر دو! امارہ؛

—— لیکن امارہ —— وہ بڑے حوصلے؛ صبر اور سکون سے اس کی خاموشی نگاہوں کا پیغام سنتی رہی؛ پڑھتی رہی؛ اور پھر خاموشی سے سلطے خاتون کی جانب قدم اٹھانے لگی ——

—— چند لمحوں کے بعد گھر کی خاموش فضاؤں میں شاہدہ اور عارف کے قہقہے گونجنے لگے؛ دونوں کالج سے واپس آ گئے تھے؛ اور حسب عادت اپنے قہقہے بکھیرنے میں مصروف تھے؛ لیکن شہزاد اپنے کمرے سے باہر نہیں نکلا؛ اس نے لباس تبدیل کیا؛ اور پھر اپنے پلنگ پر دراز ہو کر سوچ کی اتھاہ گہرائیوں میں غوطے لگانے لگا؛

بیٹی؛ شہزاد نہیں آیا ابھی تک —— سلطے خاتون نے شاہدہ کی جانب دیکھ کر پوچھا!

بھائی جان تو دیر ہوئی آ گئے تھے۔ امی جان! وہ اپنے کمرے میں ہیں!
کیوں؛ خیریت تو ہے؛ وہ اکیلا اپنے کمرے میں کیا کر رہا ہے۔ ارے اسے کسی نے چائے بھی دی یا نہیں؛
میں ابھی لے جاتی ہوں، چائے امّی جان! شاہدہ نے باورچی خانے کیجانب بھاگ گئی؛ اور جب اپنے ہاتھ میں چائے کا گرم گرم کپ لے کر باہر نکلی تو سلمٰی خاتون نے اس کے ہاتھ سے کپ پکڑ لیا!
مجھے دے بیٹی! میں خود جاتی ہوں؛ اس کے لئے چائے لے کر خدا نخواستہ اس کی طبیعت خراب نہ ہو؛ وہ تو اس وقت تنہا کمرے میں بیٹھنے کا عادی نہیں ہے!
امی جان تو یونہی متفکر ہو جاتی ہیں؛ شاہدہ نے مسکرا کر کہا؛ اور چائے کا کپ اپنی امّی کو دے کر خود اپنے کمرے کیجانب قدم اٹھانے لگی
کیا بات ہے بیٹا؛ تم کمرے میں کیوں بند ہو؛ سلمٰی خاتون نے شہزاد کے کمرے میں داخل ہوتے ہی پوچھا؛ اور شہزاد نے جب دیکھا کہ اس کی امّی خود اس کے لئے چائے لے کر آئی ہیں تو وہ شرمندہ سا ہو کر پلنگ سے اٹھا؛ اس نے جلدی سے کپ پکڑا اور پھر سلمٰی خاتون کو پلنگ پر بٹھاتے ہوئے کہنے لگا۔

یونہی امی جان! دفتر میں کام کی زیادتی کی وجہ سے تھک گیا تھا؛ بالکل

تبدیل کرتے ہی لیٹ گیا۔

اس عمر میں تھکاوٹ کے کیا معنی بیٹیا۔ جوانی میں تو لوگ دن رات کام کرتے ہیں۔ اور تھکتے نہیں۔ ضرور تمہاری صحت میں خرابی ہے۔

نہیں امی جان۔ آج ہی ایسا ہوا ہے۔ پہلے تو کبھی نہیں ہوا تھا۔

میں بھی تو آج کی بات کر رہی ہوں بیٹا۔ چائے پی لو۔ اگر تھکاوٹ دور نہ ہو تو ڈاکٹر سے مشورہ کر لو۔

لاپرواہی سے مرض بڑھتا ہے بیٹا۔

بہت اچھا امی جان۔ شہزاد نے سعادت مندانہ انداز میں کہا اور چائے پینے لگا۔ سلمیٰ خاتون اٹھیں اور باہر کی جانب قدم اٹھاتے ہوئے کہنے لگیں۔

عصر کی نماز قضا ہو رہی ہے بیٹا۔ میں اپنے کمرے میں جا رہی ہوں چائے پی کر وہیں آ جانا۔ یہاں تنہا بیٹھنے سے دلیے ہی انسان بیمار پڑ جاتا ہے۔

بہت اچھا امی جان۔ میں ابھی حاضر ہو جاؤں گا۔

سلمیٰ خاتون اپنے کمرے میں جا کر نماز میں مصروف ہو گئیں۔ اور شہزاد چائے پی کر پھر بستر پر دراز ہو گیا۔

اور رات کے وقت جب گھر کے سارے افراد کھانا کھا کر اپنے

اپنے بستروں میں دراز ہو گئے، اور شاہدہ کے کمرے میں امارہ جب خاموش منہ لپیٹ کر لحاف میں گم ہو گئی تو شاہدہ کو پڑھتے پڑھتے اچانک کوئی خیال آیا، اس نے اپنی کتاب بند کی اور ٹیبل لیمپ کا شیڈ اٹھا کر امارہ کو آواز دینے لگی۔

باجی!

باجی امارہ!

امارہ لحاف میں منہ دیئے جاگ رہی تھی، لیکن اس وقت خدا جانے کس دنیا میں گم تھی کہ شاہدہ کی آواز سننے کے باوجود اس نے جواب دینا مناسب نہیں سمجھا، وہ خاموش لیٹی رہی، البتہ اس کے خیالات کا سلسلہ ٹوٹ گیا، اور وہ سوچنے لگی کہ اس وقت شاہدہ اسے کیوں آوازیں دے رہی ہے!

باجی، جی! شاہدہ نے اپنی آواز ذرا لمبی کر کے پکارا، لیکن امارہ خاموش لیٹی رہی، جیسے بڑی گہری نیند سو رہی ہے!

شاہدہ نے کتابیں پلنگ پر پھینک دیں، خود اٹھی اور امارہ کے پلنگ پر پہنچ کر اس کے لحاف میں گھس گئی! اور امارہ اس طرح چونک کر اس کی جانب دیکھنے لگی! جیسے اس کی آواز سے قطعاً لاعلم رہی ہو!

شاہدہ نے امارہ باجی کا لحاف اچھی طرح اوڑھ لیا، اس کے ساتھ ہی لیٹ

گئی؛ اور اس کے گلے میں بازو ڈال کر بڑی میٹھی آواز میں کہنے لگی؛

باجی ـــــ

کیا بات ہے شاہدہ؛ کیا تمہیں ڈر محسوس ہو رہا ہے؛

نہیں باجی؛ لیکن آپ اتنی جلدی ہی کیوں سو گئی تھیں؛

نیند آ گئی تھی شاہدہ؛ اس لئے سو گئی؛ امادہ نے مسکرا کر جواب دیا؛

باجی؛ لحاف کے اندر منہ دینے سے دم نہیں گھٹ رہا آپ کا؛ شاہدہ نے اپنا اور اس کا چہرہ ننگا کرتے ہوئے کہا؛

سردی ہے شاہدہ ـــــ

جب شاہدہ نے لحاف چہرے سے اٹھایا تو ٹیبل لیمپ کی روشنی میں اس نے دیکھا کہ امادہ کی پلکیں بھیگی ہوئی ہیں؛ جیسے چند لمحے پیشتر وہ روتی رہی ہے؛

اوہ باجی؛ آپ نے جھوٹ بولنا کب سے سیکھ لیا ہے؛ آپ تو کہتی تھیں کہ نیند آ گئی تھی؛ آپ تو روتی رہی ہے؛

امادہ کے ہونٹوں پہ پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ پلکیں جھپکا کر شاہدہ کی جانب دیکھنے لگی؛

باجی ـــــ آپ اس طرح چھپکے چھپکے روتی کیوں رہتی ہیں؛

شاہدہ نے بڑے پیار سے اس کے رخساروں پہ چمکنے والے آنسو

کے موتیوں کو چنا، پھر اپنے ہاتھ سے اس کی پیشانی پر بکھرے ہوئے آوارہ بالوں کو ہٹاتی ہوئی کہنے لگی:

"سچ باجی — جب آپ چپکے چپکے آنسو بہانے لگتی ہیں، تو مجھے یوں محسوس ہوتا ہے، جیسے آپ اندر ہی اندر کسی دکھ کو پال رہی ہیں مجھے بتائیں باجی، میں آپ کے سارے دکھ سمیٹ لوں گی"

"پگلی" امارہ نے اس کے چہرے پر اپنی نگاہیں جما کر آہستہ سے کہا "کبھی کسی کے دکھ بھی سمیٹے ہیں کسی نے"

"پتہ نہیں باجی، لیکن میں آپ کے دکھ ضرور سمیٹ لوں گی، آپ مجھے بتائیں تو سہی"

امارہ نے ایک طویل ٹھنڈی سانس لی، اور بڑی ہی مغموم آواز میں کہنے لگی "کوئی اور بات کرو شاہدہ، میرے دکھ تو میری زندگی کے ساتھی ہیں، اور زندگی کے ساتھیوں کو کسی سے کون چھین سکتا ہے"

شاہدہ اس کے چہرے پر نگاہیں جمائیں بڑی دیر تک اسے دیکھتی رہی اس کے بھیگے ہوئے ہونٹوں کی معمولی سی درز میں سے سفید سفید موتیوں کی چمک اور اس کی بھیگی ہوئی سیاہ پلکیں دیکھ کر بے اختیار اس کا دل چاہا کہ اس معصوم چہرے کی ساری معصومیت وہ اپنی پلکوں سے چن لے۔ وہ بے اختیار جھکی اور اس کی پلکیں چومنے لگی، امارہ خاموش لیٹی اس معصوم

لڑکی کے والہانہ پیار سے محظوظ ہوتی رہی ؛ اور جب کتنی ہی دیر تک شاہدہ اس کی پلکوں اور اس کی پیشانی اور اس کے بھیگے ہوئے ہونٹوں کو چومتی رہی تو بالآخر ماہدہ نے اسے پیار سے کہا ؛

شاہدہ کیا بات ہے ؛ کیا تمہیں نیند نہیں آرہی ؛

شاہدہ نے اپنا رخسار اس کے رخسار سے لگا دیا ؛ اور اس کے سر کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کہنے لگی :

باجی آپ کے آنسو دیکھ کر کیسے نیند آسکتی ہے ؛ آپ بتاتی کیوں نہیں کہ آپ کے یہ آنسو بے اختیار کیوں امڈ آتے ہیں ؛ کیا آپ کو اس گھر میں کوئی تکلیف ہے باجی ؛

نہیں شاہدہ ؛ مجھے اس گھر میں کوئی تکلیف نہیں ؛ مجھے دنیا بھر کی راحتیں میسر ہیں ؛ اور پھر جہاں تم جیسی پیار کرنے والی چھوٹی بہن ہو ؛ وہاں تکلیف کا کیا کام شاہدہ ؛

تو پھر باجی ـــــ آپ کے آنسو

میرے آنسوؤں پر غور نہ کیا کرو بگلی ؛ ان پر میرا کوئی اختیار نہیں ؛

شاہدہ چند لمحے خاموش رہی ؛ اور پھر سر اٹھا کر اس کے چہرے پر جھک گئی ؛ چند لمحے اس کے اندرونی جذبات کو پڑھنے کی ناکام کوشش کرتی رہی ؛ اور پھر کہنے لگی ؛

باجی: آج رات کھانے کے بعد آپ جانتی ہیں۔ امی جان نے مجھ سے کیا کہا تھا:

ہاں:

امی جان نے مجھے ایک ایسی بات بتائی ہے باجی کہ میں خوشی سے پاگل ہو رہی ہوں: میرا جی چاہتا ہے کہ گھر بھر میں ناچتی پھروں:

اچھا ——— اتنی ہی اچھی بات کہہ دی خالہ جان نے: امارہ نے حیرت سے شاہدہ کی جانب دیکھا:

ہاں باجی: آپ جانتی ہیں: انہوں نے کیا کہا تھا:

نہیں: امارہ نے مختصر سا جواب دیا:

انہوں نے مجھ سے پوچھا تھا باجی کہ شاہدہ: امارہ تمہیں کیسی لگتی ہے میں نے انہیں کہا کہ امارہ باجی تو بڑی پیاری ہیں: دل چاہتا ہے: ہر وقت میرے سامنے بیٹھی رہیں اور میں انہیں دیکھتی رہوں: پھر انہوں نے پوچھا کہ اگر امارہ باجی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اسی گھر میں رہ جائے تو

باجی: میں پہلے تو امی جان کی بات سمجھی ہی نہیں: اور سوچنے لگی کہ کیا باجی کہیں چلی جائیں گی: یہاں وہ رہی ہیں: تو ہمیشہ ہی کے لئے رہ رہی ہیں اور جب میں نے امی جان سے اپنا یہی خیال ظاہر کیا تو فرمانے لگیں: پگلی کبھی لڑکیاں بھی ہمیشہ اپنے گھروں میں رہی ہیں: ایک دن وہ کیسی دوسرے گھر چلی جایا کرتی

ہیں: انہیں کوئی لے جایا کرتا ہے:

اور باجی: میں امی جان کی بات پھر بھی نہیں سمجھی: میں نے انہیں کہہ دیا: کہ باجی کو کوئی لینے آیا تو میں باجی سے کہہ دوں گی کہ وہ اس کے ساتھ نہ جائیں:

کیوں باجی ـــــ کیا آپ میرا کہنا نہیں مانیں گی:

امارہ نے بڑے پیار سے اس کے دونوں رخساروں کو تھپتھپایا اور مسکرا کر کہنے لگی:

شاہدہ رانی ـــــ تمہارا حکم میں کیسے ٹال سکتی ہوں:

لیکن باجی ـــــ امی جان کا تو مقصد ہی کچھ اور تھا: انہوں نے مجھے بتایا کہ ہر بیٹی بیاہ کے بعد اپنے گھر چلی جایا کرتی ہے: اور وہ نہیں چاہتی: کہ امارہ باجی کسی دوسرے گھر جائے: وہ چاہتی ہیں کہ امارہ بیاہ کے بعد بھی اسی گھر میں رہے:

کیا مطلب ـــــ امارہ نے جلدی سے پوچھا:

باجی ـــــ آج امی جان اور ابو جان نے مشورہ کیا ہے کہ آپ کو اس گھر میں ہمیشہ ہمیشہ رکھنے کے لئے عارف بھیا سے آپ کی شادی کر دی جائے:

شادی ـــــ امارہ نے ایسی آواز میں کہا: جیسے اسے اپنی سماعت پہ اعتبار نہ آ رہا ہو:

ہاں باجی: بھائی جان کی شادی کے ساتھ ہی آپ دونوں کی شادی بھی ہو

جائے گی، پھر میں آپ کو باجی نہیں کہا کروں گی،

باجی، پھر تو آپ میری بھابی بن جائیں گی۔ لیکن نہیں، میں باجی ہی کہوں گی، بھابی تو بڑا ثقیل سا لفظ ہے۔

پگلی ــــ کیا تمہیں پتہ نہیں کہ میری شادی ہو چکی ہے۔

کیا ــــ شاہدہ نے جلدی سے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

آپ کی شادی کب ہوئی، کس سے ہوئی۔ دولہا بھائی کون ہیں کہاں ہیں

امارہ شاہدہ کی پریشان نگاہیں دیکھ کر مسکراتی رہی اور پھر اس کا سر اپنے سینے پر رکھ کر اور اس کے بالوں میں اپنی انگلیوں سے کنگھا کرتے ہوئے آہستہ آہستہ کہنے لگی۔

پگلی شاہدہ ــــ میری شادی تو عرصہ ہوا ہو چکی ہے۔ اپنے آنسوؤں سے، اپنے دکھوں اور اپنی آہوں سے!

پھر وہ لمحات بھی رات کی ویرانیوں میں دم
توڑ گئے!

شاہدہ: امارہ کے گلے میں بازو ڈالے اسی
کے پلنگ پر سو گئی اور امارہ ماضی کے جھروکوں
میں زندگی کی ویرانیوں کا تماشہ کرنے لگی!
زندگی کے ہر دور میں دکھوں کو ایک
نئے روپ میں دیکھنے والی امارہ کے ذہن
میں ماضی کی تلخ یادیں ایک ایک کر کے
سر اٹھانے لگیں: اور جب اس کے خیالات

گذشتہ زندگی کے تمام ویرانیوں کو عبور کر کے اس دور میں داخل ہوئے؛ جہاں اسے شہزاد جیسا ساتھی ملا تھا؛ تو اس کے خشک ہونٹوں پر مردہ سا تبسم لہرانے لگا؛

شہزاد —— اس نے سوچا؛ تم اپنی فطرت سے مجبور ہو؛ شہزاد؛ تم اپنے بھائی کے لئے قربانی دے سکتے ہو؛ لیکن میں اپنے پیار کو قربان نہیں کر سکتی ؛تم اپنی محبت کا گلا دبا سکتے ہو؛ لیکن میں اپنی محبت کی روح نہیں نچوڑ سکتی؛ —— شہزاد —— وہ تلخ تبسم کو اپنے ہونٹوں پر لئے ادھر ادھر دیکھنے لگی؛ اس کے پہلو میں معصوم شاہدہ گہری نیند سو رہی تھی؛

کتنی اچھی ہو تم شاہدہ —— اس نے سوتی ہوئی شاہدہ کی جانب دیکھ کر دل میں سوچا؛ تمہاری اس معصومیت؛ تمہاری پاکیزگی؛ اور تمہارے والہانہ پیار نے مجھے زندگی سے پیار کرنا سکھا دیا تھا؛ لیکن تقدیر کا قاضی کسی جھروکے میں بیٹھا میری اس حماقت پر مسکرا رہا تھا؛ میں دنیا کا مقابلہ تو کر سکتی ہوں؛ تقدیر کا مقابلہ کیسے کروں شاہدہ —— تم کتنی خوش ہو کہ تمہارے والدین نے ہمیشہ اسی گھر میں مجھے رکھنے کا فیصلہ کر لیا ہے؛ لیکن تمہارے والدین کو کیا معلوم کہ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس گھر میں کیسے رہ سکتی ہوں؛ اور جو شخص جانتا ہے؛ اس نے اپنی آواز پر تالے لگا دیئے ہیں؛ اس نے اپنی آرزوؤں کا گلا اپنے ہاتھ سے

دبا دیا ہے۔ اس نے اپنے ارمانوں کو اپنے ہاتھ سے زہر دے دیا ہے۔
اس نے خود آنسوؤں میں پناہ ڈھونڈ لی ہے۔

عارف کے ساتھ میں کیسے رہ سکتی ہوں۔ ——— اس نے دل میں سوچا ——— عارف کے قہقہے میرے زخموں پہ ہر وقت نمک پاشی کریں گے۔ میں شہزاد کا مغموم چہرہ کیسے دیکھ سکوں گی۔ اپنے ارمانوں کے لاشے کو سسکتے تڑپتے ہوئے کون دیکھ سکتا ہے؟ کیا اس سے یہ بہتر نہیں کہ میں خود اپنی زندگی کا خاتمہ کر لوں۔ جب میری حیات میری نہ بن سکی۔ تو کسی دوسرے کی کیسے بن سکتی ہے۔ ——— عارف صرف میرے حسن کو دیکھ رہا ہے۔ میرے جسم کو دیکھ رہا ہے۔ میرے ظاہر کو دیکھ رہا ہے میرے دل کی گہرائیوں تک اس کی نگاہیں نہیں پہنچ سکتیں۔ میری روح کے اندر وہ نہیں جھانک سکتا۔

مجھے اپنی زندگی کا خاتمہ کر دینا چاہیئے ——— کیا فائدہ ایسی زندگی کا جس میں آنسوؤں اور آہوں کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہے۔ ——— باپ نے بچپن میں ساتھ چھوڑ دیا۔ اور قبر کے اندھیاروں میں گم ہو گیا۔ ماں اور بھائی کا سہارا تھا۔ بھائی نے کسی آوارہ لڑکی کے ساتھ شادی کر کے میرے ساتھ ماں کو بھی گھر سے نکال دیا۔ اور ماں ——— وہ بچاری خدا جانے کیا سوچ کر گھر سے نکلی تھی کہ منزل مقصود تک پہنچنا ہی اسے نصیب

نہ ہوا، وہ منزل کی راہ میں ہی قبر بنا کر لیٹ گئی! اور مجھے قسمت نے اس مہربان گھرانے میں پھینک دیا، جہاں ہر شخص میرے ساتھ پیار کرتا ہے لیکن ایسے پیار کا کیا فائدہ جو میری روح کو لہولہان کر دے! خالہ جان اور خالو جان نہیں جانتے کہ ان کے اس فیصلہ سے میری قسمت کے اندھیرے کس قدر تاریک اور دبیز ہو گئے ہیں! عارف نہیں جانتا کہ وہ میرے لیے زمانے بھر کی خوشیاں اور راحتیں چننے کی بجائے میری منزل میں کانٹے بکھیر رہا ہے...... اور شہزاد جس پر مجھے اپنی ذات سے بھی زیادہ بھروسہ تھا، جسے میں نے اپنی زندگی کا سہارا بنا لیا تھا، جس کی خاطر میں ہر نئے دکھ کا مسکرا کر استقبال کر سکتی تھی، جس کے ساتھ رہ کر میں زندگی کے دشوار گذار اور کٹھن راستے ہنسی خوشی طے کر سکتی تھی ——— وہ ———

وہ تو خود آنسو کا سہارا لے کر خوشیوں سے روٹھ گیا ہے! وہ اپنے لیے کچھ نہیں کر سکتا، میرے لیے کیا کرے گا! اس سے تو خود اپنے دکھ نہیں سمیٹے جاتے! میرے دکھ کیسے سمیٹ سکے گا... اور اب

وہ سوچنے لگی:

زندہ رہ کر کیا کروں گی! امید کے موہوم سہاروں پر زندگی کا طویل عرصہ گذار دینے سے فائدہ؟

مجھے اس زندگی کو ختم کر دینا چاہیے! میری ماں کو بھی انہی لوگوں نے

دفنایا تھا۔ میری قبر بھی کہیں کھود دیں گے۔ موت۔ موت۔ صرف موت ہی میرے لیے راہ نجات ہے۔ موت کی راہ پر قدم رکھنے کے بعد زندگی کے سارے دکھ ختم ہو جائیں گے۔ میری روح کی سسکیاں ختم ہو جائیں گی۔ ہر لمحہ بہنے والے آنسو خشک ہو جائیں گے اور مجھے سکون مل جائے گا۔

موت اور سکون ــ وہ مسکرانے لگی۔ انسان کو سکون صرف موت ہی کی گود میں مل سکتا ہے۔ اس نے ایک بار پھر شاہدہ کی جانب دیکھا۔ وہ بدستور آنکھیں بند کئے سو رہی تھی۔ اس کے بالوں کی ایک سیاہ لٹ اس کے سرخ و سفید رخساروں سے ہوئی سینے پر پڑی سانس کے زیروبم کے ساتھ مچل رہی تھی۔ امارہ کو یہ تی ہوئی شاہدہ بڑی پیاری لگی۔ اس نے بڑی آہستگی سے بالوں کی وہ لٹ اٹھا کر تکیہ پر پھینک دی۔ پھر آہستہ سے جھک کر اس کی پیشانی پر بوسہ دیا اور پلنگ سے نیچے اُتر آئی۔

اب وہ موت کی راہیں تلاش کر رہی تھی۔

موت کو سینے سے کیسے لگاؤں ــ اس نے اِدھر اُدھر نگاہیں دوڑا کر کمرے کا جائزہ لیا۔ زہر کا قطرہ بھی تو دستیاب نہیں ــ ہاں اسے یاد آیا۔ نیند کی گولیاں بڑی آسانی سے موت کی وادیوں میں پہنچا دیں گی۔ اسے یاد آیا کہ میز کی دراز میں نیند کی گولیوں کی بڑی

شیشی پڑی ہے۔ کتنا میٹھا زہر ہے۔ موت کے بھیانک اندھیر دل میں قدم رکھنے کا آسان ترین راستہ۔ وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھا کر میز کی جانب بڑھی۔ بے آواز دراز کھولی۔ لیکن —— نیند کی گولیوں کی شیشی وہاں نہیں تھی۔ دراز میں تو صرف ایک اخبار پڑا تھا۔ وہ بھی اس نے دوپہر کے وقت پڑھتے پڑھتے خود ہی دراز میں رکھ دیا تھا۔

اُس نے بے اختیار اخبار لیا اور وہیں کرسی پر بیٹھ کر سوچنے لگی۔ شیشی کہاں گئی۔ دوپہر کے وقت تو یہیں تھی۔ ممکن ہے شاہدہ نے اٹھا کر کہیں اور رکھ دی ہو۔ وہ اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ اچانک اس کی نگاہیں اخبار میں چھپے ہوئے اشتہارات پر پڑی۔ مقامی اسلامیہ گرلز ہائی سکول میں ایک گریجوئٹ استانی کی ضرورت کا اشتہار جلی حروف میں چھپا ہوا تھا۔ انجمن کی جانب سے کوارٹر کی سہولت بھی فراہم کی گئی تھی!

اور

اس کا ذہن

جو چند لمحے بیشتر موت کی راہیں تلاش کر رہا تھا۔ زندگی کے بہانے ڈھونڈنے لگا۔ گریجوایٹ استانی —— اس نے متعدد بار اشتہار پڑھا۔ میں بھی تو گریجوئٹ ہوں۔ اس نے سوچا۔ کیا یہ جگہ

مجھے نہیں مل سکتی — استانی کی یہ جگہ مجھے ملنی چاہیئے مجھ سے زیادہ اس کی ضرورت مند کون ہو سکتی ہے جس کے والدین نہیں ہیں بہن بھائی نہیں ہیں. زندگی بسر کرنے کیلئے کوئی سہارا نہیں ہے سر چھپانے کیلئے کوئی جگہ نہیں ہے اور اس اشتہار میں دی ہوئی ساری شرائط پر پوری اترتی ہوں. کیوں نہ اس کیلئے کوشش کروں اگر مجھے جگہ مل گئی — اس نے سوچنا شروع کیا تو ساری زندگی ایک کوارٹر میں رہ کر بسر کروں گی ساری عمر شادی نہیں کروں گی اور زندگی کے باقی ایام بچیوں کو پڑھاتے پڑھاتے گزار دوں گی — مجھے ضرور کوشش کرنی چاہیئے۔

اور

اگر مجھے جگہ نہ ملی تو — خدشات نے دوبارہ اس کے ذہن میں سر اٹھایا۔ اگر ہیڈ مسٹرس نے مجھے جواب دے دیا۔ اگر میں وہاں بھی ناکام ہو گئی تو — نہیں! میں ناکام نہیں ہو سکتی۔ میں ہیڈ مسٹرس کو اپنی زندگی کا ایک ایک واقعہ بتا دونگی۔ میں اس کے سامنے رو دوں گی اور گڑ گڑا کر التجائیں کروں گی کہ زندہ رہنے کیلئے مجھے اس ملازمت کی سب سے زیادہ ضرورت ہے — اور اگر اس کے باوجود ہیڈ مسٹرس نے مجھے ملازمت نہ دی تو میں اسی کے ساتھ اس کے

ساتھ اس کے گھر چلی جاؤں گی۔ میں اسے کہہ دوں گی کہ اس دنیا میں میری کوئی پناہ نہیں۔ اگر مجھے ملازمت نہیں دے سکتیں تو اپنی پناہ میں لے لو۔ پناہ دینے سے تو انکار نہ کرو۔ لیکن ۔ میں یہاں سے کیسے جاؤں۔ باہر نکلنے کا کونسا بہانہ تلاش کروں۔ میں تو کبھی باہر نہیں گئی۔ یہ اسکول کیسے تلاش کروں گی۔ اور ۔ میرے جانے کے بعد میرے یہ محسن میرے متعلق کیا سوچیں گے۔ کیا خالہ جان کے دل کو صدمہ نہیں پہنچے گا۔ کیا شاہدہ میری بے وفائی پر آنسو نہیں بہائے گی۔ خالہ جان اپنی تنہائیوں میں میرے متعلق کیا خیال فرمائیں گے۔ کیا عارف کے قہقہوں پہ پژمردگی نہیں چھا جائے گی اور شہزاد ۔ شہزاد کے دل میں میری گمشدگی کے متعلق کیسے کیسے طوفان اٹھیں گے۔ اٹھنے دو۔ ان طوفانوں کو اٹھنا ہی چاہیئے۔ جب تک اس کے دل کی دنیا میں طوفان نہیں لہرائیں گے اُسے اپنی قربانی کا احساس نہیں ہو گا۔ طوفانوں کو لہرانے دو۔ شہزاد کے دل کی دُنیا کو ڈگمگانا ہی چاہیئے۔ پیار کی اس کشتی کو طوفانوں سے آشنا ہونا ہی چاہیئے۔

کیا ابھی چلی جاؤں ۔ ؟

نہیں ! ابھی تو آدھی رات باقی ہے۔ اس سنسان، تاریک اور ٹھنڈی رات میں کہاں جاؤں گی۔ میں صبح جاؤں گی جب سارے لوگ

اپنے اپنے کام کیلئے گھر سے روانہ ہو جائیں گے۔ جب خالہ جان اور خالو صاحب اپنے اپنے کمروں میں بیٹھ جائیں گے۔ اس وقت موقع دیکھ کر میں باہر نکل جاؤں گی۔

وہ اٹھی اور اپنے بستر پہ سونے والی شاہدہ سے لپٹ کر دراز ہو گئی۔ رات بھاگتی رہی لیکن نیند اسکی آنکھوں سے کوسوں دور رہی اس نے نیند کو بلانے کی کوشش بھی نہیں کی۔ وہ کمرے کی چھت پر نگاہیں لگائے مستقبل کی سوچوں میں مستغرق رہی۔

اور رات کے اندھیارے صبح کے اجالوں میں بدلنے لگے۔ موذن نے اذان دی اور وہ حسب عادت اٹھ کر نماز میں مشغول ہو گئی۔ اور صبح کے وقت جب ناشتہ کے بعد شہزاد دفتر جانے کی تیاری کرنے لگا تو سر جھکائے اس کے کمرے میں داخل ہو گئی۔

امارہ۔ تم؟ شہزاد نے بڑی حیرت سے اس کی جانب دیکھا۔

جی!

کیا بات ہے امارہ۔ اس وقت پہلے تو تم کبھی نہیں آئی تھیں۔

جی ہاں۔ امارہ نے اس کے چہرے پر نگاہیں جما کر جواب دیا۔

بیٹھ جاؤ امارہ۔ شہزاد نے کرسی کی جانب اشارہ کیا اور امارہ خاموشی سے بیٹھ کر اسے دیکھنے لگی۔

امارہ تم نے کیا فیصلہ کیا ہے؟ شہزاد نے نگاہیں جھکا کر پوچھا۔

کیا فیصلہ؟ امارہ کی نگاہیں ابھی تک اس کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

عارف کے متعلق۔

فیصلے تو مرد کیا کرتے ہیں۔ امارہ نے پلکیں جھپکائے بغیر جواب دیا۔

امارہ مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا امارہ۔ بھائی کا پیار مجھ سے میری اپنی دنیا کی قربانی مانگ رہا ہے امارہ۔ میں اپنی دنیا قربان کر سکتا ہوں، میں جانتا ہوں عارف کیلئے خود چھری بھی پھیر سکتا ہوں امارہ۔ لیکن تم ۔۔۔ تم تو عورت ہو امارہ۔

امارہ نے اسے کوئی جواب نہیں دیا۔ اٹھی اور اس کے بوٹوں کے تسمے باندھنے لگی۔ پھر اس نے کوٹ اتار کر اس کی جانب بڑھایا۔ شہزاد نے کسی سحر زدہ انسان کی طرح اس کے ہاتھوں سے کوٹ پکڑ لیا اور جب وہ کوٹ پہن کر تیار ہو گیا تو امارہ اس کے قریب کھڑی ہو گئی۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اس کی ٹائی کی گرہ درست کی۔ اس کی سیاہ پلکوں میں آنسوؤں کے دو قطرے چمکنے لگے۔ اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور پھر وہ جیسے آئی تھی ویسے ہی خاموشی سے سر جھکائے باہر نکل گئی۔ شہزاد نے

دیکھتا ہی رہ گیا۔ اسے سمجھنے کی کوشش ہی کرتا رہا لیکن امارہ کمرے سے جا چکی تھی۔

نارمٹ کالج جا چکا تھا اور شاہدہ کالج جانے کی تیاری کر رہی تھی۔

شاہدہ!

جی باجی۔ شاہدہ نے امارہ کی جانب دیکھ کر جواب دیا۔

ایک کام کرو گی شاہدہ۔ امارہ نے عجیب انداز میں سوال کیا۔

فرمایئے باجی۔ ایک نہیں ایک ہزار کام کروں گی۔

شاہدہ۔ مجھے ایک روپیہ کی ضرورت ہے۔ کیا میری یہ ضرورت پوری کر سکتی ہو۔

بس۔ شاہدہ نے ہنستے ہوئے کہا اور اپنے پرس سے پانچ کا ایک نوٹ نکال کر امارہ کو دیتے ہوئے اس کے گلے میں دونوں بازو ڈال دیئے اور نگاہوں میں نگاہیں ڈال کر کہنے لگی۔

باجی۔ روپیہ مانگنے کا انداز خوب تھا آپ کا۔ میرا پرس تو ہر وقت آپ ہی کے پاس رہتا ہے۔ جب اور جتنی رقم کی ضرورت ہو نکال لیا کریں۔

نہیں شاہدہ۔ مجھے آج ہی ایک روپیہ کی ضرورت محسوس ہوئی اور یہ پانچ کا نوٹ لے لو۔ صرف ایک ہی روپیہ چاہیئے مجھے۔

نہیں باجی۔ یہ نوٹ آپ ہی رکھیں۔ اب میں اسے واپس نہیں لوں گی۔ شاہدہ نے اصرار کیا اور پھر بڑے پیار سے امارہ کی پیشانی چوم کر کتابیں اٹھائیں اور جب دروازے سے باہر نکلنے لگی تو امارہ نے اسے آواز دی۔

شاہدہ!

جی۔ شاہدہ رک گئی اور پلکیں جھپکا کر اس کی جانب دیکھنے لگی۔ امارہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ہوئی اس کے قریب پہنچی۔ چند لمحے اس کی جانب دیکھتی رہی اور پھر بے اختیار اس کا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر اس کی پیشانی پر اس نے طویل بوسہ ثبت کر دیا۔

شاہدہ پہلے تو اسے بڑی حیرت سے دیکھتی رہی اور پھر کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔

باجی۔ آج یہ پیار کیوں ــــ ؟

لیکن امارہ بدستور ویسی ہی سنجیدہ نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی اور پھر سر جھکا کر کہنے لگی۔

جاؤ شاہدہ۔ تمہیں کالج سے دیر ہو رہی ہے۔

شاہدہ امارہ کی اس سنجیدگی پر حیرت زدہ رہ گئی اور پھر شش و پنج

کے عالم میں باہر کی جانب قدم اٹھانے لگی۔

اور جب تینوں بہن بھائی کالجوں اور دفتر کو چلے گئے۔ گھر میں صرف سلمیٰ خاتون اور قیوم صاحب رہ گئے تو امارہ سلمیٰ خاتون کے کمرے میں داخل ہو کر ان کے پلنگ پر بیٹھ گئی۔

بیٹی۔ کیا حال ہے تمہاری تعلیم کا۔

جی ٹھیک ہے۔ امارہ نے نگاہیں جھکا کر جواب دیا۔

خوب محنت کیا کرو بیٹی۔ میں چاہتی ہوں کہ تم ایک سال کے اندر اندر اتنی کتابیں پڑھ لو کہ ان لوگوں نے کالجوں اور سکولوں میں بھی نہ پڑھی ہوں۔

امارہ مسکرانے لگی اور سلمیٰ خاتون کی ٹانگیں دبانے لگی۔

نہ بیٹی۔ یہ کیا کر رہی ہو۔ سلمیٰ خاتون نے اسے روکتے ہوئے کہا۔ لیکن امارہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ بدستور ٹانگیں دباتی رہی۔ اس نے آنکھیں بند کر رکھی تھیں اور سر جھکا ہوا تھا۔ سلمیٰ خاتون بڑی پیاری نگاہوں سے اسے دیکھتی رہیں اور پھر تھوڑی دیر کے بعد اس کا سر اپنی گود میں رکھ کر اسے پیار کرنے لگیں۔ امارہ نے اپنے آنسو کتنی دیر سے روک رکھے تھے وہ بہہ نکلے اور اپنی اس مہربان خالہ کی گود میں سر رکھے آنسو بہاتی رہی۔ اور جب اس کے دل کی بھڑاس نکل گئی۔ سینے میں امڈنے والے طوفانوں کی شدت میں ذرا کمی ہوئی تو خاموشی سے اٹھی اور اپنے کمرے کی جانب قدم اٹھانے لگی۔

اس نے اپنے کمرے کی ہر چیز پر حسرت بھری نگاہ ڈالی بشاہدہ کی کتابوں کو درست کیا۔ اور پھر برقع پہن کر انتہائی خاموشی سے باہر نکل گئی۔

جس خاموشی سے وہ اس گھر میں آئی تھی ویسی ہی خاموشیوں کو سینے سے لگائے اس نے اس گھر کو چھوڑ دیا۔

گلی پار کرنے کے بعد جب وہ بازو کی نکڑ پر پہنچی تو اس کے قدم ڈگمگا رہے تھے۔ کوٹھیوں کا وسیع سلسلہ پیچھے رہ گیا تھا اور اب سمن آباد کی وسیع شاہراہ اس کے سامنے تھی۔ اس نے بس کا انتظار کرنے کی بجائے قریب ہی کھڑا ایک رکشہ لیا اور مسلم گرلز ہائی سکول کا پتہ بتا کر اس میں سوار ہو گئی۔

چند لمحوں کے بعد رکشہ والے نے اسے سکول کے وسیع احاطہ کے باہر پہنچا دیا۔ وہ ڈگمگاتے قدموں سے اُتری اور گیٹ پار کر کے ہیڈ مسٹرس کے کمرے کی جانب قدم اٹھانے لگی۔

کس سے ملنا ہے آپ نے۔ دروازے کے قریب ملازمہ نے پوچھا۔

ہیڈ مسٹرس صاحبہ سے۔

ملازمہ نے کمرے کی چک اٹھا دی۔ سامنے ہیڈ مسٹرس صاحبہ اپنی میز پر کام میں مصروف تھیں۔ ایک خوبصورت اور نوجوان لڑکی کو اپنے سامنے دیکھ کر ان کے ہونٹوں پر تبسم لہرانے لگا۔

تشریف رکھیئے۔

جی ہیں اشتہار پڑھ کر حاضر ہوئی ہوں۔

اوہ۔ لیکن ہم نے تو انٹرویو کی تاریخ مقرر کر رکھی ہے۔ آپ بھی درخواست دے دیں۔ انٹرویو کے وقت آپ کو بُلا لیا جائے گا۔

جی نہیں۔ میں اس وقت تک انتظار نہیں کر سکتی۔ امارہ نے کرسی پہ بیٹھتے ہوئے کہا۔

ہیڈ مسٹرس مسکرانے لگیں۔

کیا آپ گریجویٹ ہیں؟

جی ہاں۔ میں نے کراچی کے گرلز کالج سے اسی سال بی اے کیا ہے۔

کیا آپ کراچی سے تشریف لائی ہیں؟

جی نہیں۔ اسی شہر سے حاضر ہوئی ہوں۔

اگر آپ اسی شہر میں رہائش پذیر ہیں تو چند یوم اور انتظار فرمایئں۔ انٹرویو کیلئے آپ کو ضرور بلایا جائے گا۔

جی نہیں۔ امارہ نے بڑے ہی عزم سے جواب دیا۔

میں تو صرف اسلئے حاضر ہوئی ہوں کہ یا تو مجھے اپنے سکول میں جگہ دے دیجئے یا اپنے گھر میں۔

کیا مطلب۔! ہیڈ مسٹرس نے بڑی حیرت سے اسکی جانب دیکھا۔

اور ہیڈ مسٹرس کی اس حیرت کو دور کرنے کیلئے امارہ نے شروع سے

آخر تک اپنی ساری سرگزشت بیان کرنی شروع کر دی۔ ہیڈ مسٹرس بڑی خدا ترس عورت تھی۔ اس نے اپنے ہاتھ سے قلم رکھ دیا اور بڑے غور سے سنتی رہی۔ اور امارہ نے کراچی سے نکلنے، راہ میں موت سے ہمکنار ہونے اور لاہور میں پہنچنے کے بعد کے سارے واقعات ایک ایک کرکے بڑی تفصیل سے سنا دیئے تو بوڑھی ہیڈ مسٹریس بڑی متاثر ہوئی۔ وہ بڑے پیار، دلچسپی اور ہمدردی سے اس کی جانب دیکھنے لگی۔

آپ کی کہانی بڑی دلچسپ ہے مس امارہ۔ لیکن آپ جانتی ہیں کہ استانی کے تقرر کے اختیارات مجھے نہیں۔ ہماری انجمن کو ہیں۔ آپ اس وقت تک میرے ساتھ رہیں جب تک میں آپ کو اس مدرسہ میں تقرری نہیں دلوا دیتی۔ پھر آپ کو علیحدہ کوارٹر مل جائے گا۔

جی بہت بہت شکریہ! امارہ نے احسان مند نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا۔

اور مس امارہ! میں تمہیں بتا دوں کہ حسن آباد کے جس گھرانے میں تم نے پناہ لی تھی میرے ان کے ساتھ اچھے تعلقات ہیں۔ ہم ایک دوسرے کے بیاہ شادیوں میں اور غموں دکھوں میں برابر شریک ہوتے ہیں۔ میری رہائش بھی حسن آباد ہی میں ہے۔

اوہ۔! بیگم ....

تم فکر نہ کرو امارہ۔ میں اس وقت تک ان سے ذکر نہیں کروں گی جب تک تم خود اجازت نہیں دو گی۔

جی آپ کا مزید شکریہ۔ امارہ نے بڑی پیاری مسکراہٹ سے جواب دیا۔

شام کے تین بجے جب شاہدہ، عارف اور شہزاد گھر واپس پہنچے تو امارہ کو موجود نہ پا کر تینوں پر حیرت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ سب سے پہلے شاہدہ کو پتہ چلا کہ امارہ یہاں نہیں ہے۔

کالج سے واپس آ کر وہ سیدھی اپنے کمرے میں گئی۔ حسبِ معمول اس کی بکھری ہوئی کتابیں الماری میں بڑی ترتیب سے رکھی ہوئی تھیں۔ وہ دل ہی دل میں اپنی باجی کو

وہ ماہیں دیتی ہوئی لباس تبدیل کرنے میں مصروف ہو گئی۔ اس کا خیال تھا کہ باجی حسبِ معمول امی جان کے پاس بیٹھی ہو گی یا باورچی خانے میں ہو گی۔ لباس تبدیل کرنے کے بعد وہ گنگناتی ہوئی اپنی امی کے کمرے میں گئی۔ لیکن وہاں امارہ کو موجود نہ پا کر وہ باورچی خانے کی جانب قدم اٹھانے لگی۔ وہاں اکیلی نادرہ سہ پہر کی چائے بنانے میں مصروف تھی۔

ارے۔ باجی یہاں بھی نہیں ہیں۔

وہ پھر واپس لوٹی اور گھر کے مختلف کمروں میں اسے تلاش کرنے لگی۔ باری باری اس نے سارے ہی کمرے دیکھ لئے۔ غسل خانے میں بھی گئی لیکن امارہ باجی اسے کہیں نہ مل سکی۔

امی جان۔ وہ پریشان ہو کر دوبارہ اپنی امی کے کمرے میں پہنچی۔

جی بیٹی۔

باجی کہاں گئیں امی جان۔

باجی۔ کون باجی۔ کیا امارہ بیٹی کے متعلق کہہ رہی ہو بیٹی۔

ہاں۔ امی جان۔

اپنے کمرے میں ہو گی بیٹی۔ دوپہر تک تو وہ میرے پاس بیٹھی تھی۔ وہیں سو رہی ہو گی۔

نہیں امی جان۔ اپنے کمرے میں تو وہ نہیں ہیں۔

تو پھر باورچی خانے میں ہو گی بیٹی۔ اس وقت وہ چائے تیار کیا کرتی ہے۔

باورچی خانے میں بھی نہیں ہیں امی جان۔ میں انہیں ہر کمرے میں تلاش کیا لیکن وہ کہیں بھی دکھائی نہیں دے رہیں۔

بسنتی۔ دوپہر کے بعد تو میں نے بھی نہیں دیکھا اسے۔ میں تو یہی سمجھی تھی کہ اپنے کمرے میں سو رہی ہو گی۔ وہ کہاں جا سکتی ہے۔

ابھی ماں بیٹی یہی باتیں کر رہے تھے کہ عارف مسکراتا ہوا گھر میں داخل ہوا اور اپنی ماں اور بہن کے چہروں پر پریشانی کی پرچھائیں دیکھ کر اس کی مسکراہٹیں غائب ہو گئیں۔

کیا ہوا امی جان آپ پریشان کیوں ہیں۔

بیٹا۔ ہماری بسنتی خدا جانے کہاں چلی گئی۔ سلمیٰ خاتون نے انتہائی پریشان لہجے میں کہا۔

چلی گئی۔ جا کہاں سکتی ہے۔ یہیں کہیں ہو گی۔ عارف نے تعجب سے جواب دیا۔

گھر میں تو نہیں ہے بیٹا۔ میں نے ہر جگہ دیکھ لیا ہے۔

ثمینہ وغیرہ کے ہاں نہ گئی ہو ــــ عارف نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

آج تک تو کبھی ان کے ہاں گئی نہیں۔ کیا دوپہر سے وہیں جا کر بیٹھی ہوئی ہے۔ سلمیٰ خاتون نے جواب دیا۔

کیا دوپہر سے گم ہے۔

ہاں بیٹا۔ میں نے تو اسے دوپہر کے بعد کہیں نہیں دیکھا۔ میرا خیال تھا کہ اپنے کمرے میں پڑھ رہی ہو گی یا سو رہی ہو گی لیکن اب شاہدہ آئی ہے تو پتہ چلا کہ وہ گھر میں کہیں نہیں ہے۔

میں پتہ کرتا ہوں چچی جان کے ہاں سے ممکن ہے ان کے ہاں چلی گئی ہو۔

امید تو نہیں بیٹا۔ ویسے پتہ کر لو کیا حرج ہے۔

عارف چچا کے ہاں کھلنے والے دروازے کی جانب قدم اٹھانے لگا۔ اور اس نے ابھی دروازہ پار ہی کیا تھا کہ شہزاد دفتر سے واپس لوٹ آیا۔ شاہدہ اسے دیکھتے ہی آنکھوں میں آنسو لیے اس کی جانب بڑھی۔

کیا بات ہے شاہدہ۔ تمہاری آنکھوں میں آنسو کیسے؟

بھائی جان۔ باجی امارہ کہیں چلی گئی ہیں۔ شاہدہ نے باقاعدہ رونا شروع کر دیا۔

کہیں چلی گئی ہیں۔! شہزاد حیران رہ گیا۔ وہ کہاں جا سکتی ہے۔

پتہ نہیں بھائی جان۔ ہر جگہ تلاش کر لیا۔ اب بھیا چچی جان کے ہاں پتہ لینے گئے ہیں کہ ان کے ہاں نہ بیٹھی ہوں۔

نہیں ان کے ہاں وہ کبھی نہیں گئی۔ وہاں نہیں جا سکتی۔ لیکن وہ کہاں جا سکتی ہے!

شہزاد سر تھام کر وہیں اپنی امی کے کمرے میں کرسی پہ بیٹھ گیا اور دل ہی

دل میں امارہ کے چلے جانے کی وجوہات پہ غور کرنے لگا۔ اتنی دیر میں قیوم صاحب بھی وظیفے سے فارغ ہو کر نیچے پہنچ گئے اور جب انھیں بتایا گیا کہ امارہ دوپہر سے غائب ہے تو ان کے ہاتھ سے تعجب اور حیرت کے سبب کتاب فرش پہ گر پڑی اور وہ کوئی تبصرہ کیے بغیر صوفہ پہ بیٹھ کر سب کا منہ دیکھنے لگے۔

وہ کہاں جا سکتی ہے؟ اس شہر میں تو اس کا کوئی عزیز بھی نہیں۔ انہوں نے سوچتے ہوئے کہا۔

اس شہر میں ہی کیا۔ میرا تو خیال ہے کہ اس دنیا میں ہی بے چاری کا کوئی سرپرست نہیں۔

پھر وہ کہاں جا سکے گی۔ وہ کہاں چلی گئی — کیوں چلی گئی۔ قیوم صاحب بڑبڑانے لگے۔

کیوں بھیا — شاہدہ نے مغموم سے عارف کو دیکھ کر جلدی سے پوچھا۔

نہیں۔ وہ ان کے ہاں نہیں گئی۔ عارف نے آہستہ سے جواب دیا اور خود بھی ایک کرسی پہ بیٹھ گیا۔

شاہدہ نے ہر جانب سے مایوس ہو کر دوبارہ آنسو بہانے شروع کر دیئے اور آنسوؤں ہی کی روانی میں اپنی امی سے کہنے لگی۔

امی جان! باجی اس شہر سے باہر نہیں گئیں۔ آج صبح انہوں نے مجھ سے صرف ایک روپیہ مانگا تھا۔

ایک روپیہ۔ سب لوگ اس کی جانب دیکھنے لگے۔

صبح جب میں کالج جانے لگی تو انہوں نے بڑی حسرت سے میری جانب دیکھا تھا۔ پھر مجھے کہنے لگیں بشاہدہ ایک کام کرو گی۔ امی جان ان کا لہجہ بڑا افسردہ تھا۔ جب میں نے ان سے کام پوچھا تو انہوں نے مجھ سے ایک روپیہ طلب کیا۔ میں نے انہیں پانچ کا نوٹ دیا تو کہنے لگیں مجھے صرف ایک روپے کی ضرورت ہے لیکن میں نے بڑے اصرار سے وہ نوٹ انہیں دے دیا۔ امی جان اس سے پہلے انہوں نے کبھی کوئی پیسہ نہیں لیا تھا۔ آج انہیں ایک روپے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟

ایک روپیہ۔ قیوم صاحب سوچنے لگے۔ ایک روپیہ لے کر وہ کہاں جا سکتی ہے۔

اور ابو جان۔ شاہدہ نے اپنے ابو کی جانب دیکھ کر کہا جب میں کالج جانے کے لئے کمرے سے باہر نکلنے لگی تو باجی نے آواز دے کر مجھے روک لیا۔ پھر میرے قریب کھڑی ہو کر بڑی دیر تک پلکیں جھپکائے بغیر مجھے دیکھتی رہیں۔ پھر ابو جان۔ آج پہلی بار انہوں نے میری پیشانی کو چوم لیا۔ میرا خیال ہے ابو جان کہ باجی کہیں ضرور چلی گئی ہیں۔

سلمیٰ خاتون اچانک کسی خیال سے چونک پڑیں اور سب کی جانب دیکھ کر کہنے لگیں۔

مجھے کیا پتہ تھا کہ آج میری بیٹی گھر میں جا رہی ہے۔ دوپہر تک تو میرے پاس بیٹھی رہی باتوں ہی باتوں میں آج اس نے میری ٹانگیں بھی دبانا شروع کر دیں۔ جب میں نے منع کیا تو وہ خاموشی سے سر جھکائے اور آنکھیں بند کئے دباتی رہی اور پھر میری گود میں سر رکھ کر کتنی دیر تک روتی رہی۔ خدا جانے اس وقت کیا تھا میری بیٹی کے دل میں۔ شاید وہ جانے کے وقت میری خدمت کرنا چاہتی تھی۔ کیا کروں اب میں کہاں تلاش کروں اسے۔ کتنی اچھی بیٹی دی تھی خدا نے۔ اس نے اگر جانا ہی تھا تو مجھے بتا دیتی۔ وہ جہاں کہتی میں اسے پہنچا دیتی۔ میں خود جا کر چھوڑ آتی اپنی بیٹی کو۔ سلمیٰ خاتون کی آنکھوں سے بھی ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔

اور یہ آنسو تو شہزاد کی آنکھوں سے بھی گرنا چاہتے تھے لیکن وہ ابھی تک اپنی مضبوط قوتِ ارادی سے انہیں روکے ہوئے تھا۔ اس کا دل چاہا کہ وہ بھی ان سب کو بتا دے کہ آج صبح امارہ اس کے کمرے میں بھی گئی تھی۔ آج اسی نے اس کے بوٹوں کے تسمے باندھے تھے اسی نے اس کی ٹائی کی گرہ درست کی تھی۔ اس کا دل چاہا کہ وہ ان سب کو بتا دے کہ امارہ اس گھر سے کیوں چلی گئی ہے۔ اسے اس گھر میں کیا تکلیف تھی اس گھر میں اس کی روح کو مجروح کرنے والا کون ہے۔ لیکن وہ کچھ بھی نہ کہہ سکا اور سر جھکائے خاموش سب کی باتیں سنتا رہا۔

اور عارف۔

وہ سمجھ رہا تھا کہ امی کی شرارتوں سے تنگ آکر وہ معصوم لڑکی اس گھر کو چھوڑ گئی ہے۔ اس کے تقاضوں سے تنگ آکر وہ یہاں سے چلی گئی ہے۔ اگر وہ اس کے ساتھ شادی کا مطالبہ نہ کرتا تو ممکن ہے۔ وہ چند روز مزید یہیں رہ جاتی۔ وہ اس سے شادی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ ممکن ہے اسی لئے چلی گئی ہو۔

لیکن سوچنا تو یہ ہے کہ وہ یہاں سے گئی کیوں ---- قیوم صاحب نے پوچھا

یہاں اُسے تکلیف تو کوئی نہیں تھی۔ سب ہی تو اُس سے پیار کرتے تھے۔ کیا کہا جا سکتا ہے کہ وہ یہاں سے کیوں چلی گئی ۔ سلمیٰ خاتون نے آنسو خشک کرتے ہوئے جواب دیا۔ اور پھر شاہدہ سے پوچھنے لگیں۔

کیوں بیٹی۔ رات تم نے اس سے شادی کا ذکر کیا تھا !

کیسی شادی ۔ شہزاد نے جلدی سے پوچھا۔

عارف اور ماروہ کی شادی بیٹا ۔ ہم نے سوچا تھا کہ تمہاری شادی کیساتھ ہی ان دونوں کی شادی بھی کر دیں۔

اوہ ۔ شہزاد عارف کی جانب دیکھنے لگا ۔

ہاں امی جان ۔ میں نے باجی سے کہا تھا ۔

پھر کیا کہنے لگی وہ بیٹی ۔ قیوم صاحب نے جلدی سے پوچھا ۔

کچھ نہیں ابو جان ۔ وہ تو پہلے ہی آنسو بہا رہی تھیں مجھے پڑھتے پڑھتے خیال آیا تو میں اپنے پلنگ سے اٹھ کر ان کے پلنگ پر چلی گئی ۔ اور جب میں نے بڑے پیار سے

انہیں یہ خوشخبری سنائی تو بے کہنے لگیں۔

پگلی میری شادی تو عرصہ ہوا اپنے آنسوؤں، دکھوں اور اپنی آہوں سے ہو چکی ہے۔ بڑی دکھیا تھی میری امارہ بیٹی۔ سلمیٰ خاتون نے دوبارہ آنسو بہانے شروع کر دیئے۔

اور ابھی یہ سب لوگ یہیں بیٹھے اپنی اپنی سوچ میں گم تھے کہ فضیلت بی بی کمرے میں داخل ہوئیں۔ اور ان سب کو اس طرح بیٹھے دیکھ کر پوچھنے لگیں۔

کیوں بہن۔ حارث بتا گیا تھا کہ دوپہر سے امارہ گم ہے۔ پتہ چلا کچھ اس کا۔

نہیں بہن۔ اتنے بڑے شہر میں اس کا کہاں پتہ چل سکتا ہے۔ بچی تو ہے نہیں کہ ڈھونڈ دا پڑوا دیں۔ وہ تو جہاں بھی گئی ہوگی اپنی مرضی سے گئی ہوگی اور سوچ سمجھ کر گئی ہوگی۔

ہاں یہی تو میں کہتی تھی بہن۔ لیکن مجھے تو ایک اور فکر ہے۔ فضیلت نے بڑے تشویشناک انداز میں کہا۔

کیا ــــ؟

سلمیٰ خاتون کے علاوہ باقی سب لوگ بھی نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھنے لگے۔

بہن۔ سلمیٰ کراچی کی رہنے والی تھی۔ انسان کی پیشانی پہ تو نہیں لکھا ہوتا کہ چور کون ہے اور درویش کون ہے۔ کراچی کی لڑکیاں شکل سے بڑی معصوم دکھائی دیتی ہیں۔ لیکن شرارتوں میں شیطان کے بھی کان کترتی ہیں۔ میں تو یہ پوچھنے آئی ہوں بہن کہ کوئی نقصان وغیرہ تو نہیں ہوا۔

نقصان ــــ کیسا نقصان سلمیٰ خاتون نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے پوچھا۔

اے بہن جی۔ اپنے زیورات کا ڈبہ تو دیکھ لیں۔ نقدی بھی گن لیں۔ کپڑوں کے ٹرنک بھی دیکھ لیں۔ میرا تو کلیجہ اسی وقت سے دھڑک رہا ہے۔ جب سے پتہ چلا کہ وہ غائب ہو گئی۔

اوہ۔ تو تمہارا خیال ہے بہن کہ امارہ چوری کر کے چلی گئی ہے۔

زمانہ بڑا نازک ہے بہن۔ اور تم نے تو سب کچھ اسی کے سپرد کر دیا تھا۔ اگر جاتے جاتے صفائی کر گئی ہو تو کوئی بڑی بات نہیں۔ انسان کا ایمان بگڑا ہوا ہے۔ بدلتے دیر نہیں لگتی۔

شہزادہ بڑی ہی بیزار نگاہوں سے اپنی چچی کی جانب دیکھنے لگا۔ لیکن خاموش رہا۔ اس کی امارہ پر اب چوری کا الزام لگ رہا تھا۔

دیکھو سلمیٰ۔ اگر امارہ بیٹی کچھ لے گئی ہے تو پتہ چل جائے گا کہ کیا لے گئی ہے۔ اگر کچھ نہیں لے گئی تو اس پر چوری کا الزام ابھی صاف ہو جائے گا۔ قیوم صاحب نے کہا۔

یہی تو میں کہہ رہی تھی بھائی جان۔ لیکن ہماری بہن جی بڑی سیدھی ہیں۔ انہیں تو زمانے کی ہوا ہی نہیں لگی۔

میرا تو دل نہیں مانتا کہ امارہ بیٹی نے ایسی کوئی حرکت کی ہو۔ آپ کہتے ہیں تو دیکھ لیتی ہوں۔ لیکن میرا دل صاف ہے۔ سلمیٰ خاتون اٹھیں اور ٹرنک کھول کر دیکھنے لگیں۔

نہیں۔ ہر چیز اپنی جگہ موجود ہے۔ زیورات بھی ہیں۔ نقدی بھی اور کپڑے بھی۔ انہوں نے تین چار ٹرنک یکے بعد دیگرے کھول کر دیکھے اور مطمئن ہو کر تالے لگا دیئے۔

اری بیٹی شاہدہ۔۔ تم ہی اپنے کمرے میں جا کر اپنی چیزیں دیکھ لو۔ فضیلت نے اُسے مشورہ دیا۔

شاہدہ تو پہلے ہی اس چوری کے الزام سے جلی بیٹھی تھی بڑی شدت سے اپنی پچی کی جانب دیکھ کر کہنے لگی۔

پچی جان۔ میرے کمرے میں کیا تھا جو وہ لے جاتی۔ اور اگر کچھ لے بھی گئی ہے۔ تو میں نہیں دیکھوں گی۔ کاش وہ میرا سب کچھ لے لیتی لیکن اس گھر سے نہ جاتی۔

بیٹی شاہدہ کو اس کے جانے کا بڑا صدمہ ہوا ہے۔ فضیلت نے اپنی خفت مٹانے کے لئے کہا۔

صدمہ تو ہم سب ہی کو ہوا ہے بہن۔ لیکن اب کیا کر سکتے ہیں۔ سلمیٰ خاتون نے ٹھنڈی سانس لے کر اسے جواب دیا۔

ہاں بہن۔ جو شخص چند دن اپنے پاس رہے اس سے پیار تو ہو ہی جاتا ہے۔ آپ جانتی ہیں اسی لائن کی آخری کوٹھی میں وہ بٹ صاحب رہتے ہیں۔ ان کی بیوی پرسوں آئی تھی بہن۔ اس نے بتایا تھا کہ اسی طرح ایک جوان لڑکی کو انہوں نے بھی پاکستان بنتے وقت پناہ دی تھی۔ وہ لڑکی ان کے ہاں چھ ماہ متواتر رہی۔ یہ بیچارے اپنی استطاعت کے مطابق اس کی خدمت کرتے رہے۔ اسے کپڑے بنا کر انہوں

سنے دیتے۔ اس کی ہر ضرورت کا خیال کیا اور ایک دن وہ چپکے سے چلی گئی۔ اس کے چلے جانے کے تیسرے چوتھے دن پتہ چلا کہ ہمسایوں کا لڑکا بھی غائب ہے۔ بہن میں تو اسی وقت سنتے ہی ڈر گئی تھی۔ خدا خیر کرے۔ زمانہ بڑا نازک ہے۔

شہزاد کا دل چاہا کہ اٹھ کر اپنی چچی کو کمرے سے باہر نکال دے پہلے چوری کا الزام لگا رہی تھی جب وہ غلط ثابت ہو گیا تو اب یہ ذہن نشین کرا رہی ہے کہ وہ کسی لڑکے کے ساتھ بھاگ گئی ہے۔ اس نے بڑی حقارت سے فضیلت کی جانب دیکھا اور اٹھ کر اپنے کمرے کی جانب چلا گیا۔ شاہدہ اور عارف بھی اٹھے اور اپنے اپنے کمروں کی جانب قدم اٹھانے لگے اور قیوم صاحب ایسی نگاہوں سے فضیلت کی جانب دیکھنے لگے جن میں غصہ بھی تھا اور تبسم بھی شامل تھا۔ وہ دل میں سوچ رہے ہوں کہ ان کے بھائی نے اس عورت کے ساتھ شادی کر کے زندگی کی سب سے بڑی غلطی کی ہے۔

بہن جی۔ فضیلت نے مسکراتے ہوئے سلمیٰ خاتون کی جانب دیکھا۔

کیا بات ہے بہن۔ سلمیٰ خاتون نے بڑی مردہ سی آواز میں جواب دیا۔

بہن جی۔ آپ کے ہاں سے ایک فرد کی کمی ہو گئی اور ہمارے ہاں ایک کا اضافہ۔

اضافہ۔ کون آیا؟ آپ کے ہاں۔ سلمیٰ خاتون نے حیرت سے پوچھا۔

تنویر بیٹا آیا ہے۔ بہن جی۔

تنویر۔ کون تنویر۔ سلمیٰ خاتون نے حیران ہو کر پوچھا اور قیوم صاحب جو اٹھ کر اپنے کمرے کی جانب جانے کا ارادہ کر رہے تھے۔ ارادہ ملتوی کر کے فضیلت کی جانب دیکھنے لگے۔

بہن جی۔ بھائی مرحوم کا ایک ہی تو بیٹا ہے۔ کراچی سے آیا ہے آج۔

اوہ۔ مبارک ہو بہن۔ بڑی دیر کے بعد آیا ہے۔ چار پانچ دن پہلے ہم یہاں بیٹھے اسی کی باتیں کر رہے تھے۔ اب تو ماشاء اللہ جوان ہو گا۔ کیا کام کرتا ہے۔!

ہاں بہن۔ دس گیارہ سال کے بعد آیا ہے۔ ایم۔ اے کر نیکے بعد وہیں کسی دفتر میں ملازمت کرتا ہے۔ بڑا خوبصورت جوان ہے بہن۔ بالکل بھائی جان کی طرح۔ لیکن اب تو مرجھا گیا ہے بہن۔

کیوں۔۔؟

اس کی کہانی سن کر کلیجہ دہل جاتا ہے بہن۔ خدا دشمن کے نصیب میں بھی ایسی مصیبتیں نہ کرے جن مصیبتوں سے میرا بیٹا دوچار ہے۔

کیوں آخر ہوا کیا۔؟ سلمیٰ خاتون نے پریشانی سے پوچھا۔

چھ سات ماہ پہلے تنویر کی امی اور چھوٹی بہن اس کے ماموں کے پاس جانے کیلئے کراچی سے سوار ہوئی تھیں لیکن ان کا کہیں پتہ نہیں چل رہا۔ اپنے ماموں سے بھی مل آیا ہے وہ الگ پریشان ہے۔ خدا جانے انہیں زمین نگل گئی یا آسمان میں گم ہو گئیں۔ بے چارہ انہی کی تلاش میں دفتر سے چھٹی لے کر مارا مارا پھر رہا ہے۔ کہیں پتہ نہیں

چلتا۔ جہاں جہاں اس کے رشتہ دار تھے، ہر جگہ دیکھ آیا۔ اب یہاں آیا تھا کہ ممکن ہے یہاں آ گئی ہوں۔ لیکن یہاں کہاں بہن۔ نہ وہ ہمیں جانتی تھیں اور نہ ہم انہیں۔

اوہ۔ بڑے افسوس کی بات ہے بہن۔ بڑا دکھ ہوا سن کر۔ اس کی بہن تو جوان ہو گی۔

ہاں بہن۔ کہتا ہے اس سال اس نے بی۔ اے کا امتحان دیا تھا۔ نتیجہ بھی اس کے بعد ہی نکلا۔ خدا اپنے حفظ و امان میں رکھے ہر ایک کو۔ زمانہ بڑا نازک ہے۔ اب تنویر بیٹا رہے گا یہیں یا واپس چلا جائے گا۔

میں تو ابھی اسے واپس نہیں جانے دوں گی بہن۔ پھول سا چہرہ کملا کے رہ گیا ہے۔ یہاں نوکریوں کی کمی تو نہیں۔ مل ہی جائے گی۔

ہاں بہن، پڑھے لکھے نوجوانوں کے لیے ملازمتوں کی کیا کمی ہے۔ کسی دن لانا بہن تنویر بیٹے کو۔ ہم بھی دیکھ لیں اسے۔ چھوٹا سا تھا جب یہاں آیا تھا۔

کل لاؤں گی بہن اب تو وہ نڈھال سا ہو کے لیٹ گیا ہے۔

فضیلت اٹھی اور مسکراتی ہوئی اپنے گھر چلی گئی۔ اور جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گئی تو قیوم صاحب اپنی بیوی سے کہنے لگے۔

دیکھا اس عورت کی فطرت! بڑی ذلیل عورت ہے۔

ہاں اس کی عادت ہی ایسی ہے

دل چاہتا ہے کہ اسے اٹھا کر باہر پھینک دوں پہلے اماوہ بیٹی پہ چڑھی

کا الزام لگایا اور جب چوری ثابت نہ ہوسکی تو پھر اس کی شرافت اور معصومیت پر کیچڑ اچھالنے لگی۔

اس کی عادت تو آپ جانتے ہی ہیں۔ غصہ منانے سے کیا فائدہ۔

اسے کم از کم ہمارے گھر میں تو اپنی رذالت کا ثبوت نہیں دینا چاہیئے۔ اپنے ہاں جو جی میں آئے کرتی رہی۔ لیکن میرے خاندان میں بیٹھ کر ایسی انسانیت سے گری ہوئی گفتگو اسے نہیں کرنی چاہیئے۔ تم نے دیکھا تھا شہزاد بیٹے کا چہرہ۔ میں بڑے غور سے اسے دیکھ رہا تھا اور مجھے تو خدشہ تھا کہ وہ کہیں ہاتھ نہ اٹھا دے اس پر۔ شکر ہے کہ وہ اٹھ کر ہی چلا گیا۔

ہاں میں بھی دیکھ رہی تھی۔ وہ اسی لئے اٹھ کر چلا گیا تھا۔ لیکن مجھے تو رہ رہ کر خیال آرہا ہے کہ ہماری بیٹی کہاں چلی گئی۔ کیوں چلی گئی۔ اسے اس گھر میں کیا دکھ تھا۔

میرا خیال ہے سلمےٰ خاتون کہ وہ عارف کے ساتھ شادی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اسی لئے خاموشی سے چلی گئی۔

اگر شادی نہیں کرنا چاہتی تھی تو بتا دیتی۔ اسے مجبور تو نہ کیا جاتا۔ لیکن اس طرح بغیر اطلاع دیئے جانے کی کیا ضرورت تھی۔

یہاں رہ کر وہ انکار کیسے کر سکتی تھی سلمےٰ خاتون۔ شاہدہ نے اسے بتا دیا ہوگا کہ ہم دونوں اس شادی پر خوش ہیں اور اس نے سوچا ہوگا کہ خالہ اور خالو کو کیسے

جواب دے دوں۔ بے چاری اپنی شرافت کی وجہ سے یہ جگہ ہی چھوڑ گئی۔ خدا جانے اب کہاں ہو گی۔ کس حال میں ہو گی۔

اللہ اسے اپنی حفظ و امان میں رکھے۔ سلمیٰ بیگم نے اپنے دوپٹے کا پلّو پھیلا کر اس کے لئے دُعا مانگنے لگی اور رستم صاحب بوجھل قدموں سے اپنے کمرے کی جانب بڑھنے لگے۔

ایک ہفتہ متواتر امارہ کو تلاش
شہزاد کرتا رہا۔
اس نے دفتر سے رخصت لے لی تھی۔ وہ ہر روز صبح سویرے گھر سے تیار ہو کر نکل جاتا۔ گھر کے افراد یہی سمجھتے رہے کہ وہ تیار ہو کر دفتر جاتا ہے۔ لیکن شہزاد کا رُخ ان دنوں ہمیشہ دفتر کی بجائے کسی دوسری جگہ کی جانب جاتا۔ پہلے دن اس نے مختلف محلّوں کا چکر لگایا۔ صبح سے شام

تک گلیوں میں آوارہ گردی کرتا رہا۔ سڑکوں پر پھرتا رہا۔ لیکن امارہ گلیوں میں اور نہ سڑکوں پر اسے دکھائی دی۔ وہ ہر ایسی عورت کے پیچھے چند قدم چلتا جس پر اسے امارہ ہونے کا شبہ ہوتا۔ لیکن شام تک کوچہ نوردی کرنے کے باوجود وہ گوہر مقصود کی تلاش کرنے میں ناکام رہا تو شام کے سرمئی اندھیروں کے ساتھ تھکا ماندہ اپنے گھر لوٹ آیا اور اپنے کمرے میں جا کر لیٹ گیا۔ اس کی ٹانگیں صبح سے شام تک سفر کرتے کرتے شل ہو گئی تھیں۔ صبح سے اس نے نہ کچھ کھایا تھا اور نہ کچھ پیا تھا۔ بھوک اور پیاس سے اس کے چہرے کی ساری رونقیں غائب ہو چکی تھیں۔ آنکھیں اپنے گوہر مقصود کی تلاش کرتے کرتے تھک چکی تھیں۔ لیکن صبح سے شام تک سردیوں کے اس مختصر سے دن کی تلاش کے باوجود جب وہ اندھیرے پھیلنے کے ساتھ اپنے گھر لوٹا تو اس کا دل دھڑک رہا تھا۔

شاید امارہ گھر واپس آگئی ہو — اس نے بیرونی صحن کے دروازے میں قدم رکھتے ہوئے سوچا خدا کرے وہ واپس آگئی ہو۔ اس کے دل کی عمیق ترین گہرائیوں سے دعا نکلی اور وہ شک اور امید کے جذبات اپنے سینے میں دبائے جب صحن میں داخل ہوا تو شاہدہ کا مرجھایا ہوا چہرہ دیکھ کر اس کی ساری امیدوں پر پانی پھر گیا — وہ نہیں آئی ورنہ شاہدہ کا چہرہ یوں مرجھایا ہوا نہ ہوتا۔ اس نے اپنا سر جھکا لیا اور خاموشی سے کمرے میں جا کر بستر پر لیٹ گیا۔

بھائی جان۔ شاہدہ اس کے کمرے میں رات کا کھانا لے کر داخل ہوئی اور شہزاد بس کی جانب دیکھنے لگا۔

بھائی جان۔ امارہ باجی کا کہیں پتہ چلا۔

نہیں شاہدہ۔

شاہدہ نے کھانے کی ٹرے میز پر رکھی اور خاموشی سے سر جھکائے واپس چلی گئی اور پھر کچھ دیر کے بعد جب وہ برتن اٹھانے کیلئے آئی تو کھانا جوں کا توں ٹرے میں موجود تھا۔

بھائی جان۔ آپ نے کھانا نہیں کھایا ابھی تک۔

بھوک نہیں ہے شاہدہ۔ لے جاؤ اسے۔

شاہدہ نے بڑی افسردہ نگاہوں سے اپنے بھائی جان کی جانب دیکھا۔ خود اس کی اپنی بھوک مرچکی تھی۔ اس نے بھی اپنی امی کے اصرار کے باوجود صرف چائے کا ایک کپ پیا تھا۔ اس کے حلق میں بھی روٹی کا نوالہ نہیں اتر رہا تھا۔ اس نے ٹرے اٹھایا اور واپس چلی گئی۔

دوسرے دن پھر صبح سویرے شہزاد امارہ کی تلاش میں نکلا اور سارا دن مختلف جگہوں کی آوارہ گردی کرتا رہا۔ آج اس نے سارے پارک دیکھ لئے۔ ہر جگہ جہاں اسے امید ہو سکتی تھی وہ گیا اور ہر ایسی جگہ بھی اس کے قدم پہنچے جہاں آج سے پہلے وہ کبھی نہیں گیا تھا۔ لیکن اسے امارہ نہ مل سکی۔

اور پھر

متواتر سات دن شہزاد امارہ کو تلاش کرتا رہا۔ وہ ہر روز صبح سویرے گھر سے نکل جاتا اور رات کی تاریکیوں تک ادھر ادھر مارا مارا پھرتا رہا۔ تانگہ میں سوار عورتوں اور لڑکیوں کو بڑے غور سے دیکھتا۔ رکشا اور ٹیکسیوں میں سوار عورتوں پر نگاہیں جاتا۔ کہیں بھی دو چار لڑکیاں اسے دکھائی دیتیں تو بڑے اشتیاق سے ان کی جانب قدم بڑھانے لگتا اور قریب جا کر جب اسے پتہ چلتا کہ ان میں امارہ نہیں ہے تو وہ خود ہی اپنی اس حماقت پر مسکرانے لگتا ——— وہ ان میں نہیں ہے۔ وہ ان میں ہو بھی کہاں سکتی ہے۔ خدا جانے وہ کہاں ہے۔ وہ دل ہی دل میں سوچتا اور پھر تلاش یار میں سرگرداں ہو جاتا۔

اور سات دن کی طویل تلاش کے بعد

جب اس کی مایوسیاں اپنے عروج کو پہنچ گئیں جب وہ اپنی ساری کوششوں میں ناکام ہو گیا تو اس کی ہمت جواب دے گئی۔ اس کے حوصلے اس کا ساتھ چھوڑ گئے۔ پھر صبح سویرے گھر سے نکلتے وقت امید کی جو شمع ٹمٹمایا کرتی تھی وہ بجھ گئی۔ اور آٹھویں روز وہ تلاش میں نکلنے کی بجائے اپنے بستر پر ہی دراز رہا۔

اسے ہلکا ہلکا بخار ہو گیا تھا۔

اور وہ جس کی خاطر اس نے دن رات صحرا نوردی کی تھی جسے لاہور کی ایک ایک گلی میں اس نے تلاش کیا تھا۔ جس کے لئے اس نے لاہور کی ساری سڑکیں روند دی تھیں جس کی خاطر اس نے لاہور کی ہر عورت کا تعاقب کیا تھا —

وہ شہزادی کے محلہ میں ان کے گھر کے قریب ہیڈ مسٹرس کے گھر میں زندگی کے ایام بسر کر رہی تھی۔

اسٹس فیڈ ان

ہیڈ مسٹرس صاحبہ نے اس کی ساری کہانی سننے کے بعد فیصلہ کر لیا تھا کہ اس یتیم اور لاوارث لڑکی کو معلمہ کی جگہ ضرور دلوا دے گی۔ لیکن انٹرویو میں ابھی دیر تھی اور یہ انٹرویو صرف ہیڈ مسٹرس نے ہی نہیں لینا تھا۔ بلکہ اس میں انجمن کے نمائندے بھی شامل تھے چنانچہ انٹرویو سے پہلے سب سے پہلے ہیڈ مسٹرس صاحبہ امارہ کو اپنے ساتھ لے کر ہر اس نمائندے سے ملی جس نے انٹرویو لینا تھا۔ باری باری ہر ایک کو امارہ کی سرگزشت سنائی اور ہر ایک نے وعدہ کیا کہ وہ تقرری کے وقت امارہ کی سفارش کرے گا۔ چنانچہ مقررہ تاریخ کے دن جب انٹرویو کا نتیجہ سنایا گیا تو امارہ کو استانی مقرر کر دیا گیا۔ باقی ساری امیدوار لڑکیوں کو گھروں میں واپس بھیج دیا گیا۔

اب امارہ سکول کے احاطہ میں بنے ہوئے مختلف کوارٹروں میں سے ایک میں رہائش پذیر تھی۔ وہ وہاں تنہا رہتی تھی۔ اس کا سارا دن مختلف کلاسوں کو پڑھاتے ہوئے بسر ہو جاتا۔ لیکن رات کی تنہائی اسے ڈسنے لگتی جب وہ تنہا اپنے پلنگ پر دراز ہوتی تو چاروں طرف سے خیالات اس پر یلغار کر دیتے۔ کبھی اسے اپنی مرحوم ماں یاد آتی ـــــ اگر وہ کراچی سے لے کر انگلینڈ ہی کا سفر اختیار نہ کرتی تو یہ حالات اسے یہاں پیش آتے۔ نہ گاڑی کے حادثہ میں اس کی امی کی جان گئی ہوتی۔

خالہ سلمیٰ خاتون سے اس کی ملاقات ہوتی ۔ اور خالہ سلمیٰ خاتون سے ملاقات نہ ہوتی تو
شاہدہ اور طاہرہ اسے کہاں مل پا سکتے تھے ۔۔۔ پھر اس نے مجھے خیال آتا
امی کی موت سے بہت کڑوا نفسیاتی جانب پھر جاتا ہے ۔ گو دو
آٹھ ماہ کا عرصہ گزرا تھا ۔۔۔ کتنی اچھی ہیں خالہ سلمیٰ خاتون ۔
ہر کسی کا دکھ میں حصہ بٹانے والی ۔ ہر ایک کے لیے آنسو بہانے والی ۔ مجھے تو
کی بیٹی بنایا تھا ۔ خدا جانے میرے چلے آنے کے بعد وہ کیا سوچتی ہوں گی ۔ کیسی پریشان
ہو رہی ہوں گی ۔ انہوں نے آنسو بھی بہائے ہوں گے جب بار بار یاد کرتی ہوں گی ۔۔۔
لیکن میں ان کے پاس کیسے رہ سکتی تھی ۔۔۔ اور شاہدہ ، میری
بہن ۔ سر تا پا خلوص اور پیار کا مجسمہ ۔ مجھے نہ پا کر وہ تو بے حد
ہرنی کی طرح جس کا ساتھی بچھڑ گیا ہو ۔ ایک ایسے بچے کی طرح جو میلے کے ہجوم میں اپنے
والدین سے جدا ہو گیا ہو ۔ اس نے یقیناً آنسو بہائے ہوں گے ۔ ممکن
دو روز تک کھانا بھی نہ کھایا ہو ۔ اسے بڑا دکھ ہوا ہو گا ۔ میرے یوں چلے آنے
سے ۔ وہ بڑی پریشان ہو گی ۔ اس رات ۔۔۔ جو اس گھر میں میری آخری
تھی ۔۔۔ جس رات میں نے گھر سے چلے آنے کا فیصلہ کیا تھا ۔ وہ
میرے بستر پہ لیٹی رہی ۔ میرے ساتھ پیاری پیاری باتیں کرتی رہی
جب بھی میں نے اس سے صرف ایک روپیہ مانگا تو اس نے اپنا پرس میرے
آگے کر دیا تھا ۔ باجی ۔۔۔ یہ پرس آپ ہی کی خاطر تو رکھا ہے

اس نے اپنا سب کچھ مجھے دے دیا تھا۔ اپنا پیار اپنا خلوص۔ لیکن میں ہی اس کی قدر نہ کر سکی ۔۔۔ قدر کیسے کرتی۔ کاش میں اسے دکھ اور رنج پہنچانے کا موجب نہ بنتی ۔۔۔ لیکن ...... میں بڑی مجبور تھی۔

میں کتنی ہی مجبور تھی ۔۔۔ وہ اپنے تنہا اور خاموش کمرے میں آنسو بہانے لگتی۔ میری مجبوریوں کو کون سمجھ سکتا ہے ۔۔۔ شہزاد ۔۔۔ اس کے دل میں آواز پیدا ہوتی۔ ہاں شہزاد۔ لیکن وہ تو خود بڑا مجبور ہے۔ اسے چھوٹے بھائی کے پیار نے مجبور کر دیا ہے۔ وہ اپنی زندگی کی قربانی دینے پر مجبور ہو گیا۔ اب پچھتا تو رہا ہوگا۔ اپنی خاموشی پر اب ہاتھ تو ضرور مل رہا ہوگا۔ ممکن ہے مجھے تلاش بھی کر رہا ہو۔ ممکن ہے میرے لئے آنسو بھی بہا رہا ہو۔ کتنا مجبور ہے شہزاد ۔۔۔ وہ میری طرح کھل کر رو بھی تو نہیں سکتا۔ اپنے دل کا درد کسی کو بتا بھی تو نہیں سکتا ۔۔۔ بھائی کی جھولی میں خوشیاں انڈیلنے والا اپنے غموں کا علاج بھی نہیں کر سکتا ۔۔۔ شہزاد تم کس حال میں ہو ۔۔۔ وہ دل ہی دل میں شہزاد کی یادیں بسا لیتی اور پھر تصور ہی تصور میں اسے دیکھنے لگتی ۔۔۔ وہ اس وقت اپنے کمرے میں ہے۔ اسی پلنگ پر۔ اسی بستر میں جس کی چادر میں بدلا کرتی تھی۔ اسی لحاف میں جس کا ایک کونا اس نے سگریٹ پیتے پیتے جلا دیا تھا۔ اس کے کمرے میں وہی پھولدار پردہ لٹک رہا ہوگا۔ ویسے ہی دری بچھی ہوگی۔ اس کے شیلف میں مختلف رسالے ویسے ہی بے ترتیبی سے پڑے ہوں گے۔ اور وہ ان سب بے ترتیبیوں کے

درمیان اپنی بے ترتیب زندگی کو ترتیب دینے کی کوشش کر رہا ہوگا۔ لیکن یہ ترتیب وہ نہیں دے سکتا۔ اس کے دل میں ضرورت سے زیادہ گرم ہے۔ ضرورت سے زیادہ ہمدردی ہے۔ وہ ضرورت سے زیادہ خاموش ہے۔ ایسا خاموش کہ شعینہ سے نفرت کرنے کے باوجود ابھی تک اپنی نفرت کا اظہار نہیں کر سکا۔ اس کی خاموشی اس کے لیے وبالِ جان ہے —— خدا جانے میرے بیٹے اسے زبان کہاں سے مل گئی تھی میرے ساتھ وہ میٹھی میٹھی باتیں کیسے کر لیتا تھا —— کیا وہ خاموش ہی رہے گا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وہ سوچنے لگتی۔ ۔ ۔ ۔ اس کی یہ خاموشی تو میری ویرانی کا سبب بنی ہے۔ کیا اب بھی اس کی خاموشی نہیں ٹوٹے گی۔ ۔ ۔ ۔ اگر وہ خاموش نہ رہتا۔ اگر اسے زبان مل جاتی تو اپنے بھائی سے کہہ سکتا تھا۔ پگلے —— جسے تم بیوی بنانا چاہتے ہو۔ اس کے ساتھ تو میں پیار کرتا ہوں۔ کہیں چھوٹے بھائی بھی بڑے بھائیوں —— پیار پر ڈاکہ ڈالا کرتے ہیں۔ لیکن اس نے بڑے خلوص سے اپنی بربادیاں دیکھ لیں اور زبان سے ایک لفظ بھی نہیں کہا —— اس کی یہ خاموشی کب ٹوٹے گی۔ کب۔

اماں اکثر رات کی تنہائیوں میں ایسے ہی خیالات کو سینے سے لگائے ساری ساری رات آنکھوں میں گزار دیتی۔ ہر شخص اپنی جگہ تڑپ رہا تھا —— یہ تڑپ سب کی یکساں تھی لیکن اس تڑپ کا علاج کس کے پاس تھا —— اس کا علاج کیا تھا ——؟

اور یہ علاج فضیلت بی بی نے تجویز کر دیا۔

ابھی روز شہناز صاحب ابھی کالج سے واپس نہیں گئے تھے۔ شہزاد اپنے کمرے میں بستر پر دراز بخار میں جل رہا تھا۔ اسے گزشتہ تین چار روز سے بخار آ رہا تھا اور اس کا دوست ڈاکٹر شہناز صبح و شام آ کر اس کا ٹمپریچر دیکھتا اور دوائی بھجوا دیتا مگر بخار کم ہونے کی بجائے بہر صورت شدت اختیار کرتا جا رہا تھا۔ شہزاد نے کالج سے ایک ماہ کی رخصت لے لی تھی اور وہ سارا سارا دن اپنے بستر پر دراز ماضی اور ماضی کی اماوہ کی یادوں کو سینے سے لگائے لیٹا رہتا تھا۔ اگر اسے تنہائی میسر آتی تو آنسوؤں کا سیلاب بے اختیار اس کی آنکھوں سے بہنے لگتا اور اگر امی یا ابو اس کے پاس ہوتے تو اپنے سینے میں اٹھنے والے جذبات کے سیلاب کو بمشکل روک لیتا۔ اور

ایک دن

قیوم صاحب اپنے بیمار بیٹے کے قریب کرسی پر بیٹھے تھے۔ وہ سارا سارا دن اسی کے کمرے میں بیٹھے رہتے اور اس کی بڑھتی ہوئی بیماری کے متعلق سوچتے رہتے۔ سلمیٰ خاتون صحن میں بیٹھی ملازمہ کو رات کے کھانے کے متعلق ہدایات دے رہی تھیں کہ نفیسہ بی بی درمیانی دیوار کا دروازہ کھول کر صحن میں مسکراتی ہوئی داخل ہو گئیں۔

بہن جی۔ اس نے چارپائی پر بیٹھتے ہوئے سلمیٰ خاتون سے کہا۔

آؤ بہن۔

بہن ۔ شہزاد بیٹے کی طبیعت اب کیسی ہے ؟

بخار ابھی تک ٹوٹتا نہیں ۔ سلمیٰ خاتون نے پژمردہ سے لہجے میں کہا ۔ ڈاکٹر صبح شام آتا ہے ۔ دوا دیتا ہے ۔ روزانہ ایک دو ٹیکے بھی لگا رہا ہے ۔ لیکن بخار ہلکا نہیں ہو رہا ۔ دعا کرو بہن خدا اسے شفا دے ۔

آمین ۔ فضیلت نے بڑے خلوص سے کہا اور پھر اصل مدعا زبان پر لائی ۔

بہن ۔ تنویر نے آج میرے اصرار پر دو ماہ کی رخصت کی درخواست بھیج دی ہے ۔ وہ تو واپس جانے کے لئے بڑا بے چین تھا ۔ لیکن میں نے اسے روک لیا ۔ تمہارے بھائی جان سے میں نے کل مشورہ کیا تھا بہن ۔ انہیں تو گھر کے کام میں زبان کھولنے کی عادت ہی نہیں ۔ بس دفتر ہے یا سارا سارا دن ان کا کمرہ اور ریڈیو ۔ کل جب یہاں شہزاد بیٹے کی خبر لے کر وہ واپس گئے ہیں تو تنویر بیٹا اس وقت بازار گیا ہوا تھا ۔ میں نے موقع خالی دیکھ کر ان سے بات کی تھی ! تنویر اب آیا ہوا ہے ۔ اگر مناسب سمجھیں تو سجیلہ کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیں ۔

سلمیٰ خاتون دلچسپ نگاہوں سے فضیلت کی جانب دیکھنے لگیں ۔

ہاں بہن جی ۔ دور دیس کا معاملہ ہے ۔ کراچی یہاں سے نزدیک تو نہیں ۔ روز روز کون آ سکتا ہے اور پھر تنویر بیٹے کا اب کون ہے جو ہم سے آ کر پوچھے گا ۔

ہاں بہن ۔ یہ تو ٹھیک کہتی ہے ۔ سلمیٰ خاتون نے ٹھنڈی سانس لے کر جواب دیا ۔

اس لئے بہن جی ۔ میں نے مناسب سمجھا کہ تمہارے بھائی جان سے بات کر لوں ۔

پھر کیا جواب دیا بھائی جان نے۔

انہوں نے کیا کہنا تھا بہن جی۔ مجھے کہنے لگے کہ جیسے تمہاری مرضی ہو کرلیں۔

سلمیٰ خاتون مسکرا کر نفیسہ کی جانب دیکھنے لگیں۔

یہ سچ کہتی بہن۔ بھائی جان تو واقعی سادھو بن گئے ہیں۔

اب میں سوچ رہی ہوں بہن کہ میں تنویر بیٹے سے کیسے بات کروں۔ گو وہ میرے بھائی کی اولاد ہے۔ بچپن سے سمیعہ سے منسوب ہے۔ لیکن اس کے باوجود بہن جی۔ دل نہیں چاہتا کہ اپنی زبان سے اسے کہوں کہ میری بیٹی کے ساتھ شادی کرلے۔

تم اپنی زبان سے کیسے کہہ سکتی ہو بہن۔ کوئی ماں بھی ایسا نہیں کہہ سکتی۔ آخر شرم اور آن بھی تو کوئی چیز ہوتی ہے۔

یہی تو سوچ رہی ہوں بہن جی۔ اسی شرم نے تو زبان بند کر رکھی ہے۔ میرا تو خیال ہے بہن جی کہ آپ اسے اس معاملہ کے متعلق سمجھائیں اور اس سے بات کریں۔

سلمیٰ خاتون چند لمحے سوچتی رہیں اور پھر کہنے لگیں۔

کیا حرج ہے بہن۔ ابھی تھوڑی دیر کے بعد عارف بیٹا آ جائے گا تو میں تنویر کو یہاں بلا لوں گی اور پھر باتوں ہی باتوں میں اس سے دریافت کرلوں گی۔

خدا آپ کا بھلا کرے بہن جی۔ تو میں چاہتی ہوں۔ میں تو چاہتی ہوں بہن کہ جلد از جلد ان دونوں بہنوں کو اپنے ہاتھوں رخصت کردوں۔ زندگی کا کیا بھروسہ۔ آج مرے

کل دوسرا دن۔ اگر تنویر بیٹا راضی ہو جاتے ہیں تو آپ بھی قیوم بھائی سے ذکر کریں۔ دونوں بہنوں کی ڈولی ایک ہی دن وداع کر دوں گی۔

اچھا بہن۔ میں ان سے بھی ذکر کروں گی۔ آجکل تو وہ شہزاد کی بیماری کی وجہ سے بڑے پریشان ہیں۔ ہر وقت اسی کے کمرے میں بیٹھے رہتے ہیں۔ پہلے تو کبھی بچوں میں بیٹھ کر ہنس لیا کرتے تھے لیکن آج کل تو شہزاد بیٹے ہی کے پاس کرسی پر بیٹھے رہتے ہیں۔

خدا شہزاد بیٹے کو جلد شفا دے بہن۔ میں ہر سانس کے ساتھ اس کی صحت کے لئے دعا مانگتی ہوں۔

فضیلت نے بڑی عقیدت سے کہا اور چلتے ہوئے شہزاد کے پاس بیٹھ کر اپنے گھر روانہ ہو گئیں۔

اور جب سب چلے گئے تو پر سلمیٰ خاتون نے بڑے ہی ہمدردانہ لہجے میں تنویر کی مصیبتوں کا ذکر کیا۔ اس کے ساتھ اپنی دلی ہمدردی کا اظہار کیا اور اس کے دکھوں پر آنسو بہاتے تو تنویر کو اپنی ماں اور بہن کی یاد بے چین کرنے لگی اور جب سلمیٰ خاتون نے فضیلت کے دل کی خواہش اپنی جانب سے اپنے الفاظ میں بیان کی تو تنویر کے آنسو بہنے لگے اور وہ بھرائی ہوئی آواز میں کہنے لگا۔

خالہ جان۔ اب میرا اس دنیا میں کون ہے۔ ایک ماں اور بہن کا سہارا تھا۔ وہ بھی قدرت نے چھین لیا۔ آپ ہی لوگ اب میرے بزرگ ہیں۔ جو مناسب خیال

فرمائیں کر دیں۔ مجھے کوئی انکار نہیں۔

بیٹا۔ سلمیٰ خاتون نے آنسو خشک کرتے ہوئے کہا۔

دنیا اسی کا نام ہے بیٹا۔ بعض گھرانے ایسے ہیں کہ ان کے رشتے داروں اور برادری کا سلسلہ ہی ختم نہیں ہوتا۔ ماموں، چچا، خالہ، بہن، بھائی سب ہی ہوتے ہیں، اور بعض ایسے بھی بد نصیب ہیں کہ ان کے اگر ایک دو عزیز ہوتے بھی ہیں تو قدرت ان سے چھین لیتی ہے۔ میرے پاس بھی ایک ایسی ہی لڑکی تھی بیٹا۔ بڑی خوبصورت۔ نوجوان۔ سلیقہ شعار۔ عقلمند، سلجھی ہوئی اور بلند کردار کی بیٹی تھی وہ۔ وہ بھی تمہاری طرح بالکل بے سہارا تھی۔ تم تو مرد ہو۔ خیر سے نوجوان ہو۔ تعلیم یافتہ ہو۔ جہاں بھی قدم رکھوگے اپنا مقام بنا لوگے لیکن جب اس لڑکی کا خیال آتا ہے۔ تو کلیجہ دہل جاتا ہے بیٹا۔ وہ بے چاری ان پڑھ تھی۔ یہاں میرے ہی گھر میں چھ سات ماہ کے عرصہ میں اس نے دو چار کتابیں پڑھی تھیں۔ اتنی خوبصورت کہ خود معصومیت اس پہ قربان ہو جائے بیٹا۔ لیکن چند روز پہلے خدا جانے وہ کہاں چلی گئی۔ میں سوچتی ہوں کہ وہ کہاں ہوگی۔ کیا کر رہی گی۔ بے سہاروں کا اللہ سہارا ہوتا ہے۔ بیٹا۔ وہ بھی تو کہیں زندگی کے دن پورے کر رہی ہوگی۔ اور تمہارے تو عزیز ہیں۔ شفیق پھوپھی ہے۔ اگر اس کی بیٹی کو اپنا لوگے تو برادری کا سلسلہ چل نکلے گا۔ اور پھر ہم بھی تو تمہارے عزیز ہیں۔ تم اپنے آپ کو تنہا کیوں محسوس کر رہے ہو۔ دل چھوٹا نہ کرو۔ اس دنیا میں وہی ہوتا ہے۔ جو کچھ خدا کو منظور ہو۔

امی جان۔ عارف نے چائے کا کپ خالی کر کے تپائی پر رکھتے ہوئے کہا۔

جی بیٹا۔

میرا خیال ہے امی جان کہ آپ تنویر بھائی کی شادی زور دے کر جلدی کروا دیں۔ شادی کے بعد ممکن ہے ان کے درد کا بوجھ کچھ ہلکا ہو سکے۔

ہاں بیٹا۔ میں بھی یہی سوچ رہی ہوں۔ کیوں بیٹا۔ تمہاری رخصت ابھی کتنی باقی ہے۔

ابھی دو چار دن پہلے ہی دو ماہ کی رخصت لی ہے خالہ جان۔ تنویر نے چائے کا گھونٹ پیتے ہوئے کہا۔

وہاں تمہیں کیا تنخواہ ملتی ہے بیٹا۔

چھ سو روپے امی جان۔ تنویر نے چائے کا کپ رکھتے ہوئے جواب دیا۔

کافی ہیں بیٹا۔ چھ سو روپوں میں بڑی آسانی سے میاں بیوی کا گزر ہو جائے گا۔ میں آج ہی نصیبن سے بات کروں گی بیٹا۔

لیکن خالہ جان۔ تنویر نے جھجکتے ہوئے کچھ کہنا چاہا۔

ہاں ہاں کہو بیٹا۔

خالہ جان شادی میں کیسے کر سکتا ہوں۔ یہاں پر میری کوئی واقفیت نہیں۔ کوئی دوست نہیں۔ آخر دو چار آدمی تو میرے ساتھ ہونے چاہیں۔

واہ بھائی۔ عارف نے قہقہہ لگا کر کہا۔

یہ تو کوئی ایسا بڑا مسئلہ نہیں۔ اگر آپ کہیں گے تو پورے شہر کو بارات میں شامل کر دوں گا۔ ہم ہوں گے آپ کے ساتھ۔ اور امی جان۔ میں تو یہی مشورہ دوں گا کہ تنویر بھائی کی بارات ہمارے ہاں سے ہی جائے اور دلہن اسی گھر میں آئے۔

ٹھیک ہے بیٹا۔ انشاءاللہ ایسا ہی ہو گا۔ میں تمہارے ابو جان سے مشورہ کر دوں گی۔ اب ہم لوگ ہی انشاءاللہ اس کی شادی کی تاریخ مقرر کریں گے اور ہم لوگ ہی بارات لے کر ان کے ہاں جائیں گے۔ کیوں بیٹا تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں۔

اعتراض کیسا خالہ جان۔ بلکہ مجھے تو خوشی ہے کہ مجھے اپنے غمخوار، ہمدرد اور عزیز مل گئے۔ یہ حقیقت ہے خالہ جان کہ آپ کی گفتگو سے مجھے ایسے محسوس ہو رہا ہے جیسے اس دنیا میں تنہا نہیں ہوں۔ میرے اپنے بھی ہیں۔

سلمیٰ خاتون نے بڑی شفقت سے تنویر کے سر پہ ہاتھ پھیرا اور پھر شہزاد بیٹے کے کمرے کی جانب قدم بڑھانے لگی۔

آج اتوار کی محفل سلمیٰ خاتون کے کمرہ کی بجائے شہزاد کے کمرے میں جمی تھی۔

شہزاد کا بخار بدستور تھا۔ بلکہ ابتدائی دنوں سے اب اس میں تیزی آگئی تھی۔ ڈاکٹر جاوید ہر روز صبح، دوپہر اور شام کے وقت آتا۔ دو تین مرتبہ وہ اپنے مختلف ڈاکٹر دوستوں کو بھی اپنے ہمراہ لا چکا تھا اور انہوں نے معائنہ کرنے کے بعد جاوید کی تشخیص کو صحیح قرار دیا تھا۔ شہزاد کے پلنگ کے قریب ایک چھوٹی میز پر مختلف

رنگ کی گولیوں کی ایک شیشی پڑی تھی۔ اس کے قریب ہی دوسری شیشی میں مکسچر تھا۔ ایک چھوٹی سی شیشی میں کیپسول تھے اور ایک بوتل میں شربت قسم کا ٹانک رکھا ہوا تھا۔ قریب ہی تھرمامیٹر پڑا تھا۔ ہر تین گھنٹے کے بعد ٹمپریچر لیا جاتا اور دن بھر کی رپورٹ ڈاکٹر دیکھ کر دوا تجویز کرتا تھا۔

صبح سے قیوم صاحب، سلمیٰ خاتون، عارف اور شاہدہ قریب ہی کرسیوں پر بیٹھے سرگوشیوں میں گفتگو کر رہے تھے۔ آج ان کی گفتگو میں نہ پہلے جیسا جوش تھا اور نہ اشتیاق یہ سب ایسے دکھائی دیتے تھے جیسے کسی نے باندھ کر انہیں یہاں بٹھا دیا ہو۔ عارف کے قہقہے اور شاہدہ کی مسکراہٹیں مر چکی تھیں۔ گھر کی رونقیں ویرانیوں میں تبدیل ہو گئی تھیں۔

عارف ــــ شہزاد نے بڑی مدھم آواز میں عارف کو بلایا۔

جی بھائی جان۔ عارف جلدی سے شہزاد کی جانب متوجہ ہو گیا۔

شہزاد چند لمحے چھوٹے بھائی کی جانب دیکھتا رہا اور اس کے ہونٹوں پر ایک مردہ سی مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ کہنے لگا۔

عارف۔ تمہارے چہرے پر سنجیدگی کچھ اچھی نہیں دکھائی دیتی۔

عارف مسکرانے لگا اور پھر اپنے بھائی سے کہنے لگا۔

بھائی جان۔ میری سنجیدگی تو بالکل عارضی ہے۔ آپ ٹھیک ہو جائیں گے تو میں اسے دور کہیں لے جا کر دفن کر آؤں گا۔

اسے ابھی دفن کر دو عارف۔ تم صرف ہنستے مسکراتے اچھے دکھائی دیتے ہو۔

بھائی جان ۔ عارف نے اپنا اصل لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا ۔ سادھو مہاراج نے فرمایا تھا کہ وقت سے پہلے اگر کسی چیز کو دفن کیا جاتے تو وہ قبر اور کفن پھاڑ کر نکل آتی ہے ۔ اسی لئے ابھی میں ڈرتا ہوں ۔

قیوم صاحب، شاہدہ اور سلمیٰ خاتون سادھو مہاراج کا حوالہ سن کر مسکرانے لگے ۔ اور سلمیٰ خاتون ایک ٹھنڈی سانس لے کر شہزاد سے کہنے لگیں ۔

بیٹا ، تم جلدی سے تندرست ہو جاؤ ۔ عارف کے قہقہے بھی لوٹ آئیں گے ۔

لوٹ کہاں سے آئیں گے امی جان ۔ عارف نے جلدی سے کہا ۔ میں نے انہیں کہیں بھیجا ہوا تو نہیں ۔ بس اپنے سینے میں قید کر رکھا ہے ۔ بھائی جان کے تندرست ہوتے ہی آزاد کر دوں گا ۔

بھئی تم انہیں ابھی آزاد کر دو ۔ کسی کو قید کرنا اچھا تو نہیں ۔ قیدی جب فرار ہوتے ہیں پھر قابو نہیں آیا کرتے ۔ شہزاد نے ہلکے سے تبسم سے کہا ۔ اس کا ذہن فوراً امارہ کی جانب منتقل ہو گیا ۔ وہ بھی تو اس گھر میں قیدی تھی ۔ جہاں انسان کی آرزوئیں کچل دی جائیں ۔ جہاں انسان اپنے دل کی مرضی پوری نہ کر سکے ۔ جہاں انسان دوسروں کے رحم و کرم پر ہو ۔ وہی تو قید ہوتی ہے ۔ امارہ یقیناً یہاں قید تھی ۔ وہ اپنی مرضی سے پیار نہ کر سکی ۔ وہ اپنی مرضی سے مسکرا نہ سکی ، ——————— وہ اپنی مرضی سے زندگی کی راہیں منتخب نہ کر سکی تو اس کی قید نے اسے بغاوت پر اکسایا ۔ اور وہ اس قید سے فرار ہو گئی ۔ اب وہ واپس تو نہیں آ سکتی ۔ نہیں ۔ کبھی نہیں ۔

شہزاد اپنی سوچ میں اُلجھ گیا۔

بھائی جان آپ کیا سوچ رہے تھے، شاہدہ نے بڑے پیار سے پوچھا۔

میں ۔۔۔ کچھ نہیں شاہدہ۔ شہزاد نے آنکھیں بند کر لیں

قیوم صاحب شہزاد کی جانب دیکھ کر کچھ کہنا ہی چاہتے تھے کہ پردہ اٹھا کر تنویر اندر داخل ہوا۔ اس نے قیوم صاحب اور سلمیٰ خاتون کو بڑے ادب سے سلام کیا۔ عارف سے ہاتھ ملایا اور پھر ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے شہزاد کی جانب دیکھ کر پوچھنے لگا۔

کیسی طبیعت ہے اب بھائی جان کی ؟

اب تو قدرے افاقہ ہے۔ قیوم صاحب نے جلدی سے کہا تاکہ سلمیٰ خاتون عورتوں کی عام عادت کے مطابق مریض کے سرہانے بیٹھ کر اس کے خطرناک مرض کے قصے بیان کرنا نہ شروع کر دیں۔

الحمدللہ۔ خدا کرے جلد آرام آجائے بھائی جان کو۔

چند منٹ اِدھر اُدھر کی گفتگو ہوتی رہی اور شہزاد ان سب افراد کی جانب کروٹ لئے گرفتار رہا۔ کبھی وہ ان کی گفتگو سن کر مسکرا دیتا۔ اور کبھی ان سے بالکل لاتعلق ہو کر اپنے خیالات میں اُلجھ جاتا۔ شہزاد کو اپنی جانب متوجہ دیکھ کر سلمیٰ خاتون نے قیوم صاحب سے کہا۔

میں نے کہا جی۔ تنویر بیٹے کو ہم نے اپنا بیٹا بنا لیا ہے۔ آپ کو

کوئی اعتراض تو نہیں۔

قیوم صاحب اپنی بیوی کی سادہ لوحی پر مسکرانے لگے اور پھر تنویر کی جانب دیکھ کر اپنی بیوی سے کہنے لگے۔

بھئی تمہیں کیوں اعتراض ہونے لگا مجھے ایک جوان بیٹا مل گیا ہے۔ جوان بیٹوں سے تو انسان کو خوشی حاصل ہوتی ہے۔

جی ہاں خدا اس کی زندگی دراز کرے بڑا نیک بیٹا ہے۔ اس نے بڑے دکھ جھیلے ہیں۔ موت پہ تو انسان صبر کر لیتا ہے۔ لیکن جب زندہ عزیز چھن جائیں تو صبر مشکل ہی سے آتا ہے۔

ہاں۔ عزیز بچھڑ جائیں تو ان کا غم زندگی کا روگ بن جایا کرتا ہے۔ لیکن بیٹا۔ اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں کوئی حکمت پوشیدہ ہوتی ہے۔ بعض اوقات انسان سمجھتا ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے۔ درست نہیں ہو رہا۔ لیکن یہ تو صرف خدا کی ذات جانتی ہے کہ وہ درست ہو رہا ہے یا غلط۔ حالات سے گھبرانا نہیں جانا چاہیئے۔ مردانہ وار دنیا کی مشکلات کا سامنا کرنا ہی جواں مردی ہے۔

جی ہاں خالو جان ——— تنویر نے سر جھکا کر جواب دیا۔

بیٹا۔ تمہاری خالہ نے کل مجھ سے ذکر کیا تھا مجھے خوشی ہے کہ تم نے ہمیں بھی اپنے عزیزوں کی فہرست میں شامل کر لیا۔ ہماری جانب سے انشاء اللہ تمہیں کبھی مایوسی نہیں ہو گی۔

اب تو میرے سب کچھ آپ ہی ہیں جناب۔ آپ کے سایۂ عاطفت میں آنے کے بعد میں ایسے محسوس کر رہا ہوں جیسے مجھے میرے والدین مل گئے ہیں۔

یہ تمہاری سعادت مندی ہے برخوردار کہ تم ہمیں اپنے والدین کی جگہ دے رہے ہو۔ سلمیٰ خاتون۔ قیوم صاحب نے مسکرا کر اپنی بیوی کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

جی۔

بھئی میری یہ بات ہے کہ تنویر بیٹا تو ہمارا ہوا اور رہائش شکور کے ہاں رہے۔ تنویر بیٹا۔ تم آج ہی اپنا سامان یہاں اٹھا لاؤ۔ آج ہی کیوں۔ ابھی لے آؤ بیٹا۔ جاؤ عارف بیٹا۔ تم اپنے بھائی کے ساتھ جاؤ اور اپنی چچی سے کہہ دینا میں اپنے بھائی کو اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں۔

جی بہت اچھا ابو حضور۔ چلیے بھائی جان۔ عارف نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا اور تنویر انتہائی مسرت سے اٹھ کر عارف کے ساتھ باہر چلا گیا۔

میرا خیال ہے جی۔ کہ اب کسی دن شکور بھائی کے ہاں جا کر ان کی شادی کی تاریخ بھی مقرر کر دیں۔ اب تو ماشاء اللہ ایک کی بجائے دو بیٹے ہیں۔ بیاہنے والے۔

ہاں میں بھی یہی سوچ رہا ہوں شہزاد بیٹے کو ذرا آرام آ گیا تو میں کسی دن شکور بھائی کے ہاں ہو آؤں۔

مجھے تو آرام آ ہی جانا ہے گا ابو جان۔ آپ تنویر کے کام میں تاخیر نہ کریں۔ بے چارہ بہت مایوس ہے بے چارہ۔

ہاں بیٹیا۔ مایوسیوں نے بھی تو چاروں طرف سے اس پہ یلغار کر دی ہے۔ ماں اور بہن ہی تو اس کے عزیز تھے۔ ان دونوں میں سے ایک بھی اس کے پاس رہ جاتا تو اپنے دکھ اس کے سامنے بیان کر کے اپنا کلیجہ کا بوجھ ہلکا کر لیتا۔ اب تو سارے دکھ اپنے سینے میں چھپائے پھرتا ہے۔ سلمیٰ خاتون نے ٹھنڈی آہ بھر کر اپنے بیٹے کی جانب دیکھا۔

امی جان۔ تنویر میاں کی شادی آپ کب کر رہی ہیں۔؟

بیٹی۔ یہ تو تمہارے ابو پر منحصر ہے۔ میں تو چاہتی تھی کہ تنویر کے ساتھ ہی شہزاد کی شادی بھی کر دی جاتی۔ ایک ہی مرتبہ دونوں بارات اس گھر میں جائیں اور دونوں بہنوں کو بیاہ کر لے آتیں۔

تمہارا خیال تو بڑا اچھا ہے سلمیٰ خاتون۔ قیوم صاحب نے مسکرا کر اس کی جانب دیکھا۔

تو پھر آپ کیوں نہیں آج ہی رات کو شکور بھائی کے ہاں چلے جاتے۔ نیک کام میں تاخیر کیوں کی جائے۔ وہ بھی اپنی دونوں بیٹیوں کی جانب سے بے فکر ہو جائیں گے۔ اور ہمارے سر سے بھی ایک بوجھ اتر جائے گا۔

جیسے تمہاری مرضی۔ آج ہی رات کو چلا جاؤں گا۔ پیغام بھیج دینا کہ میں اور تم دونوں آرہے ہیں۔

پیغام تو عزیزوں کے ہاں بھیجا جاتا ہے۔ اپنوں کے ہاں پیغام بھیجنے کی کیا

ضرورت ہے۔

بھئی اس لئے کہ وہ اپنے پروگرام منسوخ کر کے ہمارا انتظار کریں۔ ایسا نہ ہو کہ ہم اور تم تو دونوں تاریخ مقرر کرنے کیلئے ان کے ہاں جا کر بیٹھے رہیں اور شکور میاں اپنے کسی ریڈیو پروگرام میں مست سر دھنتے رہ جائیں اور فضیلت بی بی محلہ والوں کی دن بھر کی رپورٹیں سننے سے فرصت نہ پا سکیں۔

شاہدہ اور سلمیٰ خاتون مسکرا نے لگیں اور شاہدہ نے ابو سے کہا۔

ابو جان، چچا جان خدا جانے رات دن ریڈیو کیوں سنتے رہتے ہیں۔ کیا وہ اکتا نہیں جاتے۔ دن رات گانے، ڈرامے، تقریریں، خبریں، ہر پروگرام سنتے ہیں جب بھی جاؤ۔ چچا جان کے کمرے سے ریڈیو کی آواز آ رہی ہوتی ہے اور چچا جان کبھی صوفے پر بیٹھے، کبھی پلنگ پر دراز بڑے غور سے سن رہے ہوتے ہیں۔

بیٹی! جب انسان کو اپنے گھر میں سکون میسر نہ ہو۔ جب بیوی اسے اپنے معیار کے مطابق نہ ملے اور جب میاں بیوی کے خیالات میں اختلاف ہو تو انسان زندگی گزارنے کے لئے دوسرے سہارے تلاش کیا کرتا ہے۔ سکون حاصل کرنے کے لئے دوسرے ذرائع اختیار کرتا ہے۔ یہی حالت تمہارے چچا کی ہے کہ اسے اپنی بیوی سے بیاہ ہی کے روز سے اختلاف رہا ہے۔ چند روز ان کی شادی کی نئی نئی گاڑی چلتی رہی اور شکور میاں ذہنی طور پر اپنی بیوی سے علیحدہ ہو گئے۔ شراب وہ نہیں پیتے تھے۔ عیاش وہ نہیں تھے۔ اور کوئی خرابی ان میں نہیں تھی۔ لہٰذا انہوں نے ذہن کا سکون حاصل کرنے

سکے لیے اپنے ہی گھر میں ایک بڑا سستا طریقہ دریافت کر لیا۔ وہ ریڈیو سننے لگے۔ بیوی کی بک بک سے انہیں ریڈیو کے گانے پسند آنے لگے۔ اور اب تو ان کا یہ شوق جنون کی حد تک پہنچ گیا ہے۔ بلکہ میں تو کہوں گا کہ انہیں ریڈیو سننے کا خبط ہو گیا ہے۔ اور ایک مرتبہ تو بیٹی، شکور میاں کے اسی خبط نے ایک دلچسپ لطیفے کو جنم دیا تھا۔

کیسا لطیفہ ابو جان۔ شاہدہ نے جلدی سے پوچھا اور شہزاد بھی آنکھیں کھول کر قیوم صاحب کی جانب دیکھنے لگا۔ قیوم صاحب نے جب دیکھا کہ ان کے بیٹے کا دل بھی بہل رہا ہے تو وہ مسکرانے لگے۔

کیوں سلمیٰ، تمہیں یاد ہے وہ واقعہ۔ آج سے دس گیارہ برس پہلے جب شکور میاں صرف اوورسیئر تھے۔ ایس ڈی او بھی نہیں بنے تھے۔

جی مجھے تو یاد نہیں آ رہا۔

اس وقت بیٹی، تمہارے چچا کسی ہیڈ ورکس پہ اوورسیئر تھے۔

اوہ۔ مجھے یاد آ گیا۔ سلمیٰ خاتون اپنی آنکھوں میں ماضی کی پرچھائیں لہراتی ہوئی مسکرانے لگیں۔

ہاں ہیڈ ورکس کے نام سے تمہیں یاد آ گیا ہوگا۔ خیر، محکمہ نہر میں ہیڈ ورکس کے اوورسیئر کی ڈیوٹی بڑی سخت ہوتی ہے بیٹی۔ ہیڈ سے اکثر نہریں نکل کر ملک کے وسیع حصے کو سیراب کرتی ہیں۔ اگر ہیڈ میں نقص پیدا ہو جائے۔ نہروں میں پانی نہ چھوڑا جائے یا ضرورت سے زیادہ چھوڑ دیا جائے تو تم اندازہ لگا سکتی ہو کہ ملک کے کتنے

بڑے حصے کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہو سکتا ہے۔ فصلوں کو اگر بروقت پانی نہ دیا جائے تو قحط کا اندیشہ ہو سکتا ہے۔ اناج مہنگا ہو جائے گا اور لوگ فاقے کرنے پہ مجبور ہو جائیں گے۔ ہیڈ ورکس کے اوورسیئر کی ڈیوٹی ہوتی ہے کہ وہ ہیڈ کو نقصان نہ پہنچنے دے۔ سیلاب کے دنوں میں تو بعض اوقات اوورسیئر کے علاوہ ایس ڈی او، مہتمم بلکہ محکمہ نہر کے سب ہی بڑے بڑے آفیسر جمع ہو جاتے ہیں اور ان سب انجینئروں کی کوشش ہوتی ہے کہ عارضی طور پہ خواہ کتنا بھی نقصان ہو جائے۔ لیکن ہیڈ اور نہریں محفوظ رہیں تاکہ ملک کا ایک طویل حصہ آبپاشی کے ذرائع سے محروم نہ ہو سکے۔

تو بیٹی ——— قیوم صاحب نے شاہدہ کی جانب دیکھ کر کہا۔

شکور میاں کی ڈیوٹی بھی ایک ہیڈ ورکس پہ تھی۔ گرمیوں کا موسم تھا اور موسم گرما کی برسات اپنے جوبن پہ تھی۔ میدانوں میں تو غیر معمولی بارش ہو رہی تھی لیکن اوپر پہاڑوں پہ ہر روز بارش ہوتی اور ان بارشوں کے پانی نے دریا میں سیلاب کی صورت پیدا کر دی۔ ان دنوں میں اسی سرکل میں سپرنٹنڈنگ انجینئر کے فرائض سرانجام دے رہا تھا جب مجھے پتہ چلا کہ دریا میں زبردست سیلاب آیا ہوا ہے اور ابھی تک پہاڑوں پہ بارشوں کا زور ہے تو میں اپنا کیمپ ہیڈ ورکس پہ ہی لے گیا۔

میرے ساتھ مہتمم صاحب بھی تھے۔ ایس ڈی او بھی تھے اور یہی شکور میاں اوورسیئر تو خیر وہیں موجود تھے۔ ہم سب دن رات کوشش کرتے رہے کہ سیلاب کے پانی سے ہیڈ کو نقصان نہ پہنچے۔ اس کے لئے میں نے اپنے سارے ماتحت عملہ کے ذمے

مختلف فرائض سپرد کر دیئے۔ نہ کوئی دن کے وقت آرام کر سکتا تھا اور نہ رات کے وقت میں بذاتِ خود چوبیس گھنٹے ہیڈ ورکس پہ رہتا اور مختلف ہدایات دیتا رہتا۔

بڑی سخت ڈیوٹی تھی ابو جان۔ بشاہدہ نے حیرت سے کہا۔

ہاں بیٹی۔ بعض اوقات انسان کو اپنے فرائض کی خاطر اپنی نیند اور اپنا آرام سب کچھ قربان کرنا پڑتا ہے۔ ہم سب بھی اپنی اپنی نیندیں قربان کر رہے تھے۔ وہیں کھڑے کھڑے کھانا کھا لیتے اور پھر ہیڈ کی نگرانی میں مصروف ہو جاتے۔ آج میں سوچتا ہوں تو احساس ہوتا ہے کہ اگر ہم اس وقت معمولی سی بھی غفلت کر جاتے تو ممکن ہے سیلاب کا پانی ہیڈ ورکس کو بہا کر اپنے ساتھ لے جاتا۔ بہر حال خدا کا شکر ہے کہ اس نے ہماری محنت رائیگاں نہیں جانے دی اور ہیڈ بچ گیا۔

وہ چچا جان کا لطیفہ تو رہ ہی گیا ابو جان۔

وہی تو سنا رہا ہوں بیٹی۔ شام سے تھوڑی دیر پہلے ہمیں اطلاع ملی کہ سیلاب کا ایک زبردست ریلا ہیڈ کی جانب بڑھتا چلا آرہا ہے۔ ہم نے فاصلہ کا اندازہ لگایا۔ اور پانی کی رفتار دیکھی تو ہمیں پتہ چلا کہ رات کے آٹھ اور نو بجے کے درمیان وہ ریلا اس ہیڈ تک پہنچ جائے گا۔ اس سے ہیڈ کو محفوظ رکھنے کے لئے میں نے مختلف تدابیر اختیار کیں۔ عملے کو مختلف جگہوں پہ تعینات کر دیا گیا۔ سارے افسر اور مزدور اپنے اپنے اوزار لے کر اس کا انتظار کرنے لگے۔ ہمارا خیال تھا کہ اگر پانی کا زور ہیڈ پر زیادہ پڑا تو ہم دریا کا بند دو میل اوپر سے کاٹ دیں گے۔ اس بند کے

قریب جتنے دیہات تھے ان کو آگاہ کر دیا گیا اور وہ لوگ اپنا اپنا سامان لے کر محفوظ جگہوں پر پہنچ گئے۔ جہاں بند کو کاٹنا تھا وہاں میں نے شکور میاں کی ڈیوٹی لگا دی کہ اگر میں ہیڈ کو کوئی خطرہ محسوس کروں گا تو تمہیں اطلاع دے دوں گا۔ تمہارے آدمیوں کو فوراً بند کاٹ دینا چاہیے تاکہ پانی کا زور ہیڈ پر کم ہو جائے۔

خوب پھر کیا ہوا ابو جان۔ شاہدہ نے مسکرا کر پوچھا

رات کے نو بجے بیٹی۔ پانی کا وہ ریلا ہیڈ پر پہنچ گیا اور جب میں نے دیکھا کہ اب بند کاٹنا لازمی ہو گیا ہے۔ اگر بند نہ کاٹا گیا تو ہیڈ گر جائے گا تو میں نے یکے بعد دیگرے چند منٹوں کے وقفہ سے تین آدمی شکور میاں کی جانب بھیجے کہ جتنی جلدی ہو سکے بند کاٹ دیں۔ میرے آدمیوں کو گئے ہوئے نصف گھنٹہ ہو گیا اگر بند کاٹ دیا جاتا تو ہیڈ پر پانی کا دباؤ کم ہو جانا چاہیئے تھا۔ لیکن یہ دباؤ بڑھتا ہی رہا۔ وہاں کسی نے بند نہیں کاٹا تھا۔

کیوں ابو جان ـــــــ شاہدہ نے حیرت سے پوچھا۔

قیوم صاحب مسکرانے لگے اور کہنے لگے یہی تو بتا رہا ہے بیٹی۔ جب مجھے خطرہ کسی طرح ٹلتا نظر نہ آیا اور پانی کا زور ہر لمحہ بڑھتا ہی گیا تو میں نے ایک مہتمم کی ڈیوٹی وہاں لگائی اور خود غصّے میں اور پریشانی کے عالم میں ہیڈ سے قریباً دو میل دور اس جانب بڑھنے لگا جہاں شکور کی ڈیوٹی لگائی تھی۔ بارش ہو رہی تھی ساری راہ کیچڑ سے بھری ہوئی تھی اور قریب ہی میرے قدموں میں

بہنے والا دریا کا پانی کسی اژدہے کی طرح پھنکار رہا تھا۔ رات کا اندھیرا۔ بادلوں کی گرج اور چمک۔ موسلا دھار بارش۔ فرخندہ لگاؤ بیٹی کہ دو میل کا یہ راستہ طے کرنے میں مجھے کتنی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا ہوگا۔ بہرحال بصد وقت میں کسی جگہ پہنچا جہاں کم از کم ڈیڑھ سو آدمی مختلف ٹولیوں میں بند پر خاموش بیٹھے بارش میں بھیگ رہے تھے۔ میرے ہاتھ میں ٹارچ تھی۔ ٹارچ کی روشنی جس پہلے شخص پر پڑی میں نے اسے بڑے غصے سے پوچھا۔

کیا تمہارے پاس ہیڈ سے آدمی نہیں پہنچے؟

پہنچے ہیں جناب۔ تین آدمی آئے ہیں۔

کہاں ہیں وہ — مجھے ان آدمیوں پر غصہ تھا کہ ممکن ہے انہوں نے میرا پیغام نہ دیا ہو اور شکورا ایسی کشش و پنج میں مبتلا ہو کہ بند کاٹے یا نہ کاٹے۔

جناب وہ اوورسیئر صاحب کے پاس ہیں۔

کہاں ہے اوورسیئر۔ میں نے غصے میں دھاڑتے ہوئے پوچھا۔ ایک ایک لمحہ قیمتی تھا اور مجھے خدشہ تھا کہ ہیڈ کو پانی اپنے ساتھ بہا کر نہ لے جائے۔

وہ سامنے ہیں جناب جہاں ہلکی روشنی ہو رہی ہے۔

سامنے ہی ہلکی ہلکی سبز روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ میں لپک کر اس جگہ پہنچا تو دیکھا تین چار آدمی ایک برساتی تانے کھڑے ہیں اور اس کے نیچے شکورمیاں بیٹھے ریڈیو کا پروگرام سن رہے ہیں۔ میں نے جو تین آدمی بھیجے تھے وہ بھی شکورمیاں کے

قریب ہی بیٹھے اسے خوفزدہ نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ میں نے وہاں پہنچتے ہی شکور میاں کے ہاتھ سے ریڈیو چھین لیا۔ اردگرد جمع ہونے والے سب مزدوروں کو حکم دیا کہ فوراً اپنے اپنے اوزار لے کر میرے ساتھ آئیں چند قدم کے فاصلہ پر مناسب جگہ دیکھ کر میں نے انہیں بند میں شگاف ڈالنے کی ہدایات دیں اور جب سارے مزدور موسلا دھار بارش میں بند کاٹنے میں مصروف ہو گئے اور دریا کا پانی ان شگافوں سے بہہ بہہ کر وسیع میدان کو روندنے لگا تو ہیڈ کی جانب سے مجھے قدرے اطمینان ہوا۔ اب میں نے ان تینوں آدمیوں کو تلاش کیا جنہیں پیغام دے کر روانہ کیا تھا۔ وہ میرے قریب ہی کھڑے تھے۔ میں نے ان سے باری باری پوچھا تو انہوں نے میرا پیغام حرف بہ حرف دہرا دیا۔

تو پھر بند کیوں نہیں اتنی دیر تک کاٹا گیا۔

جناب اوورسئیر صاحب ۔ تینوں کہتے کہتے رک گئے۔

بلاؤ اوورسئیر کو۔

شکور اس وقت مزدوروں سے بند کٹوا رہا تھا۔ تینوں بھاگتے ہوئے گئے اور چند لمحوں میں شکور کو اپنے ساتھ لے آئے۔

کیوں شکور۔ تم نے پیغام ملنے کے باوجود بند کاٹنے میں تاخیر کیوں کی۔

بھائی جان۔ وہ ۔۔۔ شکور میرے چہرے کی جانب دیکھنے لگا۔ میں اس وقت بھائی کی حیثیت سے اسے خطاب نہیں کر رہا تھا۔ میں تو ایک ذمہ دار آفیسر کی حیثیت

سے استفسار کر رہا تھا۔ مجھے شکور پر بڑا غصہ آیا۔ میں نے زور سے چیختے ہوئے پوچھا۔

بتاؤ کیا کہنا چاہتے ہو۔؟

بھائی جان۔ وہ پروگرام بس ختم ہی ہونے والا تھا۔ میں نے سوچا ختم ہوتے ہی شگاف کروا دوں گا۔ مجھے اس پہ انتہا سے زیادہ غصہ تھا۔ لیکن میں اس کے خبط کو بھی جانتا تھا۔ اس لئے فیصلہ دوسرے دن صبح پر ملتوی کر کے میں واپس ہیڈ پہ پہنچ گیا۔

اوہ۔ تو چچا جان نے اس انتہائی وقت میں بھی پروگرام کو ادھورا چھوڑنا مناسب سمجھا

شاہدہ نے بڑی حیرت سے قیوم صاحب کی جانب دیکھا۔ قیوم صاحب مسکرانے لگے۔

ہاں بیٹی۔ لیکن یہ تو پوچھو اپنے ابو سے کہ اگلے روز انہوں نے فیصلہ کیا صادر کیا۔ سلمیٰ نے کہا۔

کیا ابو جان۔ شاہدہ پوچھنے لگی۔

بیٹی۔ بند میں شگاف ڈال دینے کی وجہ سے ہیڈ کا خطرہ ٹل گیا تھا۔ دوسرے دن صبح میں نے سارے افسروں اور ماتحت عملہ نیز سب مزدوروں کو ہیڈ پہ اکھٹا کیا۔ اور انہیں رات کے واقعات کی تفصیل بتائی اور اس کے بعد میں نے شکور میاں کا ریڈیو ان کے دفتر سے منگوایا اور اس پورے ہجوم کے سامنے ریڈیو کو دریا کی بپھرتی ہوئی لہروں کے سپرد کر دیا۔

اوہ۔ بے ساختہ شاہدہ کے منہ سے نکلا اور پھر وہ کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔ شہزاد

بھی مسکرا مسکرا کر اپنے ابّو کی جانب دیکھنے لگا۔

بہت اچھا کیا آپ نے ابو جان۔ لیکن چچا جان تو بڑے ناراض ہوتے ہونگے۔

ہاں بیٹی۔ سلمیٰ خاتون کہنے لگیں۔ شکور بھائی کئی دنوں تک تمہارے ابو سے نہیں بولے۔ جب میں نے انہیں نیا ریڈیو منگوا کر دیا تو پھر کہیں ان کا غصہ نرم ہوا۔

چچی جان! شاہدہ نے اپنی چچی فضیلت کے کمرے میں داخل ہو کر آواز دی۔ فضیلت بی بی اور اس کی دونوں بیٹیاں ثمینہ اور سمیلہ بیٹھی رات کا کھانا کھا رہی تھیں۔ شاہدہ کو دیکھ کر تینوں مسکرانے لگیں۔

"آؤ بیٹی آؤ۔ تم تو غالباً بھول کر ادھر آگئی ہو۔ چچی نے مسکراتے ہوئے گلہ کیا۔ کیونکہ شاہدہ اکثر مہینوں ان کے ہاں نہیں

آتی تھی۔ قیوم صاحب نے منع کر رکھا تھا کہ ان کی اولاد فضیلت کی اولاد سے ذرا کم ہی ملا کرے کیونکہ انہیں خدشہ تھا کہ ایسا نہ ہو فضیلت کی تربیت کا اثر ان بھی پڑے اور یہ بچے جن کے دلوں میں انہوں نے اخلاق، ادب، تعظیم اور بلند کردار کی تعلیم کے چراغ روشن کیے ہوئے ہیں۔ اس کی تربیت کے اثر سے آہستہ آہستہ بجھ جائیں۔ قیوم صاحب اگر انہیں منع نہ بھی کرتے۔ تو بھی یہ بچے فضیلت یا اس کی اولاد سے کم ہی میل جول رکھتے کیونکہ ان کے سامنے فضیلت چچی کی تربیت کی ہزاروں بری مثالیں تھیں۔ اس لیے یہ لوگ خود ہی ان کی صحبت سے ہمیشہ پرہیز کرتے۔ اور شاہدہ تو غالباً جب سے امارہ اس کے پاس آئی تھی آج پہلی بار اپنی چچی کے ہاں آئی تھی۔ پہلے وہ امارہ کی دلجوئیوں میں مصروف رہی۔ پھر اسے امارہ کی معصومیت سے پیار ہو گیا اور کالج سے واپس آکر سارا سارا دن اور سونے سے پہلے رات کے سارے لمحات اسی کے اردگرد گھومتی رہتی۔ اور جب امارہ چلی گئی تو شاہدہ کو اپنی اداسیوں ہی سے فرصت نہ مل سکی کہ وہ اپنے کمرے سے نکلتی۔ لہٰذا فضیلت بی بی کا گلہ بجا تھا۔ لیکن شاہدہ مسکرا کر اپنی چچی کو جواب دینے لگی۔

نہیں چچی جان۔ بھول کر تو نہیں آئی۔ دانستہ آئی ہوں۔

آؤ بیٹی۔ تمہارا آنا مبارک ہو۔ روز آؤ۔ ہزار بار آؤ۔ تمہارا ہی تو گھر ہے۔ فضیلت نے اسے اپنے قریب کرسی پر بٹھایا اور سمیلہ سے کہنے لگی۔

سمیلہ بیٹی۔ الماری سے ایک پلیٹ تو نکال دو۔ شاہدہ بیٹی کے لیے۔

نہیں چچی جان۔ میں نے کھانا کھالیا ہے۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی تو ہم سب لوگوں نے کھایا ہے

بیٹی دو لقمے تو کھالو۔

دو لقموں کے لیے پلیٹ نکالنے کی کیا ضرورت ہے چچی جان۔ رہنے دیجئے۔ میں سجیلہ کی پلیٹ ہی سے لقمہ لگالوں گی۔

بیٹی تم تو تکلف کر رہی ہو۔

تکلف کیسا چچی جان۔ اپنے گھروں میں بھی تکلف کیا جاتا ہے کبھی بشاہدہ نے ہاتھ بڑھا کر سجیلہ کی پلیٹ سے لقمہ لگایا اور کھانے لگی۔ ساتھ ہی مسکرا مسکرا کر ان تینوں کی جانب دیکھنے لگی۔

چچی جان۔ ایک بڑے ضروری کام سے حاضر ہوئی ہوں۔

کہو بیٹی۔ کیا کوئی خاص بات ہے۔

ہاں چچی جان۔ خاص نہیں بلکہ خاص الخاص۔

اوہ۔ فضیلت کے علاوہ سجیلہ اور ثمینہ بھی ہنسنے لگیں۔

بھئی اب تو اشتیاق بڑھ گیا ہے بتا ہی دو۔ ثمینہ نے پانی پی کر گلاس میز پر رکھتے ہوئے جواب دیا۔

آپ کو نہیں بتاؤں گی باجی۔ چچی جان ہی سے عرض کروں گی۔ بشاہدہ نے مسکرا کر ثمینہ سے کہا۔

چچی جان۔ ابو حضور اور چچی جان ابھی تھوڑی دیر کے بعد یہاں آ رہے ہیں۔

اوہ ـــــ زہے نصیب۔ آج تو واقعی مجھے مٹھائی تقسیم کرنی چاہیئے بیٹی۔

قیوم بھائی یہاں آ رہے ہیں۔ فضیلت بی بی ان دونوں کی آمد کے مقصد کا اندازہ لگا کر دل ہی دل میں خوش ہونے لگی۔ اس نے جلدی جلدی دو چار مزید نوالے حلق میں اتارے اور بھر پانی کے دو گھونٹ پی کر کھانے سے ہاتھ اٹھا لیا۔ اور شاہدہ سے کہنے لگی۔

بیٹی۔ تم بیٹھو اپنی بہنوں کے پاس۔ میں تمہارے چچا جان کو اطلاع کر دوں گی کہ ان کے بڑے بھائی اور بھاوج تشریف لا رہے ہیں۔

چچا جان کہاں ہیں چچی جان شاہدہ نے فضیلت سے پوچھا۔

بیٹی۔ چچا کا پتہ کیا پوچھتی ہو۔ اس گھر میں جہاں بھی ریڈیو کی آواز سنائی دے سمجھو تمہارے چچا وہیں ہوں گے۔

اوہ ـــــ شاہدہ بلند آواز سے ہنسنے لگی۔ اسے اپنے ابو کا سنایا ہوا لطیفہ یاد آ گیا تھا ـــــ وہ دیر تک ہنستی رہی اور دونوں بہنیں اس کی جانب تعجب بھری نگاہوں سے دیکھتی رہیں۔

کیا بات ہے شاہدہ ـــــ بڑی کھل رہی ہو۔ جمیلہ نے پوچھا۔

بات ہی ایسی ہے جمیلہ چچا جان ریڈیو سن رہے ہیں۔ آج دوپہر اسی ریڈیو کے متعلق چچا جان کا ایک لطیفہ ابو جان نے بڑے مزے سے سنایا تھا۔ وہ

یاد آگیا۔

اباجان کا لطیفہ ـــــ ثمینہ نے شاہدہ سے پوچھا

ہاں باجی ـــــ آج سے دس گیارہ سال پہلے کا عجیب واقعہ۔ اتنا دلچسپ اور اتنا پُر لطف کہ دل چاہتا ہے کہ کسی دن چچا جان کی زبان سے سُنا جائے۔

اوہ۔ تم نہیں بتاؤ گی کیا۔ ثمینہ نے اصرار کیا۔

نہیں باجی۔ میں نہیں بتا سکتی ورنہ میرے ذہن میں اس لطیفے کا جو مزہ پوشیدہ ہے وہ کرکرا ہو جائے گا۔

ادی کہاں چلدی تم۔؟ بجیلہ نے شاہدہ کو کرسی سے اٹھتے دیکھ کر کہا۔

ذرا چچا جان کو سلام کر آؤں۔ ابھی واپس آتی ہوں۔

شاہدہ کمرے سے باہر نکلی تو دو کمرے چھوڑ کر تیسرے کمرے کے بند دروازے سے اسے ریڈیو کی مدہم سروں کی آواز آ رہی تھی۔ وہ سمجھ گئی کہ چچا جان اسی کمرے میں ہوں گے۔ بے ساختہ اسی جانب قدم اٹھنے لگے۔ دروازہ تھوڑا سا کھلا ہوا تھا۔

تسلیم چچا جان ـــ شاہدہ نے اپنے چچا کو بڑے ادب سے سلام کیا۔

اوہ۔ شاہدہ بیٹی۔ شکور صاحب جلدی سے اٹھے اور شاہدہ کو اپنے سینے کے ساتھ لگا کر پیار کرنے لگے۔ شاہدہ ایک مدت بعد ان کے کمرے میں آئی تھی۔ وہ پیار کرتے ہوئے اسے اپنے ساتھ ہی پلنگ پہ لے کر بیٹھ گئے۔

فضیلت بی بی چچا بھتیجی کا پیار دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔

اب ریڈیو بند کیجئے۔ مہمان آ رہے ہیں۔ فضیلت نے کہا۔

مہمان! کون مہمان؟ شکور صاحب نے اپنی بیوی کی جانب دیکھ کر تعجب سے پوچھا اور ان کی بیوی اپنی پیشانی پہ ہاتھ مار کر کہنے لگی۔

ابھی تو بتایا ہے میں نے کہ بھائی جان اور بہن جی آ رہی ہیں

اوہ۔ تو وہ مہمان تو نہیں ہیں بھئی۔ شکور صاحب نے ریڈیو کی آواز قدرے مدھم کر کے کہا۔

ان کا تو یہ اپنا گھر ہے۔ جب جی چاہیں آئیں۔ جہاں دل میں آئے بیٹھیں۔ ان کی آمد سے

ریڈیو بند کرنے کا کیا تعلق ہے۔؟

آپ ریڈیو سنیں گے یا ان کے ساتھ گفتگو کریں گے۔

دونوں ہی کام ہوں گے نیک بخت۔ تم کیوں گھبرا رہی ہو۔ انہوں نے اپنی بیوی کی جانب دیکھ کر بحث کو ختم کر دیا۔ اور پھر ٹائم پیس کی جانب نگاہ اٹھا کر شاہدہ سے پوچھنے لگے۔

سبیتی۔ آٹھ بج کر بیالیس منٹ ہونے ہیں۔ اندازہً بھائی جان اور بھابی جان کب تک یہاں آئیں گے۔

غالباً دس پندرہ منٹ کے اندر اندر آ جائیں گے چچا جان۔ انہوں نے مجھے بھیجا تھا کہ میں آپ کو اطلاع کر دوں۔

دس پندرہ منٹ یعنی تقریباً نو بجے یشکور صاحب نے کچھ سوچتے ہوئے کہا

ہاں چچا جان۔ کیا آپ نے کہیں جانا ہے۔ اگر کوئی مصروفیت ہو تو میں انہیں اطلاع کر دوں۔

نہیں بیٹی۔ کوئی خاص مصروفیت تو نہیں۔ سوا نو بجے ایک فیچر پروگرام ہے بڑا عمدہ ہوتا ہے بیٹی۔ اسی کے متعلق سوچ رہا ہوں۔

مشاہدہ اپنے چچا کا جنون دیکھ کر مسکرانے لگی۔

کیوں چچا جان۔ کیا میں ابو حضور سے کہہ دوں کہ فیچر ختم ہونے کے بعد تشریف لائیں۔ مشاہدہ نے اپنے چچا کی جانب دیکھ کر دریافت کیا لیکن اس کی چچی فوراً ہی کہنے لگی۔

نہ بیٹی۔ ان کے پروگرام تو ایسے ہی ہوتے ہیں۔ فیچر ختم ہوگا تو راگ شروع ہو جائیں گے۔ راگ ختم ہوں گے تو غزلیں شروع ہو جائیں گی۔ پھر قوالیاں۔ خدا جانے یہ ریڈیو کس نے ایجاد کیا تھا۔ اگر میرے اختیار میں ہو تو میں دنیا بھر کے ریڈیو چولہے میں پھونک دوں

چولہے میں یہ لوہے کی تاریں کیا جلیں گی نیک بخت۔ ایسا کرو کہ عورتوں کا ایک جلوس نکالو۔ محلے بھر کی عورتیں تو تمہاری ایک آواز پر اکٹھی ہو جائیں گی۔ اس جلوس کی رہنمائی تم خود کرو۔ اور شہر کے سارے بازاروں میں نعرے لگاؤ کہ ریڈیو کی صنعت ختم ہونی چاہیے۔ ریڈیو کا محکمہ بند کیا جائے۔ کہ اسلام زندہ باد ریڈیو

کے نعکارہ مُردہ باد۔

ارے بھئی یہ کیا زندہ باد، مُردہ باد ہو رہا ہے قیوم صاحب نے کمرے میں قدم رکھتے ہوئے ہنس کر پوچھا۔ ان کے پیچھے سلمیٰ خاتون مسکراتی ہوئی آ رہی تھیں۔ شکور صاحب جلدی سے اُٹھے اور بڑی تعظیم سے اپنے بھائی اور بھاوج کا استقبال کر کے انہیں صوفہ پر بٹھانے کے بعد کہنے لگے۔

کچھ نہیں بھائی جان۔ یہ نیک بخت ایک جلوس نکالنے کے متعلق مشورہ کر رہی تھیں۔

جلوس ...... سلمیٰ خاتون نے تعجب سے فضیلت کی جانب دیکھ کر پوچھا۔

ہاں بھابی جان۔ آپ جانتی ہیں کہ آزادی کا زمانہ ہے۔ آجکل کی عورتیں مردوں کے دوش بدوش ملک اور قوم کی خدمت کے لئے گھروں سے نکل آئی ہیں۔ جہاں دیکھو، اگر دو لیڈر ہوں گے تو ایک آدھ "لیڈرنی" کی باریک آواز بھی کسی نہ کسی پنڈال یا سٹیج سے سنائی دے گی۔ ان کا خیال ہے اگر دوسری عورتیں لیڈر بن سکتی ہیں تو یہ کیوں نہیں قوم کی رہنمائی فرما سکتیں۔

ماشاء اللہ کیوں نہیں ـــــ قیوم صاحب نے مسکرا کر کہا۔

ہاں تو بھائی جان۔ لیڈر بننے کا آسان ترین نُسخہ یہ ہے کہ جلوس نکال کر کسی کو مردہ باد کہا جائے اور کسی کو زندہ باد۔ بس اخباروں میں نام آ جاتا ہے۔ بلکہ تصویریں چھپ جاتی ہیں۔ بڑے بڑے جہازی سائز کے پوسٹر دیواروں پر اور ڈال

کر دیئے جاتے ہیں۔ ریڈیو پر اعلان ہو جاتا ہے کہ آج فلاں صاحب یا صاحبہ بھی قوم کے لیڈر بن گئے ہیں۔ لیکن بھائی جان محترمہ سوچ رہی ہیں کہ جلوس کس کے خلاف نکالا جائے۔ اور تو ان کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ ریڈیو دکھائی دے دیا۔ اب ان کا خیال ہے کہ ریڈیو، ریڈیو کے موجد۔ ریڈیو کا محکمہ غرضیکہ ریڈیو سے متعلق ہر شخص کے مردہ باد کے نعرے لگائے جائیں۔

خوب۔ یہ تو بڑا ہی نیک کام ہے۔ میں بھی انشاء اللہ ان کے ساتھ اپنی آواز بلند کروں گا۔ قیوم صاحب نے ہنستے ہوئے کہا اور فضیلت بڑے ہی فخریہ انداز میں اپنے شوہر کی جانب دیکھ کر ہنسنے لگی۔

کیوں۔ اب کیوں خاموش ہو گئے آپ۔

قیوم صاحب نے اُٹھ کر ریڈیو بند کر دیا اور مسکرا مسکرا کر شکور صاحب کی جانب دیکھنے لگے۔

ابو جان۔ آپ نے ریڈیو بند کر دیا۔ حالانکہ چچا جان سوا نو بجے ایک فیچر پروگرام سُننا ہے۔

بھئی ہم جو پروگرام اس وقت شروع کر رہے ہیں وہ شکوریاں کے فیچر سے زیادہ ضروری بھی ہے اور دلچسپ بھی۔

فرمائیے بھائی جان۔ شکور صاحب نے مردہ سی آواز میں پوچھا۔

بیٹھ جاؤ بہن۔ تم کیوں کھڑی ہو۔ سلمیٰ خاتون نے اپنے قریب کھڑی فضیلت

سے لکھا اور فضیلت اپنے شوہر کے قریب ایک کرسی پہ بیٹھ گئی۔

شکور میاں ہم تمہارے پاس ہی آئے ہیں۔ قیوم صاحب نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے اپنے چھوٹے بھائی سے کہا۔

جی فرمائیے۔ شکور صاحب اپنے بھائی کی جانب دیکھنے لگے۔

بات یہ ہے بھائی کہ اب خدا کے فضل سے ثمینہ اور جمیلہ جوان ہو گئی ہیں۔ شہزاد بیٹا تو خیر یہیں تھا اب تنویر بھی ایک طویل مدت کے بعد آیا ہے۔ جن حالات میں وہ آیا ہے وہ تو تم جانتے ہی ہو۔ اس وقت بالکل یتیم و تنہا ہے اور تمہاری بھابی نے اسے اپنا بیٹا بنا لیا ہے۔ اگر تم اجازت دو تو جمیلہ بیٹی کی شادی تنویر سے کر دی جائے اور ثمینہ کا عقد شہزاد سے کر کے ان نوجوانوں کے گھر آباد کر دیئے جائیں۔

بھائی جان۔ شکور صاحب نے بغیر کسی توقف کے کہا۔

شہزاد اور تنویر بھی آپ کے بیٹے ہیں۔ ثمینہ اور جمیلہ بھی آپ کی بیٹیاں ہیں۔ ان کے متعلق آپ جو بھی فیصلہ کریں یا جو قدم اٹھائیں مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔

پھر بھی شکور میاں۔ اگر ہم آپس میں مل بیٹھ کر کوئی مناسب تاریخ مقرر کر دیں تو کیا حرج ہے۔

کوئی حرج نہیں بھائی جان۔ جو تاریخ آپ مناسب خیال فرمائیں مقرر کر دیں۔

یہ جنوری کا مہینہ ہے شکور۔ میرا خیال ہے کہ فروری کے آخری ہفتہ میں

یہ شادیاں کر دی جائیں. کیا خیال ہے ؟

درست ہے بھائی جان. ہمارے ہاں تو سب تیاری مکمل ہے. کیوں بھئی ـــ شکور صاحب نے اپنی بیوی کی جانب دیکھ کر پوچھا۔

جی ہاں. خدا کا شکر ہے کہ شبینہ کے ساتھ ساتھ میں نے سجیلہ کا جہیز بھی تیار کر لیا ہے. تاہم جو معمولی کمی باقی ہو گی وہ اس ایک مہینے میں کر دی جائے گی۔

تو بس ٹھیک ہے. فروری کا آخری ہفتہ طے رہا. دن کا فیصلہ کہ کون سی تاریخ ہو یا کون سا دن ہو. بعد میں یہ عورتیں آپس میں طے کریں گی۔

بالکل ٹھیک ہے بھائی جان. شکور صاحب نے اپنے بھائی کو جواب دیا اور ٹائم پیس پر نگاہیں جما دیں. نو بج کر سترہ منٹ ہو چکے تھے. شاہدہ بڑے غور سے اپنے چچا کی بے بسی دیکھ رہی تھی. مسکرا کر کہنے لگی۔

بچچا جان. دو منٹ زائد ہو گئے۔

دو منٹ کیا بات ہے بیٹی. کیا وقت مقرر کر رکھا تھا تم نے. قیوم صاحب نے شاہدہ کی جانب دیکھ کر کہا۔

بھئی ابو جان. ٹھیک سوا نو بجے لیکچر شروع ہونا تھا. اب نو بج کر سترہ منٹ ہو گئے ہیں۔

اوہ ـــ قیوم صاحب مسکرائے اور اٹھتے ہوئے کہنے لگے

آؤ بھئی سلمیٰ خاتون ہم چلیں. شکور میاں کے پروگرام میں اب کیوں خلل اندازی

کریں۔ میں جانتا ہوں ریڈیو ان کی خاص کمزوری ہے۔ فضیلت بی بی نے بڑی کوشش کی کہ وہ لوگ چند منٹ مزید بیٹھ جائیں۔ کم از کم چائے ہی کا ایک ایک کپ پی لیں لیکن قیوم صاحب شکور کی جانب دیکھ کر برابر انکار کرتے رہے۔

نہیں بھئی — اب تم شکور کو پریشان نہ کرو۔ ہمارے بیٹھنے سے اس کا فیچر ختم ہو جائے گا۔

یہ نگوڑے فیچر تو ہر روز ہی ہوتے ہیں۔ آپ تو آج ہی آئے ہیں۔ فضیلت نے ریڈیو کی جانب بڑی نفرت سے اشارہ کرتے ہوئے قیوم صاحب سے کہا لیکن شکور صاحب جلدی سے بول پڑے۔

روز کہاں ہوتے ہیں فیچر ہفتے میں دو دن ہی تو ہوتے ہیں۔

قیوم صاحب کھلکھلا کر ہنس دیئے اور دروازے کی جانب قدم بڑھانے لگے۔ سلمیٰ خاتون اور شاہدہ بھی مسکراتی ہوئی فضیلت کے ساتھ ساتھ باہر نکل گئیں اور ابھی وہ کاریڈور ہی میں پہنچے تھے کہ شکور صاحب نے ریڈیو آن کر دیا۔

دیکھ لیا آپ نے۔ شروع ہو گیا ریڈیو۔ فضیلت نے ریڈیو کی آواز سن کر سلمیٰ خاتون سے کہا۔

ہاں بہن عادت جو ٹھہری اس کا کیا علاج۔؟

اور جب یہ لوگ صحن عبور کر کے درمیانی دیوار کے دروازے کی جانب قدم بڑھانے لگے تو سجیدہ نے دوڑ کر ان کی راہ روک لی۔

چچی جان ۔ میں نے چائے بنائی ہے آپ کے لیے۔

سلمیٰ خاتون کو سجیلہ کی عادات بڑی پسند تھیں ۔ اس میں نہ اپنی ماں کی طرح کسی کی چغلی کھانے کی اور نہ اپنی بڑی بہن کی طرح تکبر اور غرور تھا ۔ اپنے گھریلو معاملات میں وہ بہت کم دخل دیتی اور یہی ادا سلمیٰ خاتون کو پسند تھی ۔ جب اس نے راہ روک لی تو سلمیٰ خاتون اُسے سینے سے لگا کر پیار کرنے لگیں اور اپنے خاوند کی جانب دیکھ کر کہنے لگیں ۔

یہ آپ کی بیٹی کیا کہہ رہی ہے جی ۔ ؟

کیا کہہ رہی ہے ۔ قیوم صاحب نے مڑ کر سجیلہ کی جانب دیکھا اور مسکرانے لگے ۔

چچا جان ۔ میں نے چائے تیار کی ہے آپ کے لیے ۔

اوہ ۔ بیٹی یہ تکلف کیوں کیا تم نے ۔ آؤ بھئی اب تو پینی ہی پڑے گی ۔

قیوم صاحب ہنستے ہوئے واپس ہوئے اور سجیلہ کی رہنمائی میں فضیلت کے کمرے کی جانب قدم اُٹھانے لگے ۔ جہاں ایک چھوٹی میز پر تمنیہ برتن لگا رہی تھی ۔ اور جب سجیلہ نے جلدی جلدی ہر ایک کو ایک ایک کپ چائے کا پیش کیا تو قیوم صاحب مسکرا کر سجیلہ سے کہنے لگے ۔

بیٹی ۔ ایک کپ اپنے ابا جان کو بھی دے آؤ ۔ وہ تو یہاں آ نہیں سکتے ۔ فیچر سن رہے ہوں گے

ہاں بھائی جان ۔ جب تک فیچر ختم نہیں ہو جائے گا وہ اپنے کمرے سے

باہر قدم نہیں رکھیں گے۔ فضیلت نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔ جاؤ بیٹی! ایک کپ دہیں دے آؤ۔

شاہدہ کو ریڈیو کا لطیفہ یاد آگیا اور وہ اکیلی مُسکرانے لگی۔

کیوں بیٹی۔ تم اکیلی مُسکرا رہی ہو — فضیلت نے بڑے پیار سے پوچھا۔

چچی جان۔ آج ابا حضور نے اسی ریڈیو کا ایک لطیفہ سُنایا تھا۔

کیسا لطیفہ بیٹی؟

آج سے دس گیارہ سال پہلے کا ایک واقعہ چچی جان۔ جب آپ لوگ کسی ہیڈ درکس پر تھے۔ چچا جان ان دنوں اورسیئر تھے۔

اوہ۔ وہی تو نہیں جب سیلاب آیا ہوا تھا۔ فضیلت نے کچھ یاد کرتے ہوئے سلمیٰ خاتون کی جانب دیکھا۔

ہاں بہن وہی — سلمیٰ خاتون اور قیوم صاحب مُسکرانے لگے اور فضیلت ہنسنے لگی۔

کیا بتاؤں بھائی جان۔ اس ریڈیو نے تو ناک میں دَم کر رکھا ہے۔ گھر میں کوئی جیے مرے۔ فاقے کرے۔ روئے یا ہنسے۔ انہیں اپنے ریڈیو سے فرصت نہیں ملتی۔ میں حیران ہوں کہ دفتر میں یہ ڈیوٹی کیسے دیتے ہیں۔ دورے پر تو خیر ریڈیو ان کے ساتھ رہتا ہے۔ لیکن دفتر کے اوقات میں یہ کیسے صبر کرتے ہوں گے۔

کوئی انتظام کر رکھا ہوگا۔ قیوم صاحب نے آہستہ سے کہا۔

یقیناً بھائی جان۔ اس ریڈیو نے واقعی انہیں دنیا کے سارے کاروبار سے

علیحدہ کر دیا ہے۔ بعض اوقات تو دل چاہتا ہے کہ سارے شہر کے ریڈیو ے کر کسی کنوئیں میں پھینک دوں۔

منزو۔۔۔۔ لیکن ایک کام کرنا جس کنوئیں میں ریڈیو پھینکو گی۔ اس کنوئیں پر ڈیوٹی شکور میاں کی لگا دینا۔

قیوم صاحب کھلکھلا کر ہنسنے لگے اور پھر چائے کا کپ رکھ کر کرسی سے اُٹھ گئے۔

لو بھئی۔ تم لوگوں نے اگر بیٹھنا ہو تو چند منٹ بیٹھو۔ میں تو اب جا رہا ہوں۔ شہزاد بیٹے کے پاس چند منٹ بیٹھوں گا۔

اب کیسی طبیعت ہے شہزاد بیٹے کی ۔۔۔ فضیلت نے جلدی سے پوچھا۔ قیوم صاحب تو باہر نکل گئے۔ اور سلمیٰ خاتون جواب دینے لگیں۔

کیا بتاؤں بہن ۔۔۔ بخار کبھی کم ہو جاتا ہے کبھی تیز۔ ابھی تک بالکل ختم نہیں ہوا۔ دعا کرو خدا اسے جلد صحت یاب کرے۔

آمین۔ فضیلت نے بڑے خلوص سے کہا اور سلمیٰ خاتون کے کپ میں مزید چائے انڈیلنے لگی۔

نہ بہن ایک ہی کپ کافی ہے۔ اگر زیادہ پی لی تو ساری رات نیند نہیں آئے گی۔ سلمیٰ خاتون نے ہاتھ کے اشارے سے منع کر دیا اور پھر چند منٹ اِدھر اُدھر کی گفتگو کرنے کے بعد شاہدہ کے ساتھ اپنے گھر روانہ ہو گئیں۔

کالج سے واپس آتے ہی عارف نے کتابیں اپنے کمرے میں میز پر پھینک دیں اور اپنے بڑے بھائی شہزاد کے کمرے میں پہنچ گیا۔ اسے گذشتہ چند دنوں سے شہزاد کی بڑی فکر تھی۔ اس کی طویل بیماری نے اُسے پریشان کر دیا تھا۔ وہ خود کئی بار علیحدگی میں ڈاکٹر جاوید سے مل چکا تھا۔ اور ڈاکٹر جاوید نے اسے بتایا کہ کہ شہزاد کا بخار محض کسی اندرونی غم اور فکر کی وجہ سے ہے۔ اور گذشتہ چند

دنوں سے عارف سوچ رہا تھا کہ بھائی جان کو کیا غم ہے۔ کیا انہوں نے امارہ کے یوں چلے جانے کا غم اپنے سینے سے لگا لیا ہے۔ کیا انہیں ثمینہ کی عادات کا غم ہے۔ تو اس کا اظہار کیوں نہیں کرتے تاکہ اس کا تدارک کیا جا سکے۔ اس نے تنہائی میں بارہا اپنے بھائی جان سے ضد کی تھی۔ لیکن ہر بار شہزاد اپنے اس بھائی کو جواب دینے کی بجائے مسکرا دیا تھا۔

اور آج

کالج سے واپسی کے وقت حسبِ عادت جب عارف ڈاکٹر جاوید سے ملا تو ڈاکٹر جاوید نے بڑے واضح الفاظ میں کہہ دیا تھا۔

عارف بھائی —— میں اپنے دوست کا علاج بڑی توجہ سے کر رہا ہوں۔ لیکن ڈاکٹر اس وقت تک کیا کر سکتا ہے جب تک مریض ہی تندرست نہ ہونا چاہتا ہو۔

کیا مطلب۔ عارف نے حیرت سے دیکھ کر سوال کیا تھا۔

شہزاد خود ہی تندرست نہیں ہونا چاہتا عارف۔ اس نے اپنے سینے میں غم پال رکھے ہیں۔ میری دوائیں اس وقت تک اثر نہیں کر سکتیں جب تک شہزاد اپنے سینے کو غموں کے اس ہجوم سے پاک نہیں کرے گا۔ اگر یہی حالت رہی تو مجھے اندیشہ ہے کہ اسے ٹی بی نہ ہو جائے۔

عارف خاموش نگاہوں سے بڑی دیر تک اسے دیکھتا رہا تھا اور پھر زبان

سے کوئی لفظ نکالے بغیر اٹھا اور گھر کی جانب جلد جلد قدم اٹھانے لگا۔ اس نے آج تہیہ کر لیا تھا کہ وہ اپنے بھائی جان سے ان کے دکھ معلوم کر کے رہے گا۔ اور ہر حالت میں ان دکھوں کا مداوا کرے گا۔ اسی لئے وہ جلد جلد اپنے کمرے میں کتابیں پھینک کر لباس تبدیل کئے بغیر شہزاد کے کمرے میں پہنچ گیا۔

لیکن شہزاد بخار کی مدہوشی میں آنکھیں بند کئے سو رہا تھا۔

اور قیوم صاحب اپنے چہرے پر پریشانیاں لئے سر جھکائے بیٹھے تھے۔

عارف کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر قیوم صاحب نے اپنا جھکا ہوا سر اٹھایا اور اسے اشارے سے اپنے قریب بلا کر کہنے لگے:

بیٹا — تمہارا بھائی سو رہا ہے لیکن میرا اندازہ ہے کہ اس پر بخار کی مدہوشی طاری ہے۔

ابو جان۔ عارف نے سرگوشی کے انداز میں جواب دیا۔

میں ابھی ابھی ڈاکٹر جاوید سے مل کر آ رہا ہوں۔ اس کا خیال ہے کہ بھائی جان اندر ہی اندر کسی غم کو پال رہے ہیں۔ اور اس نے اندیشہ ظاہر کیا ہے کہ اگر یہی حالت رہی تو بھائی جان کا بخار ٹی بی میں تبدیل ہو جائے گا۔

اوہ۔ قیوم صاحب نے متفکر نگاہوں سے عارف کی جانب دیکھا اور پھر کہنے لگے۔

لیکن شہزاد بیٹے کو کیا غم ہے بیٹا۔ اسے کیا تکلیف ہے۔؟

خدا جانے ابو جان۔ میں بیشتر ازیں بھائی جان سے معلوم کرنے کی کوشش کی تھی۔

لیکن وہ ہر بار ٹال گئے۔ آج انشاءاللہ ضرور دریافت کر کے رہوں گا۔

کوشش کرنا بیٹا، میں تمہاری امی سے بھی پوچھوں گا۔ ممکن ہے اُسے بتا دے۔

ہاں ابو جان۔ ممکن ہے امی جان کے آنسو انہیں متاثر کر سکیں اور ان کے دکھوں کو زبان مل جائے۔

تم یہیں بیٹھو بیٹا۔ کسی قسم کا شور نہیں ہونا چاہیئے تاکہ اس کی آنکھ نہ کھل جائے۔ میں خود ڈاکٹر جاوید سے جا کر ملتا ہوں۔ ممکن ہے وہ مجھے کوئی مفید مشورہ دے سکے۔

بہتر ابو جان۔ عارف نے جواب دیا اور خاموش نگاہوں سے اپنے نیم بے ہوش بھائی کی جانب دیکھنے لگا۔ قیوم صاحب آہستہ سے اُٹھے اور ڈاکٹر جاوید کی جانب روانہ ہو گئے۔ اور عارف تنہا شہزاد کے کمرے میں بیٹھا سوچتا رہا کہ بھائی جان کو کیا غم ہو سکتا ہے۔ انہیں کیسی فکر ہے۔ کیسی پریشانی ہے۔ کیا دُکھ ہے۔ لیکن ہزار بار سوچنے کے باوجود اسے کوئی ایسا دُکھ دکھائی نہ دیا جیسے اس کے بھائی نے اپنے سینے میں چھپا لیا ہو۔

کمرے میں مکمل خاموشی اور سناٹا طاری تھا۔

صرف انگیٹھی پر رکھے ہوئے ٹائم پیس کی ہلکی ٹک ٹک سنائی دے رہی تھی یا شہزاد کی تیز سانسوں کی آواز، ان تیز سانسوں میں کبھی کبھی اس کا خراٹا سنائی دینے لگتا اور پھر خاموشی چھا جاتی۔ باہر سہ پہر کی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی جس کی وجہ سے دروازے میں ٹنگنے والا پردہ ہل رہا تھا۔ دور صحن میں کبھی برتن ٹکرانے کی آواز سنائی دینے لگتی اور کبھی شاہدہ کی سینڈل کی ٹک ٹک سنائی دیتی جو اِدھر اُدھر صحن کے پکے فرش پر پھر رہی تھی۔

ان آوازوں کو بھی بند کرنا چاہیے۔ بھائی جان کو مکمل سکون کی ضرورت ہے۔ عارف

نے دل میں سوچا اور دبے قدموں کمرے سے باہر نکل گیا: تاکہ شاہدہ کو یہ آوازیں بند کرنے کی تاکید کر سکے۔ اور جب وہ اپنی امی اور شاہدہ کو یہ ہدایات دے کر کمرے میں واپس لوٹا تو اس نے دیکھا کہ شہزاد اسی نیم بے ہوشی کی حالت میں بڑبڑا رہا ہے۔ جیسے خواب میں کسی سے باتیں کر رہا ہو۔

عارف بے آواز قدموں سے شاہد کے پلنگ کے قریب پہنچ گیا اور فرش کی دری پر بیٹھ کر اس نے اپنے کان شہزاد کے چہرے کے قریب کر دیئے۔ شہزاد ابھی تک بڑبڑا رہا تھا۔

مجھے۔۔۔ معاف کر دو امارہ۔۔۔ میں تمہارا مجرم۔۔۔ ہوں۔۔۔ تمہارے پیار کی قدر۔۔۔ نہ کر سکا۔۔۔ لیکن۔۔۔ امارہ۔۔۔ عارف۔۔۔ بڑا پیارا بھائی ہے۔۔۔ وہ سارے زمانے کی خوشیاں تمہاری۔۔۔ جھولی میں ڈال دے گا۔۔۔ میں۔۔۔ میں اس کیلئے اپنی زندگی۔۔۔ قربان کر سکتا ہوں۔۔۔ امارہ کیا تم۔۔۔ مجھے بھول کر۔۔۔ عارف کا پیار۔۔۔ قبول نہیں کر سکتیں۔۔۔

بڑبڑاہٹ چند لمحوں کے لئے ختم ہو گئی اور عارف دل ہی دل میں اس پر غور کرنے لگا۔

تم۔۔۔ مجھے بھول جاؤ امارہ۔۔۔ میں ساری زندگی۔۔۔ تڑپ سکتا ہوں لیکن۔۔۔ اپنے بھائی۔۔۔ کی آنکھوں میں۔۔۔ آنسو نہیں دیکھ سکتا۔

اوہ ــــ عارف اس بڑبڑاہٹ کا مطلب سمجھ گیا۔ بے اختیار اس کا ایک ہاتھ

شہزاد کے لحاف سے چھو گیا اور شہزاد کی بڑبڑاہٹ ختم ہو گئی۔ اس نے کروٹ بدلی اور پھر خراٹے لینے لگا۔ عارف اُٹھ کر قریب ہی کرسی پر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا۔

کیا ـــــ کیا بھائی جان امارہ سے پیار کرتے ہیں۔ کیا بھائی جان نے کہیں میرے لئے اپنے پیار کی قربانی تو نہیں دی ـــــ کیا یہ ممکن ہو سکتا ہے ـــ کیا یہی دُکھ تو نہیں ہے بھائی جان نے اپنے سینے میں چھپا لیا ہے ـــ کیا ڈاکٹر جاوید کے اندازے درست تو نہیں کہ شہزاد کی اصل بیماری اس کے غم ہیں ـــ اوہ یقیناً یہی بات ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو امارہ اس گھر سے اتنی خاموشی کے ساتھ کیسے چلی جاتی۔ یقیناً یہی بات ہے۔ بھائی جان اور امارہ آپس میں پیار کرتے ہیں۔ بھائی جان نے میری درخواست کے مطابق امارہ سے کہا ہوگا کہ میں عارف کا دل نہیں توڑ سکتا۔ انہوں نے روگ لگا لینا منظور کر لیا ـــ میرے لئے اپنے پیار کو بھولنے کی کوشش کی ـــ اپنی امارہ کو میرے حوالے کرنا گوارا کر لیا لیکن میری آنکھوں میں آنسو دیکھنا گوارا نہ کر سکے۔ اوہ۔ امارہ اسی لئے یہاں سے چلی گئی ہے۔ وہ بھی بھائی جان سے پیار کرتی ہو گی۔ اس نے اپنے پیار کی قربانی گوارا نہیں کی ـــ وہ ہمیشہ کے لئے یہاں سے چلی گئی ..... ہاں۔ وہ سوچتا رہا۔ اور گزشتہ حالات و واقعات کا جائزہ لیتا رہا۔

وہ اسی رات تو گئی ہے۔ جس رات شاہدہ نے اسے کہا تھا کہ امی جان اور ابو جان نے فیصلہ کیا ہے۔ کہ امارہ کی شادی میرے ساتھ کر دیں گے۔ امی،

دن وہ یہاں سے چلی گئی۔ یہاں رہ کر وہ ابو جان یا امی جان کا حکم کیسے ٹال سکتی تھی۔ اس نے اس گھر کو چھوڑنا قبول کر لیا لیکن اپنے پیار کو سینے سے نکالنا گوارا نہ کر سکی ——— میں . . . . . میں

اس کی آنکھوں میں آنسو اُمڈ آئے اور وہ اپنے بھائی کی جانب دیکھنے لگا جو اس کی جانب پشت کیے کروٹ بدلے خراٹے لے رہا تھا۔

میں بھی کس قدر بیوقوف ہوں۔ مجھے بھائی جان کی خدمت میں درخواست کرنے سے پہلے حالات کا جائزہ لینا چاہیئے تھا ——— اس دن جب بھائی جان نے ہماری گفتگو سنی تھی ——— وہ کتنے پژمردہ تھے۔ ان کے ہونٹوں پر کتنی پھیکی سی مسکراہٹ تھی . . . . مجھے اس مسکراہٹ سے اندازہ لگانا چاہیئے تھا کہ بھائی جان اس شادی سے خوش نہیں ہیں ——— لیکن میں تو اندھا ہو رہا تھا۔ کس قدر خود غرض ہوں میں۔ اس کا دل چاہا کہ وہ چیخ چیخ کر بلند آواز میں رونا شروع کر دے اور اپنے بھائی کے قدموں میں لوٹ کر اس سے معافی مانگ لے لیکن بھائی تو مدہوش تھا۔ نیم بے ہوش تھا۔ وہ اپنی اس عظیم غلطی کی تلافی کے متعلق سوچنے لگا۔

اب ——— اب میں کیا کر سکتا ہوں۔ کمان سے نکلا ہوا یہ تیر اب واپس کیسے آسکتا ہے۔ بھائی جان کو ان دکھوں سے نجات کیسے مل سکتی ہے ——— ہاں ایک راستہ ہے۔ اچانک اس کے ذہن میں اپنے بھائی کو اس جان لیوا بیماری سے بچانے کی تجویز آگئی ——— یہی ایک راستہ ہے۔ ممکن ہے بھائی جان

کسی موہوم امید کے سہارے دوبارہ زندگی کی راہ پر گامزن ہو سکیں۔ دوبارہ زندگی سے پیار کرنا سیکھ لیں۔

وہ اٹھا اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اپنی امی کے قریب جا کر بیٹھ گیا۔

سلمیٰ خاتون اس وقت حسب عادت صحن میں دھوپ میں بیٹھی سبزی کاٹ رہی تھیں اور شاہدہ باورچی خانے میں ملازمہ کے ساتھ کسی کام میں مصروف تھی۔ عارف کو دیکھ کر اس کی امی مسکرانے لگیں۔

کیوں بیٹا۔ جاگ گئے ہیں تمہارے بھائی جان۔

نہیں امی جان۔ ابھی تک وہ سو رہے ہیں۔

تو تم یہاں کیوں آ گئے ہو۔ وہیں بیٹھتے ان کے پاس۔ ممکن ہے اچانک اس کی آنکھ کھل جائے اور اسے کسی چیز کی ضرورت محسوس ہو۔

آپ بھی چلیں وہیں امی جان۔ یہ سبزی وغیرہ شاہدہ کاٹ لے گی۔

چلو بیٹا۔ میں بھی وہیں چلتی ہوں۔ اری شاہدہ بیٹی۔ اٹھا لے یہ سبزی وغیرہ۔ میں شہزاد کے کمرے میں جا رہی ہوں۔ اور ہاں بیٹی۔ چائے تیار ہو جائے تو وہیں لے آنا۔ تمہارے ابو بھی شاید وہیں ہیں۔

نہیں امی جان۔ وہ ڈاکٹر جاوید کے ہاں گئے ہیں۔

ڈاکٹر جاوید کے ہاں کیوں گئے ہیں بیٹا۔ کیا شہزاد بیٹے کی طبیعت زیادہ خراب ہے۔

نہیں امی جان ویسے ہی۔ عارف نے چارپائی سے اٹھ کر جواب دیا اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا دوبارہ شہزاد کے کمرے کی جانب چل دیا۔ شہزاد کی آنکھ کھل گئی تھی۔ وہ عارف کو دیکھ کر زخمی سی مسکراہٹ مسکرانے لگا۔

اب کیسی ہے طبیعت ہے بھائی جان۔

ٹھیک ہے۔ شہزاد نے آہستہ سے جواب دیا اور اپنے خشک ہونٹوں پہ زبان پھیرنے لگا۔

بھائی جان آپ کو پیاس تو محسوس نہیں ہو رہی۔ عارف نے اس کے خشک ہونٹوں کی جانب دیکھ کر پوچھا اور شہزاد نے بڑی ہی مردہ سی آواز میں جواب دیا۔

تھوڑا سا پانی پلا دو عارف۔

عارف جلدی سے اٹھا اور ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق اس نے دودھ میں تھوڑی سی اوولٹین ملا کر کپ شہزاد کے ہونٹوں سے لگا دیا۔ شہزاد نے دو تین گھونٹ پیئے اور پھر سر تکیہ پہ رکھ دیا۔

اب کیسی طبیعت ہے بیٹا۔ سلمیٰ خاتون نے کمرے میں داخل ہو کر پیار بھری نگاہوں سے شہزاد کی جانب دیکھا اور اس کے قریب ہی پلنگ پر بیٹھ گئیں۔

ٹھیک ہوں امی جان۔ اوولٹین پینے سے شہزاد کے جسم میں توانائی آگئی تھی۔ اس نے مسکرا کر اپنی امی کو جواب دیا اور پھر دروازے پہ نگاہیں جما دیں جہاں شاہدہ چائے کی ٹرے اٹھائے آ رہی تھی۔ اور جب شاہدہ چائے رکھ کر

اپنے بھائی کی جانب مُسکرا کر دیکھتی ہوئی باہر چلی گئی تو عارف نے چائے کا گھونٹ پی کر پہلے اپنے بھائی جان کی جانب دیکھا اور پھر امی سے پوچھنے لگا۔

امی جان۔ رات آپ شادی کی تاریخ مقرر کرنے گئے تھے۔

ہاں بیٹا۔ فروری کا آخری ہفتہ مقرر کیا ہے۔ تاریخ یا دن کا فیصلہ بعد میں کر لیا جائے گا۔ اس وقت تک میرے بیٹے کی صحت بحال ہو جائے گی۔ سلمیٰ خاتون نے شہزاد کی جانب دیکھ کر جواب دیا۔

امی جان۔ ایک درخواست کروں آپ سے۔ عارف نے اپنی امی کی جانب دیکھ کر کہا۔

کیا بات ہے بیٹا۔ کیا کہنا چاہتے ہو؟

بشرطیکہ امی جان۔ بھائی جان اجازت دے دیں،

شہزاد عارف کی جانب دیکھ کر مسکرانے لگا۔ عارف نے اپنی کرسی پلنگ سے قریب کر لی اور پھر شہزاد کا ایک ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر اپنی امی سے کہنے لگا۔

امی جان ـــــ آپ ثمینہ کے ساتھ بھائی جان کی شادی نہ کریں۔

کیوں ـــــ؟ سلمیٰ خاتون نے چائے کا کپ تپائی پر رکھتے ہوئے اپنے دونوں بیٹوں کی جانب دیکھا۔ انہیں عارف کی نگاہوں میں شوخی اور شہزاد کی نگاہوں میں حیرت کی جھلکیاں دکھائی دینے لگیں۔

امی جان۔ آپ جانتی ہیں کہ بھائی جان اور ثمینہ کی عادات میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ یہ حلیم الطبع ہیں اور وہ شوخ اور تیز ہے۔ یہ خاموش رہنے کے عادی ہیں اور وہ باتونی ہے۔ یہ انتہائی شریف اور وہ انتہائی بدمزاج۔ اس طرح ان دونوں کی زندگی کیسے بسر ہو گی۔!

سلمیٰ خاتون نے عارف کی جانب بڑے غور سے دیکھا۔ اب انہیں اس کی نگاہوں میں شوخی کی بجائے سنجیدگی کی پرچھائیں لہراتی ہوئی دکھائی دینے لگیں۔

یہ تو تم ٹھیک کہتے ہو بیٹا۔ ان دونوں کی عادات میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ ایک کا رُخ مغرب کی جانب ہے تو دوسرے کا مشرق کی جانب۔ میں تو خود بیٹا کبھی کبھی ان دونوں کے مستقبل پر غور کرتی ہوں تو میرا دل کانپ جاتا ہے۔ اور میں ڈرتی ہوں کہ کہیں شہزاد بے چارے کا بھی وہی حشر نہ ہو جو شکور بھائی کا ہوا ہے۔ ثمینہ کی عادات بالکل اپنی امی جیسی ہیں۔ تمہارے ابو بھی کئی بار دبی زبان میں اپنے خدشات کا اظہار کر چکے ہیں۔

اسی لئے تو میں کہہ رہا ہوں امی جان۔ بھائی جان تو گائے ہیں۔ جہاں والدین باندھ دیں گے یہ خاموشی سے بندھ جائیں گے۔ انہوں نے غالباً تہیہ کر لیا ہے کہ اپنی ساری خوشیاں ہم سب پر قربان کر دیں گے۔ لیکن امی جان یہ تو ہمارا فرض ہے کہ ہم ان کی خوشیوں کا خیال رکھیں کیا سارے دُکھ اور غم انہی کیلئے رہ گئے ہیں۔ ہمارا ان میں کوئی حصہ نہیں۔

یہ تم کیا کہہ رہے ہو بیٹا۔ کیا خدانخواستہ ہمیں شہزاد بیٹے سے دشمنی ہے۔

میرے اختیار میں ہو تو بیٹا میں خود اس چارپائی پر لیٹ جاؤں مجھ سے تو بیٹے کی بیماری دیکھی نہیں جاتی۔ لیکن قدرت کے کاموں میں انسان کیا دخل دے سکتا ہے۔

اگر بھائی جان سے دشمنی نہیں ہے امی جان تو میرا مشورہ یہی ہے کہ ان کی شادی ثمینہ سے نہ کی جائے ورنہ ساری زندگی کا عذاب آپ ان کی جھولی میں ڈال دیں گی۔

لیکن بیٹا۔ اب انکار کیسے کر سکتے ہیں۔ ابھی رات ہی تو تاریخ مقرر کر کے آئے ہیں۔ اب کس زبان سے انکار کریں۔ وہ لوگ ہمارے متعلق کیا خیال کریں گے۔

جواب دینے کی کیا ضرورت ہے امی جان۔ تاریخ مقرر رہنے دیں۔

شادی بھی نہ کریں اور تاریخ بھی مقرر رہنے دیں — یہ منطق میری تو سمجھ میں نہیں آ رہی۔

امی جان۔ عارف نے شہزاد کی جانب دیکھا جو آنکھیں بند کئے ان دونوں ماں بیٹے کی گفتگو بڑے غور سے سن رہا تھا عارف نے اندازہ لگایا کہ اس کے اس مشورے سے شہزاد کے چہرے پر طمانیت کے آثار پیدا ہو گئے ہیں۔ وہ کہنے لگا۔

امی جان۔ ثمینہ بھائی جان کے بس کی بات نہیں۔ ہاں آپ کا دوسرا بیٹا اس کے ساتھ زندگی گزارنے کا طریقہ جانتا ہے۔

کیا مطلب —؟

مطلب یہ امی جان کہ ثمینہ کی شادی میرے ساتھ کر دیں۔ میں اسے زندگی کی صحیح راہ پر گامزن کر لوں گا۔ لیکن بھائی جان اپنی شرافت کی وجہ سے ایسا نہیں کر سکیں گے۔

ارے بیٹا۔ کیا کہہ رہے ہو۔ کبھی تم امارہ سے شادی کا اصرار کرتے تھے اور اب ثمینہ کے متعلق کہہ رہے ہو؟

امی جان۔ عارف نے ہنستے ہوئے کہا۔ امارہ سے تو محض اس لئے کہہ رہا تھا کہ وہ بے سہارا تھی۔ یتیم تھی۔ بےکس تھی اور زندگی گزارنے کیلئے اسے ایک ہمدرد ساتھی کی ضرورت تھی۔ لیکن شائد مجھے پسند نہیں کرتی تھی۔ اس لئے چلی گئی۔ اگر وہ کبھی مل گئی تو اس کی شادی آپ بھائی جان سے کر دیں۔

شہزاد نے آنکھیں کھول کر عارف کی جانب دیکھا۔ اس کے چہرے پہ اطمینان کی لہریں لہرا رہی تھیں اور ہونٹوں پر بڑا پیارا تبسم رقصاں تھا۔ عارف نے محسوس کیا کہ بھائی جان کی بیماری کی جڑ اس کے ہاتھ میں آ گئی ہے وہ قدرے جھک کر کہنے لگا۔

کیوں بھائی جان۔ آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں۔

شہزاد چند لمحے اپنے چھوٹے بھائی جان کی جانب دیکھتا رہا پھر کہنے لگا۔

جیسے تمہاری خوشی عارف۔ مجھے تو صرف تمہاری خوشیاں عزیز ہیں۔

عارف کرسی سے اٹھا اور فرش پر بیٹھ کر اس نے اپنا سر شہزاد کے سینے پر رکھ دیا اور پھر جذبات سے مغلوب انداز میں کہنے لگا۔

بھائی جان ـــــ میں آپ کا گنہگار ہوں۔ مجھے معاف فرما دیں۔

شہزاد کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبانے لگے۔ اس نے ایک ہاتھ اٹھا کر عارف کے کندھوں پر رکھا اور پھر اسے کہنے لگا۔

عارف ـــ میں تو تمہاری ہر خواہش ماننے کو تیار ہوں۔ کبھی پہلے بھی میں نے انکار کیا ہے؟

بھائی جان ـــ عارف نے اپنے بھائی کی پیشانی پر ایک طویل بوسہ دیا اور پھر خاموشی سے کمرے سے باہر نکل گیا۔

سلمیٰ خاتون دونوں بھائیوں کو بڑے پیار سے دیکھتی رہیں اور جب عارف باہر نکل گیا تو شہزاد سے کہنے لگیں۔

شہزاد بیٹا ـــ عارف جو کچھ کہتا ہے تمہیں اعتراض تو نہیں۔

نہیں امی جان ـــ شہزاد نے مسکرا کر جواب دیا اور سلمیٰ خاتون سوچنے لگیں کہ اب فضیلت کے گھر تک یہ آواز کیسے پہنچائی جائے اور ابھی وہ سوچ ہی رہی تھیں کہ قیوم صاحب ڈاکٹر جاوید کی معیت میں وہاں پہنچ گئے۔ جاوید شہزاد کی جانب دیکھ کر مسکرانے لگا۔

جلدی سے اٹھو یار۔ کیا تم چارپائی پر لیٹ گئے ہو۔ جاوید نے ہنستے ہوئے شہزاد سے کہا۔

اپنی ہار مان لو جاوید۔ کہہ دو کہ تم کامیاب ڈاکٹر نہیں ہو۔ پھر شاید میں صحت یاب ہو جاؤں۔ شہزاد نے مسکرا کر اسے جواب دیا۔

اوہ ـــ اگر یہی ضد ہے تو بھئی میں ہار گیا اور تم جیت گئے واقعی میں کامیاب ڈاکٹر نہیں ہوں۔ شہزاد سنا تھا کہ ڈاکٹر اپنا علاج آپ نہیں کر سکتے۔ آج پتہ چلا کہ دوستوں کا علاج بھی نہیں کر سکتے۔

شہزاد کے علاوہ سلمیٰ خاتون اور قیوم صاحب بھی ہنسنے لگے۔

اب میں ٹھیک ہو جاؤں گا جاوید. فکر نہ کرو. شہزاد نے جاوید کی جانب دیکھا اور تھرما میٹر لے کر اپنے منہ میں رکھ لیا۔

اور جب تھوڑی دیر بیٹھ کر جاوید واپس چلا گیا اور کمرے میں شہزاد کے علاوہ صرف سلمیٰ خاتون اور قیوم صاحب ہی رہ گئے تو سلمیٰ خاتون اپنے خاوند سے کہنے لگیں۔

آج آپ پھر جائیے شکور بھائی کے ہاں۔

کیوں آج جانے کی کیا ضرورت ہے۔

ان دونوں بھائیوں نے مشورہ کر لیا ہے آپس میں. ثمینہ سے عارف کی شادی ہو گی. شہزاد کی نہیں ——— اور شہزاد کے لئے آپ امارہ کو تلاش کریں کہیں سے۔

قیوم صاحب پہلے حیرت سے اپنی بیوی کی جانب دیکھتے رہے اور پھر اپنے بیٹے کے چہرے پر شرم وحیا کی سرخیاں دیکھ کر مسکرانے لگے۔

مسلم

گرلز ہائی سکول کے وسیع ہال میں نقرئی قہقہے گونج رہے تھے۔ شہر بھر کے لڑکیوں کے سکولوں میں سے منتخب لڑکیاں یہاں جمع تھیں۔ لڑکیوں کے سالانہ تقریری مقابلے ہو رہے تھے۔

امارہ چونکہ اپنے سکول میں نئی نئی آئی تھی۔ لہذا ہیڈ مسٹرس نے ان مقابلوں کا سارا انتظام اس کے سپرد کر دیا تھا۔

اور امارہ بھی چونکہ اپنے کالج کی بہترین مقررہ تھی۔ کالج کے ہر جلسے میں ذوق و شوق سے حصہ لیا کرتی تھی اس لیئے اس نئے فرض کو بڑی خوش اسلوبی سے سر انجام دے رہی تھی۔

وہ گذشتہ چند دنوں سے بڑی مصروف تھی۔

سکول کی باقی استانیاں تعلیم و تدریس میں اپنا سارا وقت صرف کر رہی تھیں لیکن اس کی پوری توجہ اس اجتماع کے انتظامات کرنے میں لگی ہوئی تھی۔ اس نے چند ایک لڑکیاں ہیڈ مسٹرس کی اجازت سے لے لی تھیں اور ان کی مدد سے اس نے سکول کے ہال کو ایسے سجا دیا تھا۔ جیسے یہاں لڑکیوں کے تقریری مقابلے نہیں بلکہ مملکت کی کسی بہت بڑی ہستی کی تقریر ہو۔ ہال روم سے لے کر سکول کے بیرونی گیٹ تک اس نے رنگ برنگی جھنڈیاں لگوائیں۔ ان جھنڈیوں میں بڑے اچھے کتبے لکھوا کر لٹکا دیئے۔ تاکہ بیرونی سکولوں کی لڑکیاں جب ان کتبوں کا مطالعہ کریں تو اس سکول کی خوشگوار یادیں اپنے سینے میں لے کر جائیں۔ ہال کی دیواروں پہ اس نے مشاہیر کے فوٹو لگوا دیئے۔ علامہ اقبال۔ حالی اور آزاد کے اچھے اچھے شعر لکھوا کر جگہ جگہ لگوا دیئے اور پھر مقررہ دن سے ایک روز پہلے وہ ہال میں کرسیوں اور میزوں کی ترتیب میں مصروف رہی۔ سامعین کے لیئے نشستوں کا انتظام انتہائی عمدگی سے کیا گیا۔ ہال کی جنوبی دیوار کے ساتھ سٹیج بنائی گئی۔ جس کے درمیان ایک بڑی میز اور تین کرسیاں

رکھوادی گئیں۔ مان کرسیوں کے پیچھے ایک لمبی قطار میں متعدد کرسیاں رکھوادی گئیں، جو مختلف سکولوں کی معزز استانیوں کے لئے تھیں۔ تمام نشستوں کے درمیان تین مختلف راستے رکھے گئے تاکہ ہال کے ہر کونہ سے ہر لڑکی باآسانی سٹیج تک پہنچ سکے۔ اور جب وہ سارے انتظامات سے فارغ ہوگئی تو دفتر میں ہیڈ مسٹرس کی خدمت میں حاضر ہوئی۔

سارے انتظامات مکمل ہو گئے ہیں جناب —— اس نے اپنی مہربان ہیڈ مسٹرس سے کہا۔ ہیڈ مسٹرس اس کی دردناک کہانی سن کر پہلے ہی دن اس پر ضرورت سے زیادہ مہربان ہو چکی تھی۔ وہ امارہ کو دیکھ کر مسکرانے لگی۔

مجھے امید ہے امارہ کہ تم نے انتظامات میں کوئی کمی نہیں رہنے دی ہوگی۔

اپنی جانب سے تو پوری کوشش کی ہے جناب۔ آپ ایک نظر دیکھ لیں تو زیادہ اچھا ہے۔

ہاں چلو میں تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔

ہیڈ مسٹرس امارہ کے ساتھ اس کے کئے گئے انتظامات دیکھنے لگی۔

یہ جج صاحبان کی کرسیاں ہیں —— یہ صدر کی کرسی ہے۔ یہاں سیکریٹری بیٹھے گی۔ یہاں مہمان استانیاں ہوں گی۔ یہ سب نشستیں شہر کی معزز خواتین کیلئے ہیں۔ یہاں تقریر میں حصہ لینے والی لڑکیاں بیٹھیں گی۔ اور یہ باقی لڑکیوں کے لئے جگہ ہے۔

امارہ نے تمام نشستوں کی وضاحت کی۔

خوب، بہت خوب، ہیڈ مسٹرس نے خوش ہو کر کہا اور تعریف بھری نگاہوں سے امارہ کی جانب دیکھنے لگی۔

مجھے یقین ہے امارہ کہ جب کل میں انجمن کی صدر کو یہ بتاؤں گی کہ سارے انتظامات ہماری نئی معلمہ امارہ نے تنہا کیئے ہیں تو وہ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہیں گی۔

شکریہ جناب۔ امارہ ہیڈ مسٹرس کے ساتھ ہال سے باہر نکل آئی اور پھر اسے ہال سے گیٹ تک مہمانوں کے استقبال کا رستہ دکھانے لگی۔ دونوں جانب گملوں کے پودے لگا دیئے تھے۔ ان کے اوپر سبز، سرخ، نیلی، پیلی جھنڈیاں لٹک رہی تھیں۔ مناسب جگہوں پہ مناسب کتبے آویزاں تھے۔ بیرونی گیٹ تک ہیڈ مسٹرس ہر کتبہ بڑے غور اور دلچسپی سے پڑھتی گئی۔ باہر ایک بہت بڑا گیٹ بنایا گیا تھا۔ اس گیٹ کی پیشانی پہ سبز اور سفید پھولوں سے پاکستان کا جھنڈا کچھ اس انداز میں بنایا گیا تھا کہ ہیڈ مسٹرس صبر نہ کر سکیں۔ انہوں نے اسی وقت دفتر میں پہنچتے ہی صدرِ انجمن کو ٹیلیفون کیا اور اسی وقت سکول میں آنے کی دعوت دے دی۔

اور چند لمحوں کے بعد جب صدر کی کار بیرونی گیٹ کے سامنے رکی تو ہیڈ مسٹرس خود ہر تیاری کی وضاحت کرنے لگیں۔ صدر بڑی متاثر تھیں۔ اور یہ تاثر تو اور بھی بڑھ گیا جب ہال میں رکھی گئی ساری نشستوں کے بعد ہیڈ مسٹرس نے امارہ کو ان کی خدمت میں پیش کر کے مسکراتے ہوئے کہا۔

یہ سارے انتظامات ہماری اس معلّمہ نے تن تنہا کئے ہیں۔ ان میں کسی کے مشورے کا کوئی دخل نہیں۔

صدر صاحبہ بڑی دیر تک دلچسپ نگاہوں سے امارہ کو دیکھتی رہیں اور ہیڈ مسٹرس کو مبارکباد دینے لگیں کہ انھیں قدرت کی جانب سے ایک ایسی اچھی منتظم مل گئی ہے۔

اور آج ہال کی فضا میں نقرئی قہقہوں سے گونج رہی تھیں۔

شہر کے مختلف سکولوں سے مقابلہ میں حصہ لینے والی لڑکیاں اور ان کی استانیاں ہال میں پہنچ چکی تھیں۔ امارہ کے سکول کی ساری لڑکیاں پچھلی نشستوں پہ اپنی ان مہمان لڑکیوں اور استانیوں پہ دبی زبان میں فقرے چست کر رہی تھیں۔ باہر سے آنے والی استانیاں ہال کے ایک کونے میں کھڑی امارہ کے سکول کی استانیوں سے مل رہی تھیں اور قہقہے بلند کر رہی تھیں۔ ابھی جج صاحبان نہیں آئی تھیں۔ اس لئے جلسے کی کارروائی میں دیر تھی۔

ہیڈ مسٹرس صاحبہ اپنے دفتر میں بڑی بے چینی سے جج صاحبہ کا انتظار کر رہی تھیں۔ وہ بار بار اپنی کلائی پہ بندھی ہوئی نازک سی گھڑی کو دیکھتیں اور امارہ سے کہتیں۔

بڑی پابند ہیں وہ وقت کی۔ دس بج کر پندرہ منٹ سے ایک منٹ بھی پہلے نہیں آئیں گی۔ انھیں سوا دس کا ہی وقت دیا ہوا ہے نہ۔

جی ہاں۔ امارہ نے بڑے ادب سے جواب دیا۔

ابھی گیارہ منٹ باقی ہیں۔ ممکن ہے ان کی کار کہیں راہ میں ہو یا باہر کہیں
_____ گھڑی گڑ کے وہ اپنی گھڑی دیکھ رہی ہوں۔ وہ ٹھیک دس
بج کر پندرہ بیس منٹ پر یہاں پہنچ جائیں گی۔ یہ مجھے یقین ہے۔
سامنے برآمدے سے سیکنڈ مسٹرس ہال کی جانب جا رہی تھیں۔

ہیڈ مسٹرس نے انہیں آواز دی۔

مس زاہدہ پلیز۔

مس زاہدہ مسکراتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی تو ہیڈ مسٹرس نے گھڑی پہ نگاہیں جما کر کہا۔

مس زاہدہ۔ ہال میں شور بہت ہو رہا ہے۔ براہِ نوازش آپ سب کو اپنی اپنی جگہ بٹھا کر
اس شور کو بند کرائیں۔ اگر ممکن ہو سکے تو کسی لڑکی سے نعت وغیرہ سننا شروع کر دیں۔ پلیز!

جی بہت اچھا۔ میں وہیں جا رہی ہوں۔

الماس ـــــ!

جی!

تم نے پہلے بھی کبھی سٹیج سیکرٹری کے فرائض انجام دیئے ہیں!

جی میں اپنے کالج کی بزمِ ادب کی سیکرٹری تھی اور سٹیج سیکرٹری کے فرائض اکثر سر انجام
دیتی رہی ہوں۔

خوب۔ پانچ منٹ باقی ہیں۔ آؤ ان کے استقبال کے لئے گیٹ پر چلتی ہیں۔

باہر گیٹ کے قریب سکول کی چند استانیاں جمع ہو چکی تھیں۔ ان میں شہر کی چند ایک

معزز خواتین بھی تھیں۔ ٹھیک دس بج کر پندرہ منٹ پر جج صاحبہ کی کار گیٹ کے سامنے پہنچ کر رک گئی۔ ہیڈ مسٹرس نے پہلے اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کی جانب دیکھا۔ پھر امارہ کی جانب پھر لپک کر جج صاحبہ کا استقبال کرنے لگیں۔

جج صاحبہ باری باری سب معزز خواتین سے ہاتھ ملاتی ہوئی آہستہ آہستہ ہال کی جانب قدم اٹھانے لگیں۔ لڑکیوں نے پہلے ہی ہال میں اطلاع دے دی تھی کہ معزز مہمان آ رہی ہیں۔ وہاں کی آوازیں سو گئیں۔ شور بند ہو گیا اور قہقہے سینوں میں دب کر رہ گئے۔

ساڑھے دس بجے تلاوت اور نعت کے بعد تقریری مقابلے شروع ہو گئے۔ ان مقابلوں سے پہلے ہیڈ مسٹرس نے تقریری مقابلوں کی افادیت پر ایک مختصر سی تقریر کی اور اس کے بعد جج سکریٹری کی جانب دیکھ کر اپنی جگہ بیٹھ گئیں۔ امارہ اپنی جگہ سے اٹھی اور باری باری ہر لڑکی کو سٹیج پر بلانے لگی۔ تقریر شروع کرنے سے پیشتر امارہ سامعین کو بتاتی کہ یہ لڑکی کس سکول کی طالبہ ہے۔ کس کلاس میں پڑھتی ہے۔ تاکہ سامعین اس کی تعلیم اور عمر کا لحاظ رکھتے ہوئے اس کی تقریر سن سکیں۔

اور جب اس طویل فہرست میں اس نے مسجیلہ خانم کا نام پکارا تو امارہ کا دل سینے کے اندر زور زور سے دھڑکنے لگا۔

اوہ۔ تو سجیلہ بھی حصہ لے رہی ہے اس مقابلے میں۔ اب یہ گھر جا کر بتا دے گی کہ میں یہاں تھی۔ شہزادی یا عارف بھاگے بھاگے آئیں گے۔ مجھے سکول سے گھر واپس لے جائیں گے۔ اور پھر —— وہی زنجیریں —— وہی مجبوریاں۔ وہی آنسو اور وہی آہیں نہ

سجیلہ نے امارہ کے سٹیج پر چڑھتے ہی اسے دیکھ لیا تھا پہلے تو اسے صرف شک گزرا کہ یہ باجی امارہ ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ لیکن پھر وہ سوچنے لگی کہ باجی امارہ تو ان پڑھ ہے۔ وہ تو صرف دو تین کتابیں ہی ختم کر پائی تھی اور یہ سٹیج سیکریٹری تو بڑی تعلیم یافتہ ہے ہوتی ہے۔ اس کے ہاتھ میں انگریزی میں تحریر کردہ فہرست ہے۔ یہ وہ نہیں ہو سکتی۔ ممکن ہے اس کی کوئی ہمشکل ہو۔

لیکن اتنی مشابہت ـــــ وہ سوچتی رہی اور حیران ہوتی رہی۔

یہ باجی امارہ نہیں ـــ اس کے ذہن سے بار بار آواز آتی۔

نہیں، یہ باجی امارہ نہیں۔ اس کا ذہن دل کی بات جھٹک دیتا۔

اور جب امارہ نے پہلی بار مائیکروفون کے سامنے کھڑی ہو کر مقابلوں میں حصہ لینے والی پہلی لڑکی کا نام پکارا اور اس لڑکی کے سٹیج پر پہنچنے کے بعد بڑے ہی شستہ انداز میں اس کا تعارف کرانے لگی تو سجیلہ اس کی آواز سن کر چونک گئی ـــ یہ آواز تو باجی امارہ ہی کی ہے ۔ ۔ ۔ لیکن وہ تو ان پڑھ تھیں۔

وہ استانی کیسے بن گئیں؟ ـــــــ نہیں یہ کوئی دوسری لڑکی ہے۔ بالکل باجی امارہ کی ہمشکل۔ باجی امارہ نہیں ہو سکتی۔ اس کے ذہن نے فیصلہ کیا۔ لیکن کشمکش کی حالت ویسے ہی بس برقرار رہی۔ اور امارہ نے پہلی بار اس کا نام پکارا تو اس نے دھیان ہی نہیں دیا۔ وہ ابھی ہی سوچ میں مستغرق رہی۔ یہ باجی امارہ ہے ـــ یہ باجی امارہ نہیں۔

مس سجیلہ خانم متعلمہ کلاس دہم۔ گورنمنٹ ہائی سکول۔

امارہ نے مائیک میں دوبارہ آواز دی اور بجیلہ اپنا شن کر چونک اٹھی۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور مسکراتی ہوئی سٹیج کی جانب قدم اٹھانے لگی۔ امارہ بڑی دلچسپ نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ بجیلہ اس کے قریب پہنچی تو امارہ نے صرف آنکھوں کے تبسم سے اس کا استقبال کیا اور پھر مائیک کے ذریعے سامعین سے اس کا تعارف کرانے لگی

تعارف کے بعد بجیلہ نے اپنی تقریر شروع کی۔ شروع شروع میں تو اس کا ذہن الجھا رہا۔ لیکن آہستہ آہستہ وہ موضوع پر چھا گئی۔ اور امارہ اس کے قریب ہی اپنی کرسی پر بیٹھی دل ہی دل میں سوچنے لگی کہ یہ بجیلہ اتنی اچھی تقریر کرتی ہے۔ گھر میں تو اس کی خاموشی مشہور تھی۔ یہ چھپی رستم نکلی۔ چند منٹوں کے بعد بجیلہ نے تقریر ختم کی اور سٹیج سے اتر کر وہ اپنی جگہ واپس جانے لگی تو اس نے امارہ کی جانب بڑی پیاری نگاہوں سے دیکھا۔ مسکرائی اور پھر خاموش اپنی جگہ جا کر بیٹھ گئی۔

بجیلہ کے بعد چند مزید لڑکیوں نے باری باری تقریر کی۔ اور پھر یہ اجتماع ایک گھنٹہ کیلئے ملتوی کر دیا گیا۔

جج صاحبان انعامات دینے کا فیصلہ کریں گی۔

ہر جانب سرگوشیاں ہونے لگیں۔ بجیلہ کا دل چاہا کہ اٹھ کر وقفہ کے ان لمحات میں امارہ باجی کو دبوچ لے اور اسی سے پوچھے

کہیں باجی — تم اتنی خاموشی سے کیوں چلی آئیں تھیں — آپ تو ان پڑھ تھیں۔ یہاں استانی کیسے بن گئیں — گھر کیوں نہیں آئیں۔ آپ کی

پاؤ میں اور پھر سب کے آنسو بھی خشک ہو گئے ہیں۔ آپ کا دل اتنا سخت کب سے ہو گیا۔ لیکن وہ اماں ابو سے کچھ بھی نہ دریافت کر سکی۔ امارہ تو سٹیج سیکرٹری تھی اور وہ جج صاحبان کے ساتھ بڑی مصروف تھی۔

خدا خدا کر کے شام کے تین بجے کارروائی ختم ہوئی۔ کامیاب لڑکیوں کو انعامات دیئے گئے۔ مسبحیلہ سیکنڈ آئی تھی۔ انعامات تقسیم کرنے سے پہلے جج صاحب نے اس کامیاب مباحثہ پہ حصہ لینے والی لڑکیوں اور منتظمین کو خراج تحسین ادا کیا۔ انعامات دیئے اور پھر جلسہ برخاست کرتے ہوئے ہال سے باہر نکل گئیں۔

امارہ وہیں سٹیج پر کھڑی سجیلہ کا انتظار کرتی رہی۔

اور سجیلہ تیر کی طرح لپک کر سٹیج پہ پہنچی اور ساری لڑکیوں اور ساری استانیوں کے سامنے اس سے لپٹ گئی۔

باجی۔ باجی ــــ آپ ... سجیلہ کے جذبات نے اس سے زیادہ اس کا ساتھ نہ دیا۔ وہ مزید ایک لفظ بھی اپنی زبان سے ادا نہ کر سکی اور بڑے غور سے اس کی جانب دیکھنے لگی۔ اس کے ہونٹوں پہ تبسم تھا اور پلکوں میں خوشی کے آنسو چمک رہے تھے۔

سجیلہ ــــ تم نے تو بہت اچھی تقریر کی۔

شکریہ گڑیا باجی ــــ آپ یہاں کب سے ہیں۔

کئی دنوں سے سجیلہ جس روز سے میں تمہارے ہاں سے آئی ہوں۔

یہاں ـــ یہاں آپ کیا کرتی ہیں باجی ؟

یہاں میں لڑکیوں سے تقریریں کرواتی ہوں بجلیہ۔ تم نے دیکھ ہی تو لیا ہے

باجی۔ کیا آپ یہاں استانی نہیں ہیں ؟

استانی ہی تو ہوں۔

لیکن باجی ـــ وہ ۔ ۔ ۔ ۔ یعنی آپ

امارہ نے بجلیہ کو اپنے سینہ سے لگا لیا اور اس کے کان کے قریب اپنا چہرہ لے جا کر سرگوشی کرنے لگی۔

بجلیہ میں ان پڑھ استانی ہوں۔

بجلیہ پہلے تو حیرت سے اس کی جانب دیکھتی رہی۔ پھر کھکھلا کر ہنسنے لگی۔ آپ نے ہم سب کو خوب بیوقوف بنایا باجی ـــ واہ۔ مزہ آگیا ـــ ڈاگ بھی لڑکا۔ وہ کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔ امارہ اس کی جانب دیکھ دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔

باجی ـــ آپ ابھی چلیں میرے ساتھ۔ ورنہ میں نے اگر کسی کو جا کر بتایا تو میری بات پہ کوئی بھی اعتبار نہیں کرے گا۔

نہیں بجلیہ۔ ابھی میں نہیں جا سکتی۔ ابھی چند روز مجھے یہاں رہنے دو۔ اس نے بڑی مدہم آواز میں بجلیہ سے کہا۔

کیوں باجی ـــ میں گھر جا کر بتاؤں گی تو آپ کا کیا خیال ہے کہ آپ کو بیٹے کے لئے شاہدہ اکڑتی ہوئی نہیں آئے گی۔ اور وہ بڑی اُداس رہتی ہے باجی۔ آپ

سے آنے کے بعد کئی دنوں تک روتی رہی۔ اس نے کھانا بھی نہیں کھایا۔ وہ آپ کو بہت یاد کرتی ہے باجی۔

مجھے افسوس ہے بجلیہ مجھے وہاں سے آنا نہیں چاہئیے تھا لیکن حالات ایسے تھے کہ میں وہاں رہ بھی نہیں سکتی تھی۔ مجبوراً میں کسی کو بتلائے بغیر یہاں آگئی۔ میرے آنے کے بعد سب ہی حیران تو بہت ہوتے ہوں گے۔

ہاں باجی۔ سارے ہی پریشان ہو گئے تھے۔ وہ لوگ تو آپ کو یاد کرتے رہے۔ تلاش کرتے رہے اور آپ کی یاد میں آنسو بہاتے رہے۔ لیکن ہمارے گھر والوں نے تو باجی —— خدا کا شکر ادا کیا تھا کہ آپ چلی گئی ہیں۔ امی جان نے تو آپ پر طرح طرح کے الزامات بھی عائد کر دیئے تھے۔ خدا کا شکر ہے کہ ایک بھی صحیح ثابت نہیں ہوا۔

کیسے الزامات بجلیہ —— امارہ نے حیرت سے پوچھا۔

یہی باجی کہ آپ چوری کر کے بھاگ گئی ہیں۔ خدانخواستہ آپ آوارہ ہیں وغیرہ وغیرہ۔ لیکن باجی۔ آپ تو امی جان کی عادت جانتی ہیں۔ ان کی باتوں کا غصہ نہ منائیے۔

نہیں بجلیہ۔ میں کسی کی باتوں کا غصہ نہیں مناتی۔

تو چلئے باجی —— میرے ساتھ گھر چلئے۔ میں شاہدہ سے انعام لوں گی۔

نہیں بجلیہ۔ میں پھر کسی دن جاؤں گی۔ آج نہیں جا سکتی۔ میں خود ہی آؤں گی، کسی دن۔

بجیلہ بادل نخواستہ امارہ کو سکول ہی چھوڑ کر اپنے گھر کے لئے روانہ ہو گئی، لیکن وہ جانتی تھی کہ امارہ اب زیادہ عرصہ تک یہاں قیام نہیں کر سکتی۔ شاہدہ کو جیسے ہی پتہ چلا وہ اسی وقت اسے لینے کیلئے پہنچ جائے گی اور جب شاہدہ نے میٹھی میٹھی باتیں کیں تو باجی امارہ انکار نہیں کر سکے گی۔ اور اب وہ دل ہی دل میں یہ سوچ کر ہنس رہی تھی کہ وہ گھر پہنچتے ہی شاہدہ کو جب یہ خوش خبری سنائے گی تو اس کی کیفیت قابل دید ہو گی۔

رکشہ تیز چلاؤ ڈرائیور ـــ مجھے جلد گھر پہنچنا ہے۔

اس نے رکشہ ڈرائیور کو تاکید کی اور چند لمحوں کے بعد وہ اپنے گھر کے سامنے پہنچ گئی۔ رکشہ سے اترتے ہی اس نے ڈرائیور کو کرایہ ادا کیا اور بھاگتی ہوئی اپنے صحن میں میں داخل ہو گئی۔ صحن میں ثمینہ اور اس کی امی بیٹھی تھیں۔ بجیلہ نے اپنے انعام میں جیتا ہوا کپ ان کے قریب چارپائی پر پھینکا اور درمیانی دیوار کا دروازہ کھول کر بھاگتی ہوئی شاہدہ کے کمرے میں داخل ہو گئی۔

شاہدہ ـــ اری شاہدہ

اوہ بجیلہ۔ آؤ۔ بڑی خوش ہو۔

ہاں باجی۔ ایک بڑی ہی عمدہ۔ بڑی اچھی خوشخبری ہے۔

خوش خبری ـــ کیسی خوشخبری۔ شاہدہ نے مسکرا کر بجیلہ سے پوچھا۔

ایسے نہیں باجی۔ پہلے مٹھائی کا وعدہ کرو۔

بھی مٹھائی کا وعدہ تو خوش خبری کے بعد ہی کروں گی۔

نہیں شاہدہ باجی۔ پہلے وعدہ، بعد ازاں خوشخبری۔ ایسی خبر سناؤں گی کہ آپ خوشی سے ناچنے لگیں گی۔ آپ خوشی سے پاگل ہو جائیں گی۔

واقعی ـــــ شاہدہ نے حیرت سے پوچھا۔

بالکل۔

بھئی تو وعدہ رہا۔ اور اگر اعتبار نہ ہو تو یہ لو پانچ روپے پیشگی لے لو۔

روپے نہیں چاہئیں شاہدہ باجی۔ مٹھائی ہی کھاؤں گی۔

ارے اب بتا بھی دے میرے صبر کا امتحان لے رہی ہے۔ شاہدہ نے بے چین ہو کر کہا۔

تو آپ سننے کیلئے تیار ہیں باجی۔

شاہدہ اس کی جانب دیکھ کر مسکرانے لگی۔

آج میں نے امارہ باجی کو تلاش کر لیا شاہدہ باجی۔

کیا ـــــ شاہدہ نے چلا کر پوچھا۔ امارہ باجی کو تلاش کر لیا۔

ہاں۔ ہاں امارہ باجی سے مل کر آ رہی ہوں سیدھی۔

سچ مجیلہ۔

آپ کے سر کی قسم شاہدہ باجی۔ انہی کے پاس سے آ رہی ہوں۔

شاہدہ نے مجیلہ کو بازو سے پکڑا اور پھر اسے اپنے ساتھ بھگاتی ہوئی اپنی

امی کے کمرے کی جانب دوڑنے لگی۔ لیکن اس کی امی اور بانو جان تو شہزاد کے کمرے میں تھے۔ یہ دونوں کی دونوں آندھی اور طوفان کی طرح شہزاد کے کمرے میں داخل ہو گئیں۔

اپنے پلنگ پہ لحاف اوڑھے بیٹھا
شہزاد تھا۔ عارف کے نئے فیصلے نے اس
کی صحت پہ بڑا خوش گوار اثر کیا تھا۔ اس کا بخار
اب ٹوٹ چکا تھا اور گذشتہ دنوں سے اندر
اندر اس نے ٹیک لگا کر بیٹھنا شروع کر دیا
تھا۔ قیوم صاحب اور سلمیٰ خاتون اس کے
قریب ہی کرسیوں پہ بیٹھے عارف اور تنویر
کی شادیوں کے متعلق صلاح مشورے کر
رہے تھے اور عارف بڑی دلچسپی سے ان

کی گفتگو سن رہا تھا کہ شاہدہ اور سجیلہ طوفان کی طرح لہراتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئیں۔

اور یہ تینوں بڑی حیران نگاہوں سے ان دونوں لڑکیوں کو دیکھنے لگے۔

کیا بات ہے بیٹی۔ سلمیٰ خاتون نے پیشانی پر تیوری ڈال کر ان کی طرف دیکھا۔ انہوں نے آج تک گھر میں نوجوان لڑکی کو اس طرح بھاگنے اور دھکے کھا کر ہنسنے کی اجازت نہیں دی تھی۔

وہ سمجھتی تھی کہ لڑکی جوان ہونے کے بعد گھر والوں میں مردوں کے سامنے اس طرح چوکڑیاں بھرتی ہے اسکی شرم و حیا اسکا ساتھ چھوڑ دیتی ہے اور وہ لڑکی نہیں رہتی کچھ اور بن جاتی ہے۔

امی جان۔ امی جان شاہدہ نے مسکرا کر اپنی سانسیں درست کرتے ہوئے کہا۔

قیوم صاحب اور شہزاد دونوں مسکراتی ہوئی شاہدہ کی جانب دیکھنے لگے۔

امی جان ـــــ باجی امارہ۔

باجی امارہ ـــــ سلمیٰ خاتون کا سارا غصہ رفو ہو گیا اور وہ بڑی بے تابی سے شاہدہ اور سجیلہ کی جانب دیکھنے لگیں۔ قیوم صاحب بھی امارہ کے متعلق سننے کے لئے بے تاب تھے۔ شہزاد کی ساری کمزوریاں دور ہو گئیں اور اس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ وہ اپنے سینے میں مچلتے ہوئے جذبات کو دبائے بڑی بے قرار نگاہوں سے شاہدہ کی جانب دیکھ رہا تھا۔

ہاں ہاں کہو بیٹی۔ کیا کہنا چاہتی ہو؟

امی جان ۔ امارہ باجی کا پتہ چل گیا ۔

امارہ بیٹی کا پتہ چل گیا ۔ کہاں ہے وہ ۔ سلمیٰ نے جلدی سے پوچھا اور پلنگ سے اپنی ٹانگیں نیچے لٹکا کر بیٹھ گئیں جیسے پتہ ملتے ہی اسے لینے کے لئے بھاگنے کی تیار کر رہی ہوں ۔

امی جان ۔ جمیلہ امارہ باجی سے مل کر آ رہی ہے ۔ اسی نے بتایا ہے ۔

کیوں بیٹی ۔ کہاں ہے امارہ بیٹی ــــ قیوم صاحب نے مسکرا کر سعیدہ سے دریافت کیا ۔

چچا جان ۔ آج مسلم گرلز ہائی سکول میں ہماری تقریروں کا مقابلہ تھا ۔ میں بھی وہاں گئی تھی ۔ وہیں مجھے امارہ باجی ملیں تھیں ۔

مسلم گرلز ہائی سکول میں ــــ قیوم صاحب نے حیرت سے پہلے جمیلہ اور پھر سلمیٰ اور شہزادہ کی جانب دیکھ کر کہا ۔ پھر جیسے اپنے آپ سے سوال کرنے لگے ۔

ہائی سکول میں وہ کیا کر رہی ہے ؟

چچا جان ــــ امارہ باجی وہاں استانی ہیں ۔ جمیلہ نے مسکرا کر جواب دیا ۔

استانی ــــ یکبارگی تینوں کے منہ سے نکلا اور ان کی نگاہوں میں حیرت اور بے اعتباری کی جھلکیاں نمایاں ہو گئیں ۔

ہاں خالو جان ۔

نہیں بیٹی ۔ وہ بے چاری استانی کیسے بن سکتی ہے ؟ وہ تو تین ہی تو کتابیں اس

نے پڑھی ہیں، سنا ہے وہ بیٹی ہے۔ یا ممکن ہے انھوں نے دوسری جماعت کو پڑھانا شروع کر دیا ہو ـــــ قیوم صاحب نے اندازہ لگایا۔

نہیں چچا جان، امارہ باجی نے صرف دو تین کتابیں ہی نہیں پڑھیں۔ وہ تو کم از کم گریجویٹ ہے چچا جان۔ ہماری سٹیج سیکرٹری کے فرائض وہی سر انجام دے رہی تھیں۔ ان کی اردو اور انگریزی بڑی اچھی ہے چچا جان۔ وہاں تو وہ بڑی روانی سے انگریزی بول رہی تھیں۔

واہ بیٹی۔ تو نے تو ہمیں پریشان ہی کر دیا تھا۔ یقیناً تجھے غلط فہمی ہوئی ہے۔ وہ کوئی اور ہوگی۔ دنیا میں ہمشکل بھی تو ہوتے ہیں۔ سلمیٰ خاتون نے پھر اپنی ٹانگیں پلنگ پر رکھتے ہوئے تحمل سے کہا۔

نہیں چچی جان۔ پہلے میں بھی حیران تھی کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ کبھی میرا ذہن اسے قبول کرتا کبھی انکار کر دیتا۔ لیکن چچی جان جب میں اپنی باری پر تقریر کرنے کے لئے سٹیج پر گئی تو امارہ باجی نے مجھے پہچان لیا۔ میری تقریر کے بعد انھوں نے مجھے مبارکباد بھی دی اور جب انعامات تقسیم ہو گئے اور سب لڑکیاں باہر جانے لگیں تو میں نے امارہ باجی کو پکڑ لیا۔ اور ان سے کتنی ہی دیر تک گفتگو کرتی رہی۔

اوہ ـــ وہ یقیناً امارہ بیٹی ہی ہوگی۔ قیوم صاحب نے بڑے وثوق سے کہا۔

لیکن اس نے انگریزی کہاں سے سیکھ لی۔ سلمیٰ خاتون نے کہا۔

میرا خیال ہے کہ سلمیٰ کہ وہ تعلیم یافتہ لڑکی ہے۔ یہاں اس نے محض جھوٹ بولا تھا۔

شہزاد کے ہونٹوں پہ اس نئے انکشاف سے بڑی دلفریب مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ وہ اپنی امی سے کہنے لگا۔

یقیناً وہی ہو گی امی جان۔ ورنہ کوئی لڑکی اتنی جلدی تین چار کتابیں نہیں ختم کر سکتی۔ بھائی جان ــــ یہاں بھی تو وہ اکثر انگریزی کا اخبار اپنے سامنے پھیلا کر بیٹھی رہتی تھیں۔ ایک مرتبہ میں نے مذاق کیا کہ باجی کیا آپ اخبار پڑھ رہی ہیں تو کہنے لگیں۔ نہیں تصویریں دیکھ رہی ہوں۔ وہ تصویریں نہیں دیکھتی تھیں بھائی جان۔ دراصل اخبار پڑھا کرتی تھیں۔

قیوم صاحب پہلے مسکرا رہے تھے اب ہنسنے لگے۔

بہت خوب۔ بھئی اس نے ہم سب کو بیوقوف بنایا ہے۔ بہت عمدہ مذاق کیا تھا اس نے۔ میرا خیال ہے وہ اخبار میں اشتہار پڑھتی ہو گی جب اسے کسی استانی کا اشتہار دکھائی دیا تو چپکے سے چلی گئی تاکہ اپنے قدموں پہ آپ کھڑی ہو سکے۔

میں ابھی جاتی ہوں اسے لینے کیلئے۔ اس کی چوٹی پکڑ کر کھینچتی ہوئی لاؤں گی اسے۔ سلمیٰ خاتون نے مامتا کے سارے جذبات اپنے چہرے پر طاری کرتے ہوئے کہا۔

امی جان میں بھی آپ کے ساتھ جاؤں گی۔ شاہدہ نے ضد کی۔

ہاں بھئی ـــ جلدی جاؤ بلکہ بجلیہ کو بھی اپنے ساتھ لے جاؤ۔ [illegible]

اسے پکڑ کر لے آؤ۔

سے کیوں نہیں آؤں گی۔ اگر اس نے آنے سے انکار کر دیا تو اس کی ہیڈ مسٹرس سے شکایت کروں گی کہ یہ اپنے بوڑھے والدین کو تنگ کرتی ہے۔ اسے ملازمت سے نہ برخاست کرا دوں گی۔ سلمیٰ خاتون نے مصنوعی غصہ طاری کرتے ہوئے اپنے خاوند کو جواب دیا۔

امی جان۔ ہیڈ مسٹرس تو یہاں ہمارے قریب ہی رہتی ہیں۔

ہمارے قریب رہتی ہیں۔ کون بیٹی۔۔۔ سلمیٰ خاتون نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

وہی امی جان۔ بیگم ممتاز۔ آپ جانتی ہیں۔ انہیں؟

وہ۔ بیگم ممتاز ہیں وہاں ہیڈ مسٹرس۔ چلو بیٹی۔ چلے انہی کے ہاں چلتے ہیں۔ اس سے پتہ چل جائے گا کہ امارہ نے رہائش کہاں رکھی ہوئی ہے۔ سکول تو اب بند ہو گیا ہو گا بیٹی۔

ہاں امی جان۔ جلدی چلیے۔

اور جب یہ تینوں بیگم ممتاز سے امارہ کا پتہ دریافت کر کے اس کے کوارٹر کے سامنے ٹیکسی سے اتریں تو شاہدہ بڑی بے تابی سے کوارٹر کا بند دروازہ کھٹکھٹانے لگی۔

امارہ سکول سے واپس آنے کے بعد رات کے کھانے پکانے کی تیاری میں مصروف تھی۔ دروازے پر دستک سن کر وہ چونک گئی۔ اس وقت یہاں آنے والا کون ہو سکتا ہے۔ فوراً ہی اس کا ذہن بجلیہ کی جانب پلٹ گیا۔ کیا اس نے گھر

جا کر بتا دیا ہوگا۔ کیا شاہدہ تو مجھے لینے کے لئے نہیں آئی — کیا شہزاد یا عارف میں سے تو کوئی نہیں ہے؟ — کون ہو سکتا ہے؟ وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ہوئی بیرونی دروازے کے قریب پہنچی اور لرزتی ہوئی آواز میں پوچھنے لگی۔

کون ہے؟ شاہدہ جو زور سے دستک دے رہی تھی اس نے امارہ کی آواز پہچان لی اور بڑے ہی رعب سے کہنے لگی۔

پولیس۔

پولیس — شاہدہ نے دل میں سوچا۔ یہ پولیس میرے ہاں کیا لینے آئی ہے لیکن یہ آواز — یہ آواز تو شاہدہ کی ہے۔ اوہ۔ یقیناً یہ شاہدہ ہی ہوگی۔ اس نے کواڑ کھول دیا اور شاہدہ اس طرح اس سے لپٹ گئی جیسے دو بہنیں بڑی مدت کے بعد ایک دوسرے سے ملی ہوں۔

اری لڑکیو! اندر تو چلو — یہیں جم گئی ہو۔ سلمٰی خاتون نے اِدھر اُدھر دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا اور امارہ شاہدہ کو چھوڑ کر سلمٰی خاتون سے لپٹ کر رونے لگی۔

اب آنسو بہا رہی ہے تاکہ میں تمہیں ہاتھ نہ لگا دوں۔ سلمٰی خاتون نے مصنوعی غصے سے امارہ کو کہا اور اپنے آنسو خشک کرتے ہوئے دوبارہ اسے پیار کرنے لگیں۔ امارہ انہیں لے کر اپنے کمرے میں گئی۔ جہاں صرف ایک چارپائی تھی۔ یہ سب اسی چارپائی پر بیٹھ گئیں۔ امارہ کی آنکھوں میں ابھی تک آنسو لرز رہے تھے اور اس کے ہونٹوں پر بڑی دلفریب مسکراہٹیں رقص کر رہی تھیں۔

ارے بیٹی۔ ہم نے کیا گناہ کیا تھا جو تو ہمیں اس کی سزا دے رہی ہے۔ سلمیٰ خاتون نے امارہ کی جانب دیکھ کر پوچھا اور امارہ جواب دینے کی بجائے ان کی گود میں سر رکھ کر دوبارہ رونے لگی۔

امی جان۔ مجرم نے اقبالِ جرم کر لیا ہے۔ اس لئے اب جرح ختم کر دیں۔ شاہدہ نے مسکرا کر اپنی امی سے کہا۔ اور سلمیٰ خاتون ہنسنے لگیں۔

بیٹی، میں تو کچھ نہیں کہوں گی۔ ذرا گھر تو چل، تیرے خالو جان پوچھیں گے تجھ سے۔

ہاں باجی ---- وہاں تو آپ کے جرائم کی فہرست بڑی طویل ہے

امارہ بھیگی ہوئی پلکوں سے شاہدہ کی جانب دیکھنے لگی جیسے پوچھ رہی ہو کہ وہاں میرے کون سے جرموں کی فہرست تیار ہو گئی۔

جرم نمبر ایک باجی۔ آپ بغیر اطلاع وہاں سے بھاگ آئیں۔

جرم نمبر دو۔ آپ نے ہم سب کو بیوقوف بنایا ہمیں ڈاگ منی لڑکا بتاتی رہیں۔

جرم نمبر تین۔ امی جان جرم نمبر تین کونسا ہے شاہدہ نے بڑی معصومیت سے پوچھا اور امارہ شاہدہ کا سر اپنی گود میں لے کر اس کی پیشانی پر پے در پے بوسے دینے لگی

جرم نمبر تین یہ ہے بیٹی کہ اس کے آنے کے بعد شہزاد بیٹے کو بہت زیادہ صدمہ ہوا اور اسی صدمے کی وجہ سے وہ صاحبِ فراش ہے۔

اوہ ...... تو کیا وہ خدانخواستہ . . . . . .

جی ہاں باجی۔ بھائی جان تو اسی دن سے بیمار ہیں۔ بڑے کمزور ہو گئے ہیں۔ وہ

تو پلنگ سے اٹھ بھی نہیں سکتے باجی۔

اوہ۔ امارہ کی پلکوں میں پھر آنسو لرزنے لگے لیکن اس نے بڑے ضبط سے انہیں رخساروں پہ بہنے سے روک لیا۔

اللہ چچی جان یہ ایک جرم اور بھی تو ہے۔ بسجیلہ نے مسکرا کر سلمیٰ خاتون سے کہا۔

بھائی جان شہزاد کی بجائے اب بھائی جان عارف ثمینہ باجی سے شادی کر رہے ہیں۔

ہاں بیٹی۔ یہ جرم بھی عائد کیا جا سکتا ہے۔ سلمیٰ خاتون نے مسکرا کر امارہ کی جانب دیکھا جو اس نئے انکشاف سے بڑی حیران تھی۔ نہ صرف حیران تھی بلکہ اس کے تبسم میں اضافہ بھی ہو گیا تھا۔ اوہ۔ تو شہزاد کو زبان مل ہی گئی آخر — اس نے دل میں سوچا اور شاہدہ کی جانب دیکھنے لگی۔ شاہدہ جو اس کے چہرے کے بدلتے ہوئے تاثرات کو بڑے غور سے دیکھ رہی تھی کہنے لگی۔

باجی۔ تفصیل میں بعد میں بتاؤں گی۔ اب تو آپ تیاری کریں ہمارے ساتھ چلنے کی۔

ہاں بیٹی چلو۔ وہاں سب ہی تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ اور تیاری کیسی —؟ ہمارے ہاں سے یہ کون سی شادی کر کے آئی تھی۔ چلو اٹھو۔ جلدی کرو۔

لیکن خالہ جان — امارہ نے اِدھر اُدھر بکھری ہوئی اشیا پر نگاہ ڈال کر کہا۔

یہ سب سامان کس کا ہے بیٹی۔
یہ سب ہیڈ مسٹرس صاحبہ نے اپنے گھر سے بھجوایا تھا امی جان۔
اری چل میرے ساتھ بیگم ممتاز مجھے جانتی ہیں۔ میں انہیں کچھ دوں گی میں نے اپنی بیٹی کو زبردستی لے گئی تھی۔
یہاں تالا لگا دے یا میں عارف بیٹے کو بھیج کر سارا سامان بیگم ممتاز کے ہاں بھجوا دوں گی۔
یہی ٹھیک رہے گا امی جان۔ باجی فی الحال یہاں تالا لگا دیں بھیا آ کر سارا سامان بیگم صاحبہ کے ہاں لے جائیں گے۔
اور میری ملازمت — امارہ نے جلدی سے پوچھا۔
ملازمت کی کیا ضرورت ہے بیٹی اور اگر ضد ہی کرے گی تو بیگم ممتاز غیر تو نہیں ہیں۔ میں آج ہی رات انہیں اپنے ہاں بلا کر کچھ دوں گی۔
امارہ نے کوارٹر کو تالا لگایا اور دھڑکتے ہوئے دل کی ساتھ روانہ ہو گئی۔
اور جب ان کی ٹیکسی گھر کے دروازے کے سامنے پہنچی اور کرایہ دے کر یہ اندر صحن میں داخل ہوئیں تو قیوم صاحب ابھی تک شہزاد کے کمرے میں ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ عارف کہیں باہر گیا ہوا تھا اور تنویر اپنے کمرے میں دروازے بند کیے کسی کتاب کے مطالعہ میں مصروف تھا — مشاہدہ حسب عادت بھاگتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی —

ابو جان ـــ امارہ باجی آگئی ہیں۔

اچھا ـــ قیوم صاحب مسکرانے لگے اور شہزاد کی نگاہیں دروازے پر ٹک گئیں۔

پہلے سجیلہ داخل ہوئی۔ اس کے بعد کوئی خاتون امارہ کو بازو سے پکڑے اندر آئیں جیسے انہیں اندیشہ ہو کہ یہ لڑکی کہیں بھاگ نہ جائے۔ امارہ کی نگاہیں شہزاد کے بیمار چہرے پر پڑیں تو اس کا کلیجہ دھک دھک کرنے لگا۔ لیکن جلد ہی اس نے اپنی حالت کو سنبھال لیا اور قیوم صاحب کو جھک کر سلام کرنے لگی۔

قیوم صاحب اپنی جگہ سے اُٹھے اور اس کے سر پر شفقت بھرا ہاتھ پھیر کر کہنے لگے۔

بیٹی ـــ آگئی ہو تم۔

جی ـــ اس سے زیادہ امارہ کچھ نہ کہہ سکی۔ اس کی آنکھیں بھر آئیں اور آواز بھرا گئی۔

تسلیم ـــ اس نے پیشانی تک ہاتھ اٹھا کر شہزاد کو سلام کیا اور شہزاد صرف مسکرا کر رہ گیا

بیٹھ جاؤ بھئی۔ سب لوگ کھڑے کیوں ہو۔ شاہدہ بیٹی۔ جاؤ تم ہم سب کے لئے چائے یہاں ہی لے آؤ۔ یہیں بیٹھ کر پئیں گے۔ قیوم صاحب نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

شاہدہ چائے لینے کیلئے چلی گئی اور جب سجیلہ بھی اس کے ساتھ ہی

باہر جانے لگی تو سلمیٰ خاتون نے اسے آواز دی۔

اری بیٹی بجیلہ۔ تم کہاں جا رہی ہو۔ بیٹھو۔ چائے پی کر جانا۔

چچی جان۔ میں امی جان کو جا کر بتاؤں گی کہ باجی امارہ آگئیں ہیں۔ انہیں میں نے ابھی تک نہیں بتایا۔

اوہ۔ لیکن چائے پی کر چلی جانا بیٹی۔ سلمیٰ خاتون نے اصرار کیا لیکن بجیلہ مسکراتی ہوئی باہر نکل گئی۔

اور جب شاہدہ ٹرے میں سب کے لیے چائے رکھ کر کمرے میں داخل ہوئی تو اس کے ساتھ ہی فضیلت بی بی بھی کمرے میں آگئی۔ اسے بجیلہ نے جا کر بتا دیا تھا کہ امارہ مل گئی ہے اور سلمیٰ خاتون خود جا کر اسے گھر لے آئی ہیں تو اس نے اپنا فرض سمجھا کہ ان کی خوشیوں میں وہ بھی حصہ لے۔ آتے ہی امارہ سے لپٹ کر اس طرح آنسو بہانے لگی جیسے اس کی جدائی میں ہلکان ہوتی رہی ہو۔

اری بیٹی —— یوں بھی کہیں جایا کرتے ہیں۔ اگر تم نے جانا ہی تھا تو بتا کر گئی ہوتیں۔ ہم سب تو تمہاری جدائی میں رو رو کر نڈھال ہو گئے۔ دیکھو تو میری بیٹی کتنی نکھر در آئی گئی ہے۔ بیٹی کہاں رہی تو اتنے دن؟

بہن۔ اس نے مسلم گرلز ہائی سکول میں ملازمت کر لی تھی۔ وہیں سے پکڑ کر لائی ہوں اسے۔ سلمیٰ خاتون نے مسکرا کر جواب دیا۔

ملازمت —— کیوں بیٹی۔ ملازمت کی تجھے کیا ضرورت تھی۔ اور اگر ملازمت

ہی کا شوق تھا تو پڑھ لکھ کر بیٹی۔ اب وہاں کیا دیتے ہوں گے وہ سکول والے۔؟

چچی جان۔ کم از کم چار سو روپے تنخواہ ملتی ہو گی باجی امارہ کو۔ شاہدہ نے مسکرا کر کہا۔

چار سو۔ فضیلت نے حیران ہو کر امارہ کی جانب دیکھا۔ کیوں مذاق اڑا رہی ہو میری بیٹی کا۔ چار سو تو بی اے پاس لڑکیوں کو بھی نہیں ملتے اور میری بیٹی تو۔۔۔۔

چچی جان۔ باجی بھی تو اس سکول میں ٹیچر ہیں۔ چپڑاسی تو نہیں۔

ٹیچر ۔۔۔ فضیلت کی حیرتوں میں مزید اضافہ ہو گیا تو قیوم صاحب مسکرا کر کہنے لگے۔

ہاں فضیلت۔ امارہ بیٹی بھی گریجوایٹ ہے اور سکول میں پڑھاتی ہے۔

لیکن بھائی جان یہ تو۔۔۔۔ فضیلت نے بڑی حیرت سے امارہ کی جانب دیکھا جو سر جھکائے مسکرا رہی تھی۔

ہاں۔ اس نے ہم سب کو بیوقوف بنایا تھا۔ خوب مذاق تھا وہ بھی۔ قیوم صاحب قہقہہ مار کر ہنسنے لگے اور شاہدہ جلدی سے کہنے لگی۔

کیوں بھائی جان پہلے روز آپ نے باجی سے سبق سنا تھا۔ یاد ہے آپ کو؟

ہاں۔ شہزاد نے مسکرا کر جواب دیا۔

بی بوائے۔ بوائے معنی کتا

سی کیٹ۔ کیٹ معنی لڑکا۔

قیوم صاحب خوب جی کھول کر ہنسے اور ہنستے ہنستے کہنے لگے۔

بھی سبق تو اس نے غلط نہیں سنایا تھا۔ آج کل کے لڑکے بھیگی بلی بنے پھرتے ہیں یا پھر کتوں کی طرح بھونکتے رہتے ہیں۔ کیوں بیٹی۔ یہی مقصد تھا نہ تمہارا۔!

امارہ نے اپنے جھکے ہوئے سر کو گھٹنوں میں دے لیا اور گزرے ہوئے ایام کی یادوں کو تازہ کر کے مسکراتی رہی اور آنسو بہاتی رہی۔

اری بیٹی۔ اب گھٹنوں میں کیوں سر دے لیا ہے۔ جواب دو اپنے خالو جان کو۔ فضیلت بی بی نے اس کا سر اوپر اٹھا کر کہا اور سب لوگ مسکرا مسکرا کر چائے پینے لگے اور ابھی یہ چائے ہی پی رہے تھے کہ برآمدے میں قدموں کی آواز سنائی دی جو لحہ بہ لحہ قریب آتی جا رہی تھی۔ پھر یہ آواز دروازے کے قریب آ کر رک گئی اور جب دروازے میں لٹکتا ہوا پردہ اٹھا تو عارف سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا جب عارف کی نگاہیں امارہ پر پڑیں تو اس کی ساری مسکراہٹیں رخصت ہو گئیں۔ وہ بڑے غور سے دروازے میں کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے اپنے دونوں ہاتھ دوربین کی شکل میں اپنی آنکھوں پر رکھے اور جب اسے یقین آگیا کہ یہ امارہ ہی ہے تو اس نے اپنے والدین کی پرواہ کئے بغیر خوشی کا ایک نعرہ لگایا اور پھر کمرے میں قدم رکھ کر امارہ کے قریب پہنچ گیا۔

امارہ جانتی تھی کہ یہ شریر آدمی اب کوئی نئی شرارت کرے گا۔ اس نے اپنا سر جھکا دیا اور زیر لب مسکرانے لگی۔ عارف اس کے قریب پہنچ کر اسے سر سے پاؤں تک بار بار دیکھنے لگا۔ پھر اس نے ایک ہاتھ سے اس کا سر اوپر اٹھایا

اور اس طرح بڑبڑانے لگا جیسے خود اپنے آپ سے مخاطب ہو۔

ہے تو وہی — لیکن وہ نہیں ہے۔

سب لوگ مسکرا مسکرا کر اسے دیکھ رہے تھے۔ سلمیٰ خاتون نے اسے بازو سے پکڑ کر اپنے قریب کرسی پر بٹھا لیا اور تنبیہ کرنے لگیں۔

خبردار اگر میری بیٹی سے مذاق کیا تو۔ تمہاری ہی شرارتوں سے تنگ آکر وہ چلی گئی تھی۔ اب اگر وہ کہیں گئی تو تجھے میں نہیں چھوڑوں گی۔

امی جان۔ یہ امارہ ہی ہے۔ عارف نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔

ہاں بیٹا۔ کیا تو نے پہچانا نہیں اسے۔ وہی تو ہے۔

سادھو جی مہاراج نے فرمایا تھا کہ اگر صبح کا بھولا شام کو گھر آجائے تو اسے سرزنش ضرور کرنی چاہیے ورنہ دوسرے دن وہ پھر بھول جائے گا۔

بھئی یہاں تمہارے سادھو جی مہاراج کی منطق سے اختلاف ہے مجھے۔ شہزاد نے ہنستے ہوئے کہا۔

جی ہاں۔ آپ کو تو اختلاف ضرور ہو گا۔ لیکن میں سرزنش ضرور کروں گا۔ عارف نے اپنا کوٹ اتار کر قمیض کے بازو اوپر چڑھانے شروع کر دیئے اور شاہدہ امارہ کا ہاتھ پکڑ کر ہنستی ہوئے اسے باہر کھینچنے لگی۔

آؤ باجی۔ ہم اپنے کمرے میں چلتے ہیں ورنہ بھیا کی سرزنش — خدا بچائے۔

امارہ نے بھی اسی میں عافیت سمجھی کہ وہ شاہدہ کے ساتھ چلی جائے ورنہ عارف سب

کے سامنے مذاق کرتے کرتے اس کا ناک میں دم کر دے گا۔ وہ اٹھی اور شاہدہ کے ساتھ باہر نکل گئی۔

بیٹا۔ تم جا کر سامان لے آؤ امارہ کا۔ یہاں سے ہم رات کے وقت بیگم ممتاز کے ہاں پہنچا دیں گے۔

سامان ــــ کیسا سامان کہاں ہے۔ عارف نے حیرت سے اپنی امی کی جانب دیکھا۔ اور جب سلمیٰ خاتون نے عارف کو بتایا کہ امارہ نے مسلم گرلز ہائی سکول میں ملازمت کر لی تھی۔ وہ ان پڑھ نہیں بلکہ تعلیم یافتہ ہے تو عارف شہزاد کی جانب دیکھ دیکھ کر مسکرانے لگا جیسے خاموش نگاہوں سے اسے مبارک باد کہہ رہا ہو۔ اس نے کوارٹر کی چابی لی اور باہر نکل گیا۔

اور شاہدہ۔

ہمارہ کو کھینچتے ہوئے جب اپنے کمرے داخل
ہوئی تو ایک بار پھر اس کے گلے سے لپٹ کر اس
طرح اسے پیار کرنے لگی جیسے ماں کی ممتا کو ہجوم
میں گم شدہ اپنا لخت جگر اچانک مل جاتا ہے۔
اس نے بار بار ہمارہ کی پیشانی پر بوسے دیتے
اس کا سر اپنی گود میں رکھ کر اس کے بالوں میں
اپنی انگلیوں سے کنگھا کرتی رہی۔ اسکے تمتماتے
ہوئے رخساروں پر اپنے رخسار رکھ کر بار بار لے

بھینچ لیتی۔ اس کی پلکوں کو چومنے لگی۔ اور کتنی ہی دیر تک پیار کرتے رہنے کے بعد اسے کہنے لگی۔

دیکھ لیں باجی۔ آپ کے چلے جانے کے بعد میرے کمرے میں خزاؤں نے ڈیرے ڈال لئے تھے۔ بہاریں روٹھ گئیں تھیں باجی۔ ویرانیاں اور اداسیاں ہر سو جلوہ فگن تھیں اور باجی —— مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے رات کی تنہائیوں میں یہ دیواریں بھی روتی رہی ہیں۔

اچھا —— امارہ نے بڑے پیار سے مسکراہٹیں بکھیرتے ہوئے شوخ نگاہوں سے شاہدہ کی جانب دیکھ کر بار بار اپنی پلکیں جھپکائیں۔

ہاں باجی —— اور میں رات کی تنہائیوں میں اکیلی اس کمرے میں بیٹھی اکثر آنسو بہاتی رہی ہوں باجی —— اس گھر کا ہر فرد اپنی اپنی جگہ آنسو بہاتا رہا ہے باجی۔

اب تو میں آگئی ہوں شاہدہ۔

اب آپ آگئی ہیں باجی تو دیکھیے ہمارے گھر کے در و دیوار بھی مسکرا رہے ہیں۔ آپ نے دیکھا نہیں تھا باجی —— ابا حضور کتنے خوش ہو رہے تھے اور بھائی جان —— ان کے چہرے کی زردیوں میں تو سرخیاں چمکنے لگی ہیں باجی۔ اب مجھے یقین ہے کہ وہ بہت جلد تندرست ہو جائیں گے۔

وہ کب سے بیمار ہیں شاہدہ؟

بس باجی جس دن آپ گئی ہیں۔ اسی دن سے انہوں نے چپ سادھ لی تھی۔ خاموشی

سے دفتر چلے جاتے اور رات کی تاریکیوں میں واپس آ کر اپنے بستر پر دراز ہو جاتے۔ خدا جانے وہ سارا سارا دن دفتر میں کیا کرتے ہیں۔ پھر سات آٹھ دن کے بعد وہ پلنگ پر ایسے بیٹھے کہ آج تک نہیں اُٹھے۔ میرا خیال ہے باجی کہ انہیں صرف آپ کے جلنے کا غم تھا۔ اب یہ غم دُور ہو جائے گا تو انہیں صحت بھی ہو جائے گی۔ اور باجی آپ کو نئی بات بتاؤں ——— شاہدہ نے حسبِ عادت گھر کی خبریں بتانا شروع کیا۔

کیا ——— امارہ نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

باجی۔ بجلیہ کا منگیتر کراچی سے آ گیا ہے ——— دس بارہ سال کے بعد آیا ہے۔ بڑا خوبصورت نوجوان ہے باجی لیکن بڑا ہی دُکھی ——— اس کی امّی اور بہن گم ہو گئی ہیں۔ چھ سات ماہ انہیں تلاش کرتا رہا اور ہر جانب سے مایوس ہو کر اپنی پھوپھی کے پاس آ گیا۔

پھوپھی کون ———؟

چچی فضیلت اس کی رشتہ میں پھوپھی لگتی ہیں باجی۔ بجلیہ کے ماموں کا لڑکا ہے۔ سُنا ہے ایم اے پاس ہے اور پانچ چھ سو روپیہ ماہانہ کراچی میں تنخواہ لیتا ہے۔ لیکن اب تو اس نے طویل رخصت لے رکھی ہے۔ شادی کے بعد ہی جائے گا۔

شادی کب ہو رہی ہے بجلیہ کی ———

فروری کے آخری ہفتہ میں باجی۔ چند دن ہی تو ہوئے ابو جان اور امّی جان چچا جان کے ہاں گئے تھے اور تاریخ مقرر کر کے آئے ہیں۔

تاریخ مقرر کرنے خالو جان گئے تھے۔ امارہ نے حیرت سے پوچھا۔

ہاں باجی ۔ امی جان نے سجیلہ کے منگیتر کو مصیبت زدہ دیکھ کر اسے اپنا بیٹا بنا لیا ۔ ہمارے ہاں ہی تو رہتا ہے باجی ۔ بھیا عارف کے کمرے میں ۔ بڑا شریف ہے ۔ نگاہ اونچی نہیں اٹھاتا ۔ اب میرے تین بھائی ہو گئے ہیں باجی ۔

اوہ ۔ تو ابھی یہ خالو جان اس کے بیاہ کی تاریخ مقرر کرنے گئے تھے ۔

ہاں باجی ــــ اور ثمینہ باجی کی شادی بھی تو ساتھ ہی ہو رہی ہے ۔

اچھا ــــ امارہ نے آہستہ سے کہا اور اس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہونے لگیں ۔ اور وہ سوچنے لگی ثمینہ کی شادی عارف کے ساتھ ہو گی یا شہزاد کے ساتھ ۔ اگر شہزاد کے ساتھ ہوئی تو پھر ــــ وہ کیا کرے گی ۔ اس زندگی کے اجالے کیا پھر اس کا ساتھ چھوڑ جائیں گے ۔ کیا مستقبل کی تاریکیاں پھر اسے گھیر لیں گی ۔ لیکن اس کے یہ خدشات جلد ہی رفع ہو گئے ۔ شاہدہ کہہ رہی تھی ۔

باجی ــــ جب آپ چلی گئیں اور ابو حضور امی جان کے ہمراہ بھائی جان کے ساتھ ثمینہ باجی کی تاریخ مقرر کر آئے تو خدا جانے اسی دن یا اس سے اگلے دن بھیا عارف کو کیا ہوا ۔ انہوں نے امی جان سے کہہ دیا کہ وہ ثمینہ کے ساتھ شادی کریں گے اور باجی ــــ پہلے تو امی جان اور ابو حضور بڑے حیران ہوئے ۔ لیکن جب بھائی جان نے بخوشی اجازت دے دی تو پھر ابو حضور نے چچی صاحبہ اور چچا جان کو بھی راضی کر لیا ۔ اب عارف بھیا کی شادی بھی [illegible] ہفتے میں ہو رہی ہے ۔

امارہ کے دل سے خدشات کا غبار ایسے نکھر گیا جیسے چاند کے چہرے سے

تند و تیز ہوائیں بادل کے ٹکڑے کو دو ٹکڑا کرے جاتے ہیں۔ وہ بڑی پیاری مسکراہٹوں سے شاہدہ کی جانب دیکھنے لگی تھیں۔ لیکن شاہدہ کی رپورٹ تو ابھی ادھوری تھی۔ وہ کہنے لگی۔ اور باجی۔ جس دن آپ گئی ہیں اس دن ہم سب نے کھانا نہیں کھایا تھا۔ میرا دل تو دوسرے دن بھی کھانے کو نہیں چاہتا تھا باجی لیکن امی جان نے بضد ہو کر کھلا دیا۔ اور باجی — یہ جو ہماری چچی ہیں، چچی فضیلت۔ بڑی فضیلت کی مالک ہیں۔ انہوں نے آپ پر طرح طرح کے الزامات لگائے۔ لیکن پھر خود ہی شرمندہ ہو کر خاموش ہو گئیں اور آج باجی۔ دیکھا تھا آپ نے آپ کو گلے لگا کر اس طرح آنسو بہا رہی تھیں جیسے آپ کے بچھڑ جانے کا انہیں بڑا غم ہو رہا ہو۔ یہ تو صرف مگرمچھ کے آنسو تھے باجی — مجھے بڑا غصہ آیا تھا ان آنسوؤں کو دیکھ کر، لیکن میں ضبط کر گئی باجی ورنہ میرا دل چاہتا تھا کہ ان سے پوچھ لوں۔ کیوں چچی جان۔ یہ وہی باجی امارہ تو ہیں جن کے متعلق آپ نے کہا تھا کہ زیورات۔ نقدی۔ کپڑے لے کر فرار ہو گئی ہے۔

اوہ — ایسے الزامات تھے۔

ان سے بھی بدتر باجی۔ لیکن کیا کریں۔ ان کی تو عادت ہی ایسی ہے۔ شاہدہ نے جیسے انہیں معاف کر دیا۔ اور امارہ اس سے پیار کرنے لگی۔

اری بیٹی کیا کر رہی ہو اندر اندھیرے میں۔ روشنی تو کر لو۔

صحن سے سلمیٰ خاتون کی آواز سنائی دی اور راز و نیاز میں مصروف ان دونوں لڑکیوں کو اب پتہ چلا کہ باہر تاریکیاں پھیل گئی ہیں اور روشنیاں گم ہو گئی ہیں۔

اوہ باجی — رات ہو گئی اور پتہ ہی نہیں چلا۔ شاہدہ جلدی سے اُٹھی اور لائٹ آن کر کے امارہ کی جانب دیکھ کر مسکرانے لگی۔

باجی۔ آپ کی ان مسکراہٹوں کو ہی تو دیکھنے کے لئے میں ترس گئی تھی۔ سچ باجی — جب آپ مسکراتی ہیں تو مجھے ایسے محسوس ہوتا ہے جیسے میرے دل کے اندر کلیاں کھل جاتی ہیں۔

شاہدہ — امارہ نے اسے قریب آنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

جی باجی — شاہدہ جلدی سے اس کے قریب پہنچ کر اسے دیکھنے لگی۔

امارہ اٹھی اور شاہدہ کے بالوں کی چوٹی پکڑ کر کھینچنے لگی۔

شاہدہ رانی۔ میری غیر حاضری میں تو بڑی باتونی ہو گئی ہے۔ اتنی باتیں تو نے کہاں سے سیکھ لیں شاہدہ۔!

آپ کی جدائیوں سے باجی۔ شاہدہ نے مسکرا کر جواب دیا اور امارہ نے پھر اسے اپنے سینے سے بھینچ لیا اور بڑی دیر تک اپنی اس پیار کرنے والی شاہدہ سے پیار کرتی رہی۔

بی بی جی — ملازمہ نے برآمدے میں کھڑے ہو کر آواز دی۔

کیا بات ہے۔ شاہدہ نے اس کی جانب دیکھ کر پوچھا۔

جی بی بی کھانا تیار ہو گیا ہے۔

اوہ۔ آیئے باجی کھانا کھا لیں پھر ساری رات بیٹھ کر باتیں کریں گے۔

امارہ شکرا کر اٹھی اور اس کے ساتھ سلمیٰ خاتون کے کمرے کی جانب قدم اٹھانے لگی. لیکن سلمیٰ خاتون کا کمرہ تو خالی پڑا تھا. سب لوگ شہزاد کے کمرے میں بیٹھے ان کا انتظار کر رہے تھے. جب سے شہزاد بیمار ہوا تھا سلمیٰ خاتون اور قیوم صاحب کا اکثر وقت وہیں گزرتا تھا. اور گھر کے باقی افراد بھی وہیں جمع ہو جاتے تھے۔

آیئے باجی۔ بھائی جان کے کمرے کو ہی آجکل ڈرائنگ ہال بنا رکھا ہے ہم لوگوں نے۔ وہاں آپ کی ہمارے نئے بھائی سے بھی ملاقات ہو جائے گی۔ شاہدہ نے امارہ کا ہاتھ پکڑا اور برآمدے میں قدم اٹھاتے ہوئے شہزاد کے کمرے کی جانب بڑھنے لگی۔ عارف امارہ کا سامان لے کر واپس آچکا تھا اور سلمیٰ خاتون نے بیگم ممتاز کو بھی وہیں بلا لیا تھا۔ چنانچہ اس وقت کمرے میں قیوم صاحب، عارف، تنویر اور شہزاد کے علاوہ بیگم ممتاز بھی سلمیٰ خاتون کے قریب بیٹھی اسے ہنس ہنس کر امارہ سے ملاقات اور ملازمت کا قصہ سنا رہی تھیں اور سب لوگ بڑے غور سے بیگم ممتاز کی جانب دیکھ رہے تھے۔

شاہدہ کے ساتھ جب امارہ کمرے میں داخل ہوئی تو سب لوگ پہلے اس کی نگاہیں بیگم ممتاز ہی پہ پڑیں وہ اپنی ہیڈ مسٹرس کو اپنے گھر دیکھ کر بڑی حیران ہوئی اور حیرت اور خوشی کے جذبات لئے ابھی اس کی جانب قدم اٹھا ہی رہی تھی کہ تنویر اپنی جگہ سے اٹھا. امارہ کی نگاہیں تنویر پہ پڑیں تو اسے دیکھتی ہی رہ گئی. اس کے اٹھتے ہوئے قدم رک گئے چند لمحے وہ بڑے تعجب سے اسے دیکھتی رہی تھا

پھر جیسے اچانک اُسے ہوش آ گیا ہو۔

بھائی جان۔ وہ زور سے چلائی اور دوڑ کر تنویر سے لپٹ گئی۔

امارہ۔ میری بہن —— تم یہاں اس گھر میں

بتیا۔ آپ۔ امارہ اس سے زیادہ کچھ نہ کہہ سکی جذبات کا ایک طوفان اٹھا اور دونوں کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو گئیں۔

سب لوگ ان بہن بھائی کی اچانک ملاقات کو دیکھ کر ششدر رہ گئے۔

تنویر —— امارہ کا بھائی

امارہ —— تنویر کی بہن

ہر ذہن یہی سوچ رہا تھا۔ عارف، قیوم صاحب اور شہزاد مسکرا رہے تھے اور سلمی خاتون اور بیگم ممتاز مسکرانے کے علاوہ اپنی بھیگی بھیگی پلکوں سے ان دونوں کو دیکھ رہی تھیں جو ایک مدت بچھڑے رہنے کے بعد آج یوں اچانک مل گئے تھے اور تنویر، جسے دکھوں اور غموں نے بڑا انڈھال کر دیا تھا۔ جسے اپنوں کی جدائی نے اپنوں کی قدر و قیمت کا سبق اسے سکھا دیا تھا۔ بڑی دیر تک اپنی چھوٹی بہن کو سینے سے لگائے اس کے ساتھ پیار کرتا رہا۔ آنسو بہاتا رہا اور مسکراتا رہا۔ اور کتنی ہی دیر کے بعد جب یہ لوگ جدا ہوئے تو سلمی خاتون نے تنویر کو بازو سے پکڑ کر اپنے قریب بٹھا لیا اور اپنے خاوند کی جانب دیکھ کر مسکراتی ہوئی کہنے لگیں۔

کیوں جی ——، میں نے تنویر بیٹے کو اپنا بیٹا بنا کر کوئی غلطی تو نہیں کی

غلطی کیسی ---- لیکن میں حیران ہوں کہ ہم تنویر کی کہانی سن کر بھی اندازہ نہ لگا سکے کہ کہیں امارہ ہی اس کی بہن نہ ہو۔ قیوم صاحب نے حیرت سے کہا۔

میرے دل میں تو کئی مرتبہ یہ خیال آیا تھا۔ لیکن ہر بار مغل اس لیے چپ رہی کہ تنویر نے اپنی بہن کو تعلیم یافتہ بتایا تھا اور ہمارے پاس جو امارہ آئی تھی وہ تو بالکل ان پڑھ تھی۔

ان پڑھ ---- تنویر نے حیرت سے سلمیٰ خاتون کی جانب دیکھا۔

ہاں بیٹا۔ پوچھ لو اپنی اس بہن سے۔ اس نے ہمیں تو نہیں بتایا تھا کہ یہ پڑھی لکھی ہے۔ یہاں تو شاہدہ بیٹی نے اسے ابتدائی قاعدے سے پڑھانے شروع کر دیئے تھے۔

اوہ۔ تنویر امارہ کی جانب دیکھ کر ہنسنے لگا۔

خالہ جان۔ یہ بڑی شریر ہے۔ کراچی میں ہر روز ایک نئی شرارت کرتی تھی۔ یہاں بھی یقیناً اس نے اپنی شرارتوں سے سب کا ناک میں دم کر رکھا ہوگا۔

نہ بیٹا۔ سلمیٰ خاتون نے امارہ کا سر اپنے سینے سے لگا کر کہا۔

یہاں تو اس نے کوئی شرارت نہیں کی۔ بڑی اچھی بیٹی ہے یہ تو۔

جی ہاں۔ اس نے شرارت واقعی نہیں کی بلکہ ہم سب کو چھ سات ماہ ایسی عقلمندی سے بیوقوف بنایا اور ہم سب ایسی سادگی سے بیوقوف بنتے رہے کہ مثال ہی نہیں ملتی۔ قیوم صاحب نے ہنستے ہوئے کہا۔ اور امارہ نے شرما کر پھر اپنا سر جھکا لیا۔

امارہ کو دیکھ کر تنویر کو اپنی امی یاد آ گئیں۔ اسے پہلے ہی پتہ چل گیا تھا کہ اس

گھر والوں نے ایک ایسی لڑکی کو پناہ دے رکھی ہے جس کی امی ریل کے حادثہ میں فوت ہو گئی تھی۔ امارہ کو دیکھتے ہی وہ سمجھ گیا کہ حادثہ میں ہلاک ہونے والی خود اس کی اپنی امی تھی وہ دور بیٹھا غمگین نگاہوں سے اپنی بہن کو دیکھتا رہا تھا اور آنسو بہاتا رہا قیوم صاحب اس کے سینے میں اٹھنے والے غموں کے ان جذبات کو تاڑ گئے۔ انہوں نے بڑے پیار سے اس کے سر پر شفقت بھرا ہاتھ پھیرا اور اسے دلاسہ دینے لگے۔ محفل پہ کچھ دیر تک غموں اور دکھوں کی فضائیں طاری رہیں اور جب ملازمہ کھانا لے آئی تو آہستہ آہستہ دکھوں کے ان بادلوں میں زندگی کی بجلیاں گرنے لگیں اور سب لوگ کھانے میں مصروف ہو گئے۔

اور رات کے کھانے کے بعد جب سب لوگ اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے اور اماں کو تنویر کے ساتھ تنہائی میں گفتگو کرنے کے چند لمحات مل گئے تو وہ اسے کہنے لگی۔

بیٹا۔ آپ پہلے سے شادی کر چکے ہیں۔؟

ہاں۔ کیوں؟ تنویر نے امارہ کی جانب دیکھ کر پوچھا۔

لیکن بھائی جان۔ آپ نے شادی کی ہوتی ہے۔ کیا اب دوسری شادی کریں گے؟

تنویر کی نگاہوں میں وہ منظر پھر گیا جب اس نے نئی نویلی فیشن ایبل دلہن کے کہنے پر اپنی ماں اور بہن کو گھر سے نکال دیا تھا۔ وہ چند لمحے ماضی کی یادوں میں ڈوبا رہا اور جب ابھرا تو اس کی پلکیں بھیگی ہوئی تھیں۔ وہ کہنے لگا۔

امارہ۔ وہ میری سب سے بڑی بھول تھی۔ اس آوارہ لڑکی کے ساتھ شادی کر کے میں نے نہ صرف اپنی عزت اور وقار ہی کھویا ہے بلکہ اپنی ماں سے بھی محروم ہو گیا ہوں

کیوں بھیا۔ آپ کی عزت اور وقار کو کیا ہوا ؟

وہ بڑی آوارہ تھی امارہ۔ اس وقت تو میری آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ میری نگاہیں صرف اپنی بیوی کو دیکھتی تھیں۔ اس کے علاوہ مجھے دنیا کی کوئی چیز نظر نہیں آتی تھی۔ میں اس کی نگاہوں سے دیکھتا اور اسی کے کانوں سے سنتا تھا۔

مجھے یاد ہے امارہ۔ ابھی تک وہ منظر میری نگاہوں کے سامنے ہے۔ جب تم اور امی جان گھر سے نکلی تھیں۔ تم دونوں کے چہرے ابھی تک میری نگاہوں کے سامنے ہیں۔ کتنی مایوس تھیں امی جان اس وقت۔ تم دونوں کے آنے کے تین چار روز بعد اس کمبخت نے پل پرزے نکالنے شروع کر دیئے تھے۔ اور میں بڑی خاموشی سے کی حرکات دیکھتا رہا تھا۔ میں جب دفتر چلا جاتا تو گھر سارا دن اس کے دوستوں کا ہنگامہ رہتا۔ دراصل دوستوں کو ہی بلانے کے لیے اس نے مجھے مجبور کیا تھا کہ میں تم دونوں کو گھر سے نکال دوں۔ میں سارا دن گھر سے باہر رہتا اور وہ میرے گھر اس کے دوستوں کے ہنگامے گرم رہتے۔ اتوار کے روز جب میں گھر ہوتا تو بھی اس کے دوست آجاتے وہ سارا سارا دن ان کے ساتھ ہنستی کھیلتی رہتی اور میں اس طرح ایک کونے میں بیٹھ کر ان کی آوارہ مستیاں دیکھتا رہتا جیسے میں اس گھر کا مالک نہیں ہوں بلکہ ملازم

بہرحال مجھے مالکہ کے کام میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں ہے۔

تمہارے چلے آنے کے دو ہفتے بعد مجھے تمہاری آپی نے بتایا تھا کہ تم امی جان کے ساتھ راولپنڈی ماموں جان کے پاس چلی گئی ہو میرا دل چاہا کہ تم دونوں کو خط لکھ کر واپس بلاؤں لیکن میں اپنی بیوی کا انجام دیکھنا چاہتا تھا۔ لہذا خاموش رہا۔

ایک روز ماہ رہ۔ جب شام کے وقت میں تھکا ماندہ دفتر سے واپس گھر پہنچا، تو میں نے دیکھا کہ وہ ایک پلنگ پر شراب کے نشے میں مدہوش پڑی ہے۔ صحن میں سیر پڑا اور فرش پر مختلف برتن بکھرے پڑے ہیں۔ شراب کی دو تین بوتلیں اِدھر اُدھر اوندھی پڑی ہیں۔ سگرٹوں کے مختلف جلے ہوئے ٹکڑے فرش پر بکھرے ہوئے ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ یہ کوئی صاف ستھرا گھر نہیں بلکہ کباڑ خانہ ہے یا کسی ایسے تھرڈ کلاس ہوٹل کا کمرہ ہے جہاں نچلے طبقہ کے لوگ بیٹھ کر بیڑیاں پیتے ہیں۔ فرش پر تھوکتے ہیں اور کھانا کھا کر وہیں ہاتھ دھو لیتے ہیں۔

مکان کی یہ حالت دیکھ کر مجھے انتہائی غصہ آیا۔ میں نے اُسے جگانا چاہا اس نے خدا جانے کتنی زیادہ شراب پی لی تھی، اسے صبح سے پہلے ہوش نہیں آیا۔ وہ ساری رات ویسے ہی پلنگ پر بے ہوش پڑی رہی اور میں ساری رات مستقبل کے متعلق سوچتا رہا۔

صبح جب وہ بیدار ہوئی تو میں اس کے متعلق فیصلہ کر چکا تھا۔

صبح دفتر جانے سے پہلے میں نے طلاق نامہ لکھ کر اس کے حوالے کیا اور اسے

گھر سے نکال کر فلیٹ کو تالا لگا دیا۔

اوہ۔ تو آپ نے اسے طلاق دے دی۔

ہاں۔ اس کے بغیر چارہ ہی کیا تھا امارہ۔ اس نے میرے گھر کو گھر نہیں سمجھا تھا بے خانہ بنا دیا تھا۔ وہ میرے عزیزوں کو عزیز نہیں دشمن سمجھتی تھی اور خود اس نے مجھے شوہر کی بجائے ایک فقیر غلام سمجھ رکھا تھا۔ اگر اسے طلاق نہ دیتا تو اور کیا کرتا۔

سجلیہ بڑی اچھی لڑکی ہے بھائی جان۔ بڑی ہی نیک اور بڑی اچھی عادات کی مالک۔

سنا تو ایسے ہی ہے۔ عارف بھی یہی کہہ رہا تھا لیکن ہماری پھوپھی کے عادات تو مجھے پسند نہیں۔

امارہ مسکرانے لگی۔

آپ نہیں جانتے بھائی جان۔ اس پھوپھی نے مجھ پر کیسے کیسے الزامات لگائے ہیں۔ لیکن خود ہی شرمندہ ہو کر چپ ہو گئی۔ ان کی عادت ہی ایسی ہے۔ ان کی بڑی بیٹی ثمینہ بھی ایسی ہی ہے لیکن سجلیہ بہت اچھی ہے۔ مجھے بڑی خوشی ہے بھائی جان کہ وہ میری بھابی بنے گی۔

اوہ تو ثمینہ کی عادات بھی اپنی امی کی طرح ہیں۔

ہاں بھائی جان۔ جب میں یہاں انگریزی کا قاعدہ پڑھتی تھی تو اکثر ان لوگوں

سے انگریزی میں میرے خلاف گفتگو کیا کرتی تھی۔ اس نے ہمیشہ میری بُرائی کی لیکن ان میں سے کسی نے بھی اس کی آواز پر کان نہیں دھرا۔

تو عارف کی زندگی تباہ ہو گئی ۔۔۔ تنویر نے فکر مند لہجے میں کہا۔

نہیں بھائی جان۔ آپ نہیں جانتے۔ عارف سے وہ بہت ڈرتی ہے۔ عارف ہر بات منہ پہ کہہ دینے کا عادی ہے بلکہ میں تو بہت خوش ہوں کہ اس کی شادی عارف سے ہو رہی ہے۔ انشاءاللہ عارف اس کے سارے کس بل نکال دے گا۔

اچھا ۔۔۔ تنویر ہنسنے لگا۔

ارے باجی کیا کر رہی ہیں آپ ۔۔۔ دور سے شاہدہ کی آواز سنائی دی۔

آئی شاہدہ ۔۔۔ امارہ نے اسے بلند آواز میں جواب دیا اور اپنے بھیا سے کہنے لگی۔

شاہدہ میرے ساتھ بڑا پیار کرتی ہے بھائی جان۔

اور جب وہ شاہدہ کے کمرے میں پہنچی تو وہاں ثمینہ اور جمیلہ دونوں اس کی منتظر تھیں۔ دونوں باری باری اس سے لپٹ گئیں۔

آپ تو ہماری بہن نکلیں امارہ باجی۔ ہمارے ماموں کی بیٹی۔

امارہ انہیں دیکھ دیکھ کر مسکرانے لگی۔ اتنی دیر میں فضیلت بی بی مسکراتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئیں۔ اور امارہ کا سر اپنے سینے سے لگا کر بار بار اسے بھینچنے لگیں اور آنسو بہانے لگیں۔

میرے مرحوم بھائی کی نشانی ۔۔۔ بالکل اپنے باپ جیسی ہے۔ مجھے کیا پتہ تھا بیٹی

کہ تم میرے بھائی کی بیٹی ہو ورنہ ایک پل کے لیے بھی تمہیں نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیتی۔

امارہ مسکراتی رہی اور فضیلت بی بی اپنے آنسو اس کی مسکراہٹوں پہ نثار کرتی رہی۔

صبح سویرے۔ مؤذن کی اذان سن کر امارہ حسبِ عادت
اپنے لحاف سے نکلی۔ اس نے پانی گرم کیا۔
اور سلمیٰ خاتون اور قیوم صاحب کو وضو کے لیے
گرم پانی دے کر خود اس نے وضو کیا اور
نماز پڑھنے میں مشغول ہو گئی۔ وہ دن بھر کی نمازیں
گول کر دیا کرتی تھی لیکن بچپن ہی سے اسے صبح
کی نماز پڑھنے کی عادت تھی۔ جب وہ کراچی اپنے
گھر میں تھی تو ہمیشہ سردیوں کے موسم میں اپنی

امی جان مرحومہ کو گرم پانی دیا کرتی۔ یہاں ان کے ہاں آگئی تو بھی اس نے اپنی اس عادت کو ترک نہیں کیا۔ سردیوں کا آغاز ہوا تو اس نے پانی گرم کرنے کا فرض اپنے ذمے عائد کر لیا۔ روزانہ تڑکے مؤذن کی اذان کے ساتھ اٹھتی، پانی گرم کرتی اور گھر کے دونوں بزرگوں کے کمرے میں خاموشی سے پانی رکھ کر نماز پڑھتی اور پھر گھر کے دوسرے کاموں میں مصروف ہو جاتی۔ چند روز کے لئے جب یہ سکول میں چلی گئی اور قیوم صاحب اور سلمیٰ خاتون کو صبح سویرے گرم پانی نہ مل سکا۔ تو وہ ہر روز وضو کرتے وقت اسے یاد کرتے۔ شاہدہ کی بھلائی کی انہی یادوں کا اثر تھا کہ وہ دوبارہ ان کے ہاں آگئی۔

نماز پڑھنے کے بعد حسبِ عادت اس نے قرآن پاک کی چند ایک آیات کی تلاوت کیں، یہ آیات اسے حفظ تھیں اور پھر اپنی امی جان اور ابا مرحوم کی روحوں کو ان آیات کا ثواب پہنچانے کے بعد وہ گھر کے دیگر کام کاج میں مصروف ہونے سے پہلے شہزاد کے کمرے کی جانب قدم اٹھانے لگی۔

شاہدہ ابھی تک سو رہی تھی۔ عارف کے کمرے کا دروازہ بھی بند تھا۔ اور سلمیٰ خاتون اور قیوم صاحب اپنی اپنی نمازوں اور وظائف میں مشغول تھے۔ شہزاد کے ساتھ چند لمحے گفتگو کرنے کا اس سے بہتر موقع اسے کہاں مل سکتا تھا۔ سارا دن تو قیوم صاحب اپنے بیٹے کے کمرے میں بیٹھے رہتے تھے۔ اس نے سوچا کہ وہ اس کے کمرے کی صفائی بھی کر دے گی۔ بے ترتیب سامان کو ترتیب بھی دے گی اور اس کی بیمار پرسی بھی کرے گی۔ وہ دبے قدموں اس کے کمرے میں

داخل ہوگئی۔

شہزاد کروٹ لئے آنکھیں بند کئے سو رہا تھا۔

امارہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی اور پھر کمرے میں اِدھر اُدھر بکھری ہوئی چیزوں کو درست کرنے لگی۔ کرسیاں اِدھر اُدھر پڑی تھیں۔ اس نے اٹھا اٹھا کر ترتیب سے رکھ دیں۔ شیلف میں جوتے، کپڑے، ٹائیاں، کتابیں سب کچھ رکھا ہوا تھا۔ اس نے ایک ایک چیز نکال کر انہیں ان کی جگہوں پہ رکھا۔ کپڑے بے ترتیب کچھ ٹنگے ہوئے تھے کچھ میز پہ کچھ دری پہ پڑے تھے۔ انہیں اٹھا کر ترتیب دینے لگی اور جب کمرے کا سارا سامان درست ہو گیا تو برش سے کر دری صاف کرنے لگی۔ دری صاف کرتے وقت جب وہ شہزاد کے پلنگ کے نیچے سے صفائی کر رہی تھی اس کا سر زور سے پلنگ کے ساتھ ٹکرایا اور شہزاد آنکھیں کھول کر اسے دیکھنے لگا۔

اوہ ——— تم ——— وہ حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔

جی۔ امارہ نے نگاہیں جھکا کر کہا۔

پلنگ کے نیچے کیا کر رہی تھیں امارہ۔؟

جی۔ وہ صفائی۔ امارہ نے ہاتھ میں پکڑا ہوا برش اوپر اُٹھا کر جواب دیا، اور شہزاد مسکرانے لگا۔

کیا صبح ہو گئی ——— شہزاد نے حیرت سے دروازے کی جانب نگاہیں

اٹھا دیں لیکن پردہ حائل تھا وہ باہر کی روشنی کا صحیح اندازہ نہ لگا سکا۔

جی ہاں۔ اور اب تو سورج بھی طلوع ہونے والا ہے۔

سورج تو طلوع ہو چکا ہے امارہ۔ وہ تو کل ہی ہو گیا تھا۔ شہزاد نے امارہ کے چہرے پر نگاہیں جما کر کہا۔ اور امارہ نے شرما کر نگاہیں جھکائیں اور مسکرانے لگی۔

کیوں آپ کو زبان مل گئی —— امارہ نے چوٹ کی۔

نہیں امارہ۔ یہ تو میری خاموشیاں سرگوشی کر رہی ہیں۔

سُنا ہے کہ آپ بہت زیادہ بیمار رہے ہیں۔ امارہ نے نگاہیں اٹھا کر پوچھا۔

ہاں، میرا مسیحا مجھ سے روٹھ گیا تھا۔

کسی کے روٹھنے سے یوں صحت تو برباد نہیں کی جاتی۔

صحت کی خوشیاں تو اسے ہوتی ہے امارہ جسے زندگی سے پیار ہو۔ جب انسان زندگی سے بیزار ہو جاتا ہے تو پھر وہ صحت کی بربادی کا غم کیوں کرنے لگا۔

اوہ۔ تو آپ زندگی سے بیزار ہیں، امارہ نے شوخ نگاہیں اٹھا کر پوچھا۔

نہیں، اب تو بیزار نہیں ہوں۔ اب تو مجھے زندگی سے بڑا ہی پیار ہے امارہ۔ البتہ کل دوپہر تک میں کافی بیزار تھا۔

اور اس کے بعد

اس کے بعد مجھے پتہ چل گیا کہ میرا مسیحا آ رہا ہے۔

کیا آ گیا آپ کا مسیحا —— امارہ نے مسکرا کر پوچھا۔

ہاں۔ وہ آگیا اور اس کے ساتھ ہی میری زندگی کی بہاریں بھی لوٹ آئیں۔

شہزاد نے اپنے تکیے کے نیچے سے ایک چھوٹی سی نوٹ بک نکالی اور اس کی ورق گردانی کرنے لگا۔

یہ..... یہ... امارہ نے نوٹ بک جھپٹنے کی کوشش کی لیکن شہزاد نے اپنے ہاتھ لحاف میں چھپا لئے اور امارہ کی جانب دیکھ کر مسکرانے لگا۔

یہ نوٹ بک آپ کو کہاں سے ملی۔

رات میں سو رہا تھا امارہ کہ کسی نے میرے سینے پہ اسے لا کر رکھ دیا۔ جب میں نے کروٹ بدلی تو اچانک مجھے اس کا احساس ہوا۔ میں اسے پڑھنے لگا اور کافی دیر تک پڑھتا رہا۔

اوہ۔۔۔ عارف کو مل گئی ہوگی۔ یہ تو میرے تکیے کے نیچے تھی۔

ہاں۔ یقیناً وہی لایا ہوگا۔ سامان لینے وہی گیا تھا۔

بڑا شریر ہے عارف۔ اس نے پڑھ لی ہوگی۔

ضرور پڑھا ہوگا اسے ورنہ وہ کیسے جان سکتا تھا کہ یہ سب کچھ میرے لئے لکھا ہے۔ ویسے دیانتدار ہے۔ رات کے اندھیروں میں یہ امانت میرے سپرد کر گیا۔

کیوں آپ کے سپرد کیوں۔ یہ مجھے ملنی چاہیئے تھی۔

نہیں۔ میرے ہی لئے تو لکھی گئی ہے۔ اس لئے وہ مجھے دے گیا۔ سنا تم نے؟

امارہ نے شرما کر گردن جھکالی اور برش دری پہ آہستہ آہستہ پھیرنے لگی۔

سنو امارہ، لیسا لکھا ہے۔

۳۱ دسمبر ۔۔۔ گھٹنوں اور دکھوں میں ڈوبے ہوئے طویل سال کی یہ آخری رات ہے۔ زندگی کے دشوار راہوں میں کون کسی کا ساتھ دیتا ہے۔ جب اس سال کا آغاز ہوا تھا تو میں کتنی خوش تھی۔ میں نے اپنی پلکوں میں حسین سپنے لیا رکھے تھے اور اپنی سہیلیوں کے جھرمٹ میں بیٹھ کر بڑے فخر سے کہا تھا۔ اس سال بی۔اے کی ڈگری لینے کے بعد میں زندگی کا ایک نیا باب شروع کروں گی۔ ایسا باب جس کا ہر ورق بڑا ہی خوبصورت اور ہر حرف سنہری ہوگا۔ میں نہیں جانتی تھی کہ کاتبِ قدرت میری اس لاف زنی پر مسکرا رہا ہے۔ میری بدقسمتی قہقہے لگا رہی ہے۔ اور بدبختیاں بڑی بے قراری سے میرا انتظار کر رہی ہیں۔ امتحانات ختم ہوتے ہی میری زندگی کی بہاریں خزاؤں میں منہ چھپا کر رونے لگیں۔ زندگی کے نغمے آہوں میں بدل گئے۔ اور ماں کی مامتا نے مجھ سے روٹھ کر قبر کی گود میں منہ چھپا لیا۔ آخری سانس تک ساتھ دینے والا ضعیف سہارا ٹوٹ گیا۔

اور میری ویرانیوں میں سرگوشیاں کرتی ہوئی چند نئی کلیاں کھلنے لگیں۔ میں نے آنکھیں بند کر کے ان کلیوں سے پیار کرنا سیکھ لیا۔ ش کی مسکراہٹوں نے میری اداسیوں میں نقشے بکھیر دیئے اور میں ماں کا غم بھول کر موت کی وادیوں سے لوٹ آئی اور ایک بار پھر مسکراتی دنیا میں پیار کرنے لگی۔

لیکن ......

پیار کا یہ سہارا کتنا عارضی تھا۔ ش کے چھوٹے بھائی نے میرے پیار کے ان

حسین سپنوں کو ایک ہی جھپٹے میں توڑ دیا اور میں پھر آنسوؤں اور آہوں کی گود میں پناہ لینے پر مجبور ہو گیا۔

اور آج ـــــ اس طویل سال کی آخری رات ہے، اس سال نے مجھے سہارے دیئے اور چھین لیئے۔ اس طویل سال نے بار بار میری بہاروں کو اجاڑ کر خزاؤں کو بسایا اور بار بار میری خزاؤں کو مسکراہٹیں عطا کر کے انہیں چھین لیا۔

چند لمحوں کے بعد نیا سال شروع ہو جائے گا۔ لیکن میں اب اس نئے سال سے نئی امیدیں کیوں وابستہ کروں۔؟

کیوں امارہ ـــــ نئے سال سے نئی امیدیں کیوں نہیں وابستہ کیں تم نے۔؟ شہزاد نے مسکرا کر پوچھا۔

لیکن امارہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ بدستور آہستہ آہستہ دری پر برش پھیرتی رہی۔ شہزاد نے نوٹ بک کا ورق الٹا۔ لکھا تھا۔

۲ جنوری ـــــ ہر سو اداسیاں اور ویرانیاں۔

زندگی کا کوئی ایک گوشہ بھی تو آباد نہیں، تبسم روٹھ گئے اور آنسوؤں نے گھیرا ڈال لیا ہے ـــــ سامنے ـ سکول کے وسیع میدان میں اونچے اونچے پیڑ دکھائی دے رہے ہیں جن کی ٹہنیوں سے پتے یوں جھڑ گئے ہیں جیسے میری تمنائیں۔ ان کے سوکھے پتے کھڑکھڑاتے ہیں تو مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے میرے پہلو میں اداس دل دھڑک رہا ہو۔

یخ بستہ ہوائیں اداسیوں سے بوجھل ہو رہی ہیں ۔۔۔ کیا زندگی اداسیوں ہی کا نام ہے ؟

کیوں امارہ۔ شہزاد نے گردن اٹھا کر امارہ کی جانب دیکھا اور سوال کیا۔

کیا زندگی اداسیوں ہی کا نام ہے۔

نہیں ۔ امارہ نے برش پھیرتے پھیرتے اپنے ہاتھ روک لیے اور مسکرا کر شہزاد کی جانب دیکھنے لگی۔

تو پھر ۔۔۔ شہزاد نے سوال کیا۔

زندگی اداس مسکراہٹوں کا نام ہے شہزاد جی۔

اچھا ۔ شہزاد نے ہنستے ہوئے کہا اور نوٹ بک کا ورق الٹ کر پڑھنے لگا۔

۲ر جنوری ۔۔۔ زندگی کا وسیع میدان ایک لق و دق صحرا سے کم تو نہیں۔

ایک ایسا صحرا جہاں شب و روز آہوں کے بگولے چلتے ہیں اور کسی کی یادوں کے تیز اور نوکیلے کانٹے روح کو لہولہان کر دیتے ہوں۔ میری زندگی ایک ایسا ہی صحرا ہے۔ ایسا ہی ریگ زار ہے۔ جہاں کبھی پھول نہیں کھلے۔ کبھی بلبلیں نہیں چہچہائیں۔ کبھی بہاروں کا گزر نہیں ہوا۔

ش کی یاد اکثر ان تنہائیوں اور ویرانیوں میں میرے تصورات کے کسی گوشے میں یوں آ جاتی ہے جیسے رات کے سنسان اندھیروں میں کوئی جگنو بھٹکتا ہوا آ نکلے۔

خوب ۔ امارہ تم تو فلاسفر ہو۔ اپنی اس ڈائری میں تم نے زندگی کا فلسفہ

بڑے حسین انداز سے پیش کیا ہے۔

جی ہاں۔ کیا آپ نے وہ مقولہ نہیں سنا۔ امارہ نے مسکرا کر جواب دیا۔

کیا؟

عربی کے شاعر ابو العلائی کا قول ہے کہ اگر ذلت رسوائی اور قناعت کا نام تقویٰ تو گدھا سب سے بڑا متقی ہوتا ہے۔

کیا مطلب! شہزاد نے مسکرا کر اس کی جانب دیکھا۔

مطلب یہی کہ اگر اس طرح اوٹ پٹانگ تحریروں کا نام ہی زندگی کا فلسفہ ہے تو پھر واقعی میں فلاسفر ہوں۔

بھئی نہیں یہ تمہاری انکساری ہے ورنہ حقیقت یہی ہے کہ تمہاری تحریر بھی تمہاری طرح بڑی ہی پیاری ہے۔

امارہ۔

امارہ نے شرما کر نگاہیں جھکالیں اور پھر کرسیوں کے نیچے ردی کو صاف کرنے لگی۔

شہزاد نے ورق الٹا اور پھر بلند آواز سے پڑھنے لگا۔

۵ جنوری ـــــ چاندنی بین کر رہی ہے۔

میں نغموں کے ترنم اور گلوں کے تبسم کی باتیں کیسے کروں!

میری روح تو ریزہ ریزہ ہو کر بکھر چکی ہے۔ اور ان ریزوں کو اکٹھا کرنے والا اپنی زبان پہ قفل لگائے خاموشیوں کے دامن میں پناہ دے چکا ہے۔

میری چیخیں کون سنے گا۔ میری آہوں اور میرے نالوں کی آواز خاموشیوں کے دامن کو کیسے چیر کر اس تک پہنچ سکتی ہے۔

کیا ماضی کے جھروکوں میں زندگی کی ویرانیوں کا تماشا کرتے کرتے ہی عمر بیت جائے گی —؟

ہوائیں سسکیاں بھر رہی ہیں۔ چاندنی بین کر رہی ہے اور میں .... کسی کی تلخ یادوں کے چراغ میں اپنے آنسوؤں کا تیل ڈالنے کی ناکام کوشش کر رہی ہوں۔

امی جان۔ باجی کہاں گئیں۔ برآمدے میں امارہ کو شاہدہ کی آواز سنائی دی اور امارہ شہزادہ کی جانب مسکرا کر دیکھتے ہوئے شاہدہ کو آواز دینے لگی۔

میں یہاں ہوں شاہدہ۔

اوہ۔ شاہدہ نے دروازے کا پردہ اٹھا کر اندر جھانک کر کہا۔

میں سمجھی تھی باجی کہ آج آپ کسی دوسرے سکول میں ملازمت کرنے کے لئے چلی گئی ہیں۔

شریر کہیں کی۔ ہر روز ملازمت کون دیتا ہے۔ امارہ نے شاہدہ کو جواب دیا اور جلدی جلدی کمرے کی صفائی کر کے باہر نکل گئی ——

☆

پندرہ فروری کی یہ ایک بڑی حسین صبح تھی۔ ایک دن پہلے ہی پانی برس کر ہٹا تھا بادل کے آوارہ ٹکڑے اس وقت بھی دُور آسمان کی لامحدود وسعتوں میں کہیں کہیں تیر رہے تھے لیکن چمکیلے سورج کی سنہری کرنیں نے فضاؤں کو نکھیر دیا تھا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا۔ جیسے کائنات نے اپنا منہ دھو دیا ہے۔

انسان اجلی فضاؤں میں سلمیٰ خاتون اور

قیوم صاحب صحن کی دھوپ میں کرسیاں بچھائے اس مہینے کے بعد ہونے والی شادی پر غور کر رہے تھے۔ عارف اور شاہدہ کالج جا چکے تھے۔ شہزاد جیدری کے آخری دنوں میں بالکل تندرست ہو گیا تھا۔ اور اب باقاعدگی سے دفتر جا رہا تھا۔ تنویر اپنی بہن کو پیار کر دیتا بھر کے غموں سے نجات حاصل کر چکا تھا۔ وہ صبح سویرے باہر نکل جاتا، سارا دن لاہور کے باغات میں، لاہور کی سڑکوں پر اور مختلف مقامات میں گھومتا رہتا۔ امارہ نے باقاعدہ ملازمت کر لی تھی۔ سلمیٰ خاتون نے اسے منع بھی کیا تھا لیکن اس کی ضد کے سامنے بالآخر ہتھیار ڈال دیئے تھے خالہ جان ـــ سارا دن گھر میں بیکار بیٹھی کیا کروں گی۔ اور سلمیٰ خاتون نے اپنی روایتی مسکراہٹوں سے اُسے اجازت دے دی تھی۔

اور اس وقت

گھر کے سارے افراد اپنے اپنے فرائض ادا کرنے کے لئے باہر جا چکے تھے اور سلمیٰ خاتون صحن کی دھوپ میں بیٹھی اپنے خاوند سے شادی کے متعلق مزید صلاح مشورے کر رہی تھیں کہ دونوں گھروں کے درمیان کا دروازہ کھلا، اور فضیلت بی بی مسکراتی ہوئی داخل ہوئیں۔

آؤ بہن ـــ میں سوچ رہی تھی کہ خود تمہارے ہاں جاؤں۔ اچھا ہوا تم خود ہی آ گئی ہو۔

کیوں بہن جی ـــ خیریت تو ہے۔

ہاں خیریت ہی ہے۔ دس دن شادی میں رہ گئے ہیں۔ لیکن ہمارے اختلا

ابھی تک باقی ہیں۔

اختلافات، کیسے اختلافات بہن جی۔ فضیلت بی بی نے حیران ہو کر پوچھا۔

بہن۔ میں چاہتی ہوں کہ بچوں کی شادی دھوم دھام سے کردں۔ دو چار سو آدمیوں کی بارات ہو۔ باجا بجاتے ہوئے جائیں۔ اردگرد کے لوگوں کو پتہ چل جائے کہ ہاں ان لوگوں نے شادی کی ہے۔ لیکن تمہارے بھائی جان مانتے ہی نہیں۔

کیا کہتے ہیں بھائی جان۔ فضیلت نے مسکرا کر قیوم صاحب کی جانب دیکھا

کہتے ہیں یہ سب خرافات ہیں۔ شریعت کے خلاف ہیں۔ محض نمائش کی خاطر اتنی رقم خرچ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

کیوں بھائی جان، شادی بیاہ میں تو یہ سب کچھ ہوتا آیا ہے۔ آپ کیوں نہیں اجازت دیتے، شادی بیاہ تو باجے کے بغیر اچھا نہیں لگتا۔

نہیں فضیلت۔ یہ سب بکواس ہے۔ بھلا تین چار سو آدمی بلانے کی کیا ضرورت ہے۔ ہم دولہن گھرانوں کے لئے مصیبت کا باعث بن جائیں گے۔ ان کا استقبال، بیٹھنے کا انتظام، خوراک کا انتظام اور پھر ضد یہ کہ ان کا ساتھ بینڈ باجا بھی ہو ــــ لاحول ولا قوۃ گویا ہم محلہ والوں کو بتایا چاہتے ہیں کہ لو بھئی اب ہم بیاہنے جا رہے ہیں۔ یہ سب خرافات ہیں۔ انسان کو شادی انہی اصولوں اور طریقوں سے کرنی چاہیئے جن کی ہمارے دین نے اجازت دی ہے۔ بلکہ میں تو یہ چاہتا ہوں۔ کہ تینوں بچوں کو لے کر

خاموشی ہم تمہارے ہاں پہنچ جائیں گے۔ زیادہ سے زیادہ برادری کے دو چار عزیزوں کو بلالیں گے۔ بس نکاح کیا اور دلہنوں کو لے کر گھر آ گئے۔

واہ بھائی جان یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں نے برادری اپنی ناک کٹوانا ہے میں تو اپنے سارے رشتہ داروں کو دعوت نامے ارسال کر چکی ہوں۔

ناک تو خیر کوئی نہیں کاٹ سکتا۔ ورنہ جیل میں جانا پڑے گا۔ اُسے قیوم صاحب نے مسکرا کر جواب دیا۔ البتہ اگر تم نے اپنی ساری برادری کو بلا لیا ہے۔ تو ضرور یہ حماقت کا کام کیا ہے۔ بہر حال بارات وغیرہ کا خیال آپ دونوں اپنے ذہن سے نکال دیں میں زیادہ سے زیادہ پانچ دس معززین کا ساتھ لے کر آ سکتا ہوں۔ اس سے زیادہ کا اگر اصرار کیا گیا تو پھر میں خرافات کے اس ہجوم میں شامل نہیں آ سکتا۔ میں کہیں باہر چلا جاؤں گا۔

واہ بھائی جان۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ بہر حال جیسے آپ مناسب خیال فرمائیں۔ لڑکوں سے بھی تو دریافت کر لیتے۔

لڑکوں سے دریافت کر لیا تھا۔ شہزاد میرے ساتھ متفق ہے اور عارف کے متعلق تو تم جانتی ہی ہو۔ فضیلت۔ وہ ہر معاملے میں اپنے سادھو مہاراج کو آگے بڑھا دیتا ہے۔ میں نے آج ہی اس سے پوچھا تو کہنے لگا۔ سادھو مہاراج کا فرمان ہے کہ صرف لنگوٹ باندھ کر شادی کرنی چاہیے۔

فضیلت اور سلمیٰ خاتون مسکرانے لگیں اور پھر جیسے فضیلت کو کوئی بھولی ہوئی بات یاد آ گئی ہو، وہ سلمیٰ خاتون سے کہنے لگی۔

بہن جی۔ میں تو ایک ضروری کام سے آئی تھی۔

کہیا بہن۔؟

شادی میں صرف دس دن ہی تو باقی رہ گئے ہیں۔ آپ امارہ بیٹی کو ہمارے ہاں بھیج دیں۔ وہیں سے تینوں بہنوں کو ڈولی آئے گی۔

اپنے بھائی جان ہی سے دریافت کر لو بہن۔ مجھے کیا انکار ہے۔

کیوں بھائی جان۔ فضیلت قیوم صاحب کی جانب دیکھنے لگی۔

کیا آج ہی لے جانا ضروری ہے۔ دو دن پہلے لے جانا۔ ویسے یہ شادی خوب ہو گی۔ ایک ہی گھر سے تین دلہنیں اور ایک ہی گھر سے تین دولہا۔

آج ہی دیں بھائی جان۔ میرا بھی تو آخر اس پر حق ہے۔

حق کیوں نہیں فضیلت۔ تمہارے بھائی کی اولاد ہے تم سے زیادہ حق کس کا ہو سکتا ہے۔ قیوم صاحب نے مسکرا کر جواب دیا اور آسمان پر اڑتے ہوئے بادل کے ٹکڑے کو دیکھنے لگے۔

تو بہن جی۔ آج شام میں ثمینہ اور سجیلہ کو بھیجوں گی۔ وہ امارہ بیٹی کو اپنے ہمراہ لے جائیں گی

اچھا بہن۔ سلمیٰ خاتون نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر جواب دیا جیسے امارہ کی جدائی کا غم ابھی سے انہیں ستانے لگا ہو۔

خوشیوں اور مسرتوں کے یہ دس دن چپکے سے آئے اور بیت گئے۔ اور وہ دن آپہنچا جس کا دونوں گھرانوں میں بڑی شدت سے انتظار تھا

۲۵ فروری

قیوم صاحب نے دس پندرہ معززین کو مدعو کر رکھا تھا۔ اپنے عزیزوں میں سے صرف اپنی بہن اور سلمیٰ خاتون کے بہن بھائیوں کو بلایا تھا۔ دُور کے رشتہ داروں سے نہ وہ پہلے کبھی ملے تھے۔ اور نہ اس موقع پر انہیں بلانا انہوں نے ضروری سمجھا، ادھر شفیعہ بی بی نے اپنے سارے ہی عزیز اکٹھے کر لئے تھے۔

دوپہر تھوڑی دیر قبل تینوں بھائیوں کی بارات روانہ ہوئی۔ تین دُولہے۔ ایک ان کا باپ اور دس بارہ بڑے ہی معزز اور بزرگ شہری ۔۔ کوئی بینڈ نہیں تھا۔ باجا نہیں تھا۔ آتش بازی نہیں تھی۔ شور شرابا نہیں تھا۔ انتہائی خاموشی سے مسکراتے ہوئے، یہ بیرونی دروازے سے نکلے اور چند قدم طے کر کے شکور صاحب کے دروازے پر پہنچ گئے۔ وہاں شکور صاحب کی ساری برادری جمع تھی۔ انہوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔۔۔ سلمیٰ خاتون درمیانی دروازہ پار کر کے انکے ہاں پہنچ چکی تھی۔ اور خاموشی سے جا کر دلہنوں کے کمرے میں بیٹھ گئیں۔ شاہدہ تو اپنے بھائیوں کو رخصت کرتے ہی چھلانگ مار کر استقبال کرنے والوں میں شامل ہو گئی تھی۔ اس مختصر سی بارات کا استقبال بڑے ہی احترام کیا گیا اور دوپہر کے کھانے سے قبل دُلہوں کا نکاح شہر کے مولوی صاحب نے دلہنوں سے پڑھا دیا۔

ثمینہ۔ عارف کی بیوی بن گئی۔
سہیلہ، تنویر سے نکاح دی گئی

اور امارہ شہزادی کی رفیقۂ حیات بنا دی گئی۔

ہر طرف سے مبارک اور سلامت کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ فضیلت بی بی دولہن پہ صدقے اور واری ہو رہی تھیں۔ اور سلمیٰ خاتون دلہنوں کے قریب ہر ایک کو باری باری اپنے سینے سے لگا کر پیار کر رہی تھیں۔ انہیں سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کس کو پیار کریں اور کس کو سینے سے علیحدہ کریں۔

اور پھر شام کے وقت۔۔

جب قیوم صاحب کے مہمان رخصت ہو گئے۔ اور مغرب کی اذان سن کر جب سلمیٰ خاتون اور قیوم صاحب نے اپنے سر خدا کے حضور سجدہ میں جھکا دیئے تو عارف انتہائی خاموشی سے دلہنوں کے کمرے میں داخل ہوا۔ تینوں دلہنیں ایک ہی کمرے میں بیٹھی تھیں اور شاہدہ ان کے ساتھ ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھیں۔ کہ ثمینہ کی نگاہیں سب سے پہلے عارف پر پڑیں اور اس نے جلدی سے اپنا دوپٹہ وغیرہ درست کر کے نگاہیں جھکا لیں۔ امارہ، سجیلہ اور شاہدہ عارف کی جانب دیکھ کر مسکرانے لگیں اور عارف پٹھانوں جیسے لہجے میں کہنے لگا۔

اور خو چہ۔ امارہ ڈلین کدھر ہے۔۔

بھیا۔ امارہ۔ دلہن یا ہمارا ڈلین۔ شاہدہ نے ہنستے ہوئے اس سے پوچھا۔

اوہ۔ چہ امارہ وہاں ٹھیک نہیں ہے۔ ایک ہی مطلب ہے۔

نہیں بھیا۔ یہاں ایک ہمارا ڈلہن ہے اور ایک امارہ دلہن۔ آپ کو کون سی

دلہن چاہیئے۔؟

خو چہ ام کو اپنا دلہن چاہیئے۔ اپنا۔ اس نے بڑی سنجیدگی سے شاہدہ کی جانب دیکھ کر کہا۔ اور شاہدہ ہنستے ہنستے دہری ہو گئی۔

یہ بیٹھی ہے بھیا آپ کی دلہن

اوہ ہمارا دلہن بیٹھا ہے۔ ہم اس کو ایک بات کہتا ہے۔

کیا بات بھیا۔ شاہدہ نے پلکیں جھپکا کر عارف کی جانب دیکھا۔

ہمارا دلہن سے کہہ دو شاہدہ۔ ہم غلط انگریزی نہیں سننا چاہتا۔ ہم پٹھان لوگ انگریز کا دشمن ہے۔ غلط انگریزی کو گولی مارتا، گولی۔

شاہدہ، امارہ اور سجیلہ کے قہقہوں میں ثمینہ کی مسکراہٹیں بھی نمایاں ہو گئیں اور عارف ان سب کو دیکھتا ہوا باہر نکل گیا۔ اور جب وہ تنویر اور شہزاد کے کمرے میں پہنچا تو کہنے لگا سادھو جی مہاراج نے کہا تھا کہ گربہ کشتن روزِ اوّل پہ شادی کے بعد ضرور عمل کرنا چاہیئے۔

کیا تم نے عمل کیا ہے، سادھو جی مہاراج کی اس نصیحت پہ۔ شہزاد نے مسکرا کر پوچھا۔

ہاں بھائی جان۔ ابھی عمل کرنے ہی تو گیا تھا۔

اوہ۔ تو تم ثمینہ سے ملنے گئے تھے۔

ملنے نہیں گیا تھا۔ بھائی جان بلکہ گربہ کشتن یعنی بلی مارنے کے لئے گیا تھا۔

تو مار آئے بتی ؟

ہاں بھائی جان - اب ثمینہ انشاء اللہ ساری عمر میرے سامنے انگریزی نہیں بولے گی۔
انگریزی - تنویر نے حیرت سے عارف کی جانب دیکھا -

ہاں تنویر بھائی ثمینہ کو غلط انگریزی بولنے کی عادت ہے میں نے سادھو جی مہاراج کی نصیحت پر عمل کرتے ہوئے گربہ کی بجائے انگریزی کا فارمولا استعمال کیا ہے -

اور رات کی تنہائیوں میں جب امارہ شہزاد کے سامنے گٹھری بنی بیٹھی تھی تو شہزاد نے اس کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر دبایا اور اس کا چہرہ اوپر کر کے کہنے لگا۔
دیکھا امارہ - میری خوشیوں کا معجزہ -

امارہ نے بڑی پیاری نگاہوں سے شہزاد کی جانب دیکھا اور پھر پلکیں جھپکا کر نگاہیں جھکالیں جیسے کہہ رہی ہو -

آپ کی خاموشیوں کا معجزہ نہیں شہزاد جی - یہ تو میری ہی بے بسی پر تقدیر کو رحم آگیا ہے - ورنہ آپ نے تو بڑی خاموشی سے میرے پیار کی گردن پر کند چھری چلادی تھی -

ختم شد

نئے مصنفین متوجہ ہوں

ہم بڑی مسرت سے یہ اعلان کرتے ہیں
کہ جمال پبلشرز "ملتان" کے زیر اہتمام ایک انعامی
مقابلے کا انعقاد عمل میں لایا جا رہا ہے۔
تفصیل درج ذیل ہے!

بہترین رومانی و معاشرتی ناول پر

پہلا انعام	1500.00	دوسرا انعام	900.00
تیسرا انعام	400.00	چوتھا انعام	150.00

اگر آپ تصنیف و تالیف کو پیشے کے طور پر اپنانا چاہتے ہیں تو اس سنہری موقع سے فائدہ اٹھائیں۔ اور اپنی پہلی فرصت میں ناول کا مسودہ بذریعہ رجسٹری ادارہ کے پتے پر ارسال کر دیں۔ مسودہ پر "بغرض انعامی مقابلہ" لکھنا نہ بھولئے گا۔ ایک پتہ لکھا ہوا لفافہ "SELF ADDRESSED ENVLOP" بھی ہمراہ بھیجیں۔ تاکہ انعام کی صورت میں اطلاع دی جا سکے۔ مسودے واپس منگوانے کی صورت میں ۲۰ پیسے - ۱ روپیہ کی ٹکٹیں ہمراہ آنی ضروری ہیں۔

خواتین کے مسودوں کو ترجیح دی جائیگی

جمال پبلشرز ——— ملتان